مطبوعات مؤتمر المصنفین (۳۷)

حیاتِ صدر المدرسین

متکلم عصر حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زروبوی رحمۃ اللہ علیہ

صدر المدرسین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

جس میں

آپ کے خاندانی مشائخ و اساتذہ کا تعارف، حالاتِ زندگی، کمالات و خصوصیات، علمی و ادبی خدمات اور دیگر امتیازات پر مفصل تبصرہ اور تعارف آگیا ہے اس طرح یہ کتاب نہ صرف حضرت مرحوم کی سوانح حیات ہے بلکہ دار العلوم حقانیہ کی اجمالی تاریخ بھی ہے۔

مُرتب

مولانا محمد ابراہیم فانی (زروبی)
مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مؤتمر المصنفین
دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مطبوعات مؤتمر المصنفین (۳۷)

حیاتِ صدر المدرسین

جلد ۱

متکلمِ عصر حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زروبوی رحمۃ اللہ علیہ

صدر المدرسین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

جس میں

آپ کے خاندانی مشائخ و اساتذہ کا تعارف، حالاتِ زندگی، کمالات و خصوصیات، علمی و ادبی خدمات اور دیگر امتیازات پر مفصل تبصرہ اور تعارف آگیا ہے اس طرح یہ کتاب صرف حضرت مرحوم کی سوانح حیات ہے بلکہ دار العلوم حقانیہ کی اجمالی تاریخ بھی ہے۔

مُرتّب

مولانا محمد ابراہیم فانی (زروبی)
مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مؤتمر المصنفین
دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

* نام کتاب ——— حیات صدر المدرسین
* سوانح حیات ——— متکلم عصر علامہ عبدالحلیم زروبوی، صدر المدرسین دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک
* مرتب ——— حافظ محمد ابراہیم فانی
* ضخامت ——— ۵۱۲ صفحات
* تعداد ——— ۱۱ سو
* کتابت ——— محمد عبدالواحد اختر راولپنڈی
* تاریخ اشاعت ——— صفر المظفر ۱۴۱۱ھ / ستمبر ۱۹۹۰ء
* ناشر ——— مؤتمر المصنفین، دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک
* قیمت ———

طبع فی المطبعة العربیة

ملنے کے پتے

دار الکتب العلمیہ — نزد چونگی نمبر ۲ — اکوڑہ خٹک
مکتبہ صدیقیہ — اڈہ بازار — اکوڑہ خٹک
کتب خانہ رشیدیہ — راجہ بازار — راولپنڈی
مکتبہ مدنیہ — اردو بازار — لاہور نمبر ۲
المحمود اکیڈیمی — قصہ خوانی — پشاور
ادارہ اسلامیات — انارکلی — لاہور نمبر ۲
مکتبہ سید احمد شہید — ۱۰-الکریم مارکیٹ — لاہور نمبر ۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

سیّدی شیخی ابی

حضرت علامہ مولانا عبدالحلیم صاحبؒ

(از حافظ محمد ابراہیم فانی مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

اے تکلم کے امام و بذلہ سنج و نکتہ بیں   تیرے سینے میں نہاں ہے عشقِ ختم المرسلین
موجزن ہے دل میں تیرے جذبۂ صدق و یقیں   باوجودِ ضعف و پیری خادمِ دینِ متیں

تیری حق گوئی حق آگاہی شجاعت مرحبا
مسندآرائے طریقت اور شریعت مرحبا

رازدانِ رمزِ قرآنی و اسرارِ کتاب   تیری ہر تقریر ہے بس انتخاب ولاجواب
سطوتِ باطل ہے تیرے سامنے مثلِ سراب   آفریں صد آفریں بر نطقِ تو عالی جناب

تشنگانِ علم کو ہے منبعِ فیاض تو
درحقیقت وقت کے رازی ہیں اور عیاض تو

ہے حریمِ معرفت کا گنجِ عرفاں کی کلید   حضرت سیّد حسین احمد کے شاگردِ رشید
ذوقِ تو در درسِ "مسلّم" قابلِ داد است و دید   جامعِ معقول و منقول است دَہر نا پدید

تیری محفل میں ہے ہر دم دورِ صہبائے حجاز

ذکرِ محبوبِ خدا و شوقِ مینائے حجاز

قاسم و محمود انور کی جھلک ان میں عیاں   شیخ عبدالحق کے دیرینہ رفیق و رازداں

مفتخر جن پر ہے تقویٰ و تصوف کا جہاں   مشغلہ دونوں کا ہے درس احادیث و قرآں

سیدی شیخی ابی والائے اوصافِ کمال

رب نے دی تجھ کو فراست مومنانہ لازوال

پیکرِ زہد و قناعت صاحبِ صدق و صفا   اے علومِ قاسمی کے شارحِ رنگیں نوا

سنتِ اسلاف سے لبریز تیری ہر ادا   باعثِ صد ناز ہے یہ ذات تیری بے ریا

باضمیر و باحمیت ہے یہ آگاہی خودی

نقر و فخری پہ ہے قائم یہ شہنشاہِ خودی

ملتِ بیضا کے غم سے خون ہے تیرا جگر   چنتے ہیں غواص اس سیلِ معانی سے گہر

حق نے دی تجھ کو طلاقت بے نہایت پُراثر   یہ ضو افشانی ضیا پاشی تری رشکِ قمر

کیوں نہ ہو فانیؔ کہ تو ہے دیوبند سے مستنیر

مہدار فیاض کی تم پر عنایت بے نظیر

وہی قرض آج چکا دیا

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد و

آلہ و اصحابہ اجمعین

حضرت والد صاحب قدس سرہ العزیز کی وفات کے پورے آٹھ سال ہو چکے۔ ان کے سانحۂ ارتحال کے بعد بندہ کی خود بھی اور آپ کے اکثر تلامذہ و متعلقین اور محبین کی یہ خواہش تھی کہ آں مرحوم کی سوانحِ حیات ترتیب دی جائے۔ بظاہر بندہ کو یہ کام آسان لگا لیکن جب اس کی ابتدار کی تو معلوم ہوا کہ یہ اتنا آسان نہیں جتنا میں نے سمجھا تھا۔ سب سے پہلی رکاوٹ تو یہ پیدا ہوئی کہ آپ نے اپنے بارے میں کچھ بتایا تھا اور نہ کچھ تحریر فرمایا تھا جب بھی کوئی آپ سے اپنے نقوشِ زندگی کے بارے میں استفسار کرتا تو بہت خوبصورتی کے ساتھ بات کو ٹال دیتے اور یہ ان قدسی صفات ہستیوں کا وطیرہ رہا ہے کہ سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ہیچ سمجھتے ہیں۔

بعدازاں بندہ نے آپ کے چند رفقا اور دارالعلوم دیوبند میں آپ کے ہم سبق ساتھیوں کی طرف رجوع کیا۔ لیکن اس طرف سے بھی کوئی مثبت پیش رفت نہ ہوئی۔ بعض حضرات کو (معذرت کے ساتھ) اپنے وعدوں کے باوجود ان کی مصروفیات نے کچھ لکھنے کی فرصت نہ دی۔ اس وجہ سے گویا بندہ تنکا تنکا جمع کر کے اپنی بساط کے مطابق اس سے تعمیرِ آشیاں میں مصروف رہا۔

بہرحال بندہ اس کے جزئیات کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا، کیونکہ یہ داستاں

گویا تطویل بلا طائل ہے۔ البتہ ناسپاسی ہوگی۔ اگر ان حضرات کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جنہوں نے بندہ کے ساتھ اس میں قلمی تعاون کیا اور اپنی بے پناہ مصروفیات سے وقت نکال کر بندہ کی اس ناقص کاوش کو تاریخ کا ایک حصہ بنا دیا۔ استاذی المکرم مولانا سید شیر علی صاحب مدظلہ کا وقیع پر لطف ادیبانہ مورخانہ اور عالمانہ پیش لفظ گویا کتاب کی پیشانی کا جھومر ہے۔ خداوند قدوس آپ کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

بندہ کی یہ تمنا تھی کہ کتاب حضرت الشیخ استاذی واستاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ کی حیات ہی میں زیور طباعت سے آراستہ ہو جائے اور ابتدار میں آپ کے چند کلمات بطور تبرک شامل ہوں گو آں محترم قدس سرہ کی تعزیتی تقریر شریک اشاعت ہے لیکن کتاب ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ پیام اجل آپہنچا اور یوں تمنا تمنا ہی رہی ؎

غم ادھورا تھا کہ پیغام اجل آیا ندیم
بوند ابھی بھری کی نہ تھی، پتھر ابھی بولا نہ تھا

علاوہ ازیں راقم ان باذوق اور اہل دل حضرات کا بھی ممنون ہے جنہوں نے اس سوانح کی اشاعت وطباعت کیلئے بندہ کے ساتھ مالی تعاون کیا اور انہی حضرات کی مساعی سے حیات صدر المدرسین منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ مطالعہ کے بعد اس میں اگر کوتاہی اور تسامح محسوس کریں تو مطلع فرمادیں۔

القصہ آج بحمد اللہ راقم خداوند قدوس کی عنایات سرمدی کا سراپا سپاس ہے جس کی بے پایاں رحمتوں کے باعث راقم اس سوانح کی تکمیل کے قابل ہوا۔ اور ع

وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر وہی قرض آج چکا دیا

العبد الجانی
محمد ابراھیم فانی
دارالعلوم حقانیہ۔ اکوڑہ خٹک۔ سرحد

پیش لفظ

شیخ التفسیر والحدیث علامہ ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب مدنی مدظلہ

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

میرے مخدوم زادہ برادرِ مکرم حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب فانی استاذ دارالعلوم حقانیہ قابل صد تشکر وسپاس اور لائق صد ستائش و امتنان ہیں کہ انہوں نے اپنے عظیم والدِ بزرگوار، نابغۂ روزگار، استاذی الکرم شیخ التفسیر والحدیث الامام الفقیہ حضرت العلامہ مولانا عبدالحلیم صاحب نوراللہ مرقدہٗ وقدس سرہٗ وجعل جنۃ الفردوس مثواہ کی سیرتِ طیبہ پر مایۂ ناز کتاب "حیات صدر المدرسین" کی تالیف سے علمی دنیا کو ایک جدید تاریخی پیشکش سے نوازا۔

درحقیقت یادِ رفتگان وتذکرۂ بزرگان کے سلسلہ میں علماء ربانیین کے بکھرے ہوئے مناقب و مآثر کو اوراقِ تاریخ میں کتابی گلدستہ کی شکل میں پرونا بہت بڑی علمی، دینی خدمت ہے، جو ایک طرف ان قدسی صفات اکابر اور فرشتہ خصلت سلف صالحین کے شاندار کارنامے مجد وشرف کو رہتی دنیا تک آنے والی نسلوں کے لیے زندۂ جاوید بنا دیتی ہے۔ اور دوسری طرف اصحاب بصیرت سے وابستہ خدام و تلامیذ کے لیے خصوصاً اور جملہ فرزندانِ اسلام کے لیے عموماً گرانمایہ مجموعۂ نصیحت اور بیش بہا گنجینۂ عبرت کا کام دیتی ہے۔

ولاشیٔ یدوم فکن حدیثاً

جمیل الذکر فالدنیا حدیث

داغِ فرقت سے مجروح قلوب کے لیے اپنے محبوب فوت شدہ بزرگوں کا ذکرِ جمیل مرہم شافی سے بھی زیادہ موجبِ تسکین ہوتا ہے' نیز ان کے محاسن ذکر کرنے سے اُن کے احسانات کا حق قدرشناسی بھی قدرے ادا ہوجاتا ہے۔ اذکروا محاسن موتاکم ے

حکایت از قد آں یار دلنواز کنیم

بایں فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

طبعی طور پر دینی پیشواؤں کے دینی، علمی، عملی، تبلیغی کارناموں کو پڑھنے سے اخلاق میں پاکیزگی اور اعمال میں اخلاص وللّٰہیت کے جواہر پیدا ہوتے ہیں' ان اللہ والوں کی زندگیاں زہد وقناعت' دیانت وامانت کی چمک دمک سے منور ہوتی ہیں اور ان کے مقبول اعمال سے روح پرور اور دلآویز خوشبو مہکتی ہے ے

تلک آثارنا تدل علینا

فانظروا بعدنا إلى الآثار

سراج الامۃ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے :۔

الحکایات عن العلماء و محاسنھم أحب إلی من کثیر من الفقہ ۔	علماءِ راسخین کے واقعات اور ان کے محاسن و فضائل اور صفاتِ حمیدہ کے قصے مجھے فقہ کے بیشمار مسائل سے زیادہ محبوب ومرغوب ہیں ۔

کیونکہ خاصانِ خدا کے پاکیزہ تذکرے آداب وکمالات کے موتیوں سے مرصّع ومزیّن ہوتے ہیں اور ان نورانی چہروں کے روشن ودرخشندہ حکایات کے پڑھنے اور سُننے سے مادیات کی تاریکیوں میں مستغرق پریشان دل مادہ پرستی کی کدورتوں سے پاک و صاف ہوکر ایمانی بشاشت وطمانیت اور استقامت علی الشریعۃ کے انوار وتجلیات

سے منور ہوجاتے ہیں ے

أحب الصالحین ولست منھم

لعل اللہ یرزقنی صلاحا

مشہور محدثِ زمانہ امام سفیان بن عُیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :۔

عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ ۔	صلحاءِ امت کے تذکروں کے دوران رحمتیں برستی ہیں ۔

فرمانِ نبوی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) :۔

اولٰئک قوم لایشقی لھم جلیس۔	بندگانِ خدا کی سنگت وصحبت میں بیٹھنے والے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے محفوظ ہوجاتے ہیں۔

رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے :۔

خیارکم الذین إذا رُأُوا ذُکِر اللہ ۔ (سنن ابن ماجہ ص ۳۱۳ مطبوعہ میر محمد کتبخانہ کراچی)	تم میں سے پسندیدہ وہی ہیں جن کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آجائے ۔

ایک دوسری روایت میں ہے :۔

لا یحق العبد حق صریح الإیمان حتی یحب للہ تبارک وتعالیٰ وأبغض اللہ تبارک وتعالیٰ فقد استحق الولاء من اللہ وإن أولیائی من عبادی وأحبائی من خلقی الذین یُذکرون بذکری وأُذکرُ بذکرھم (مسند احمد جلد ۳ ص ۴۳۰)	یعنی ایک بندہ تب کامل مومن بن سکتا ہے جبکہ وہ مخلوقِ خدا کے ساتھ محبت یا عداوت صرف رضائے مولیٰ ہی کی خاطر کرے سو ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی مؤدّت والفت کے مستحق ہیں (آگے فرمایا) مجھے اپنے بندوں میں سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ محبوب وہی ہیں جو میری یاد سے یاد آجاتے ہیں اور ان کی یاد سے میری یاد تازہ ہو ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ وہی ہیں جن کی مجالس میں بیٹھ کر خوفِ خدا، یادِ آخرت، ایمان اور اعمالِ صالحہ کی طرف رجحانات پیدا ہوں اور جن کے ساتھ بیٹھنے سے فسق و فجور اور یادِ الٰہی سے غفلت اور بدعات و خرافات کی طرف میلان ہو تو وہ اولیاء الشیطٰن ہیں (اولیاء الرحمٰن نہیں) ؎

کارِ شیطان مے کند نامش ولی
گر ولی ایں است لعنت بر ولی

بحمد اللہ مسلکِ دیوبند سے وابستہ اکابر علماء و مشائخ درحقیقت سلفِ صالحین اور ائمہ مجتہدین کے صحیح جانشین ہیں۔ ان خدا رسیدہ بزرگوں کی تاریخ پڑھنے سے دلوں میں ایمانی قوت بڑھتی ہے اور نیک اعمال کی طرف قلوب متوجہ ہوتے ہیں۔

حضرات انبیاء کرام، صحابۂ خیر الانام کے مناقب، اور ان کے تابعین، اسلامی، مذہبی، علمی شخصیات کے محاسن پر تالیفات سے عالمِ اسلام کے کتب خانے بھرے پڑے ہیں۔ علامہ سخاوی رح نے "الاعلام بالتوبیخ لمن ذم اصحاب التواریخ" میں اور علامہ حاجی خلیفہ رح نے "کشف الظنون" میں سینکڑوں کتابوں کے نام ذکر کیے ہیں جو تاریخ کے مختلف فنون پر مشتمل ہیں جن میں بعض کتابیں کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔ مثلاً مشہور مؤرخ و محدث ابن عساکر رحمہ اللہ کی "تاریخ دمشق" اسی مجلدات پر مشتمل ہے۔ علامہ ذہبی رح فرمایا کرتے تھے اگر میں تفصیل سے تاریخ کے متفرق فنون کو احاطۂ تحریر میں یکجا کروں تو ۶۰۰ مجلدات سے متجاوز تاریخ کی کتاب مرتب ہو جائے گی۔ تاریخ بغداد، تاریخ بیت المقدس، تاریخ مصر، تاریخ غرناطہ، تاریخ مکہ مکرمہ، تاریخ مدینہ منورہ اور اس قسم کے مختلف بلاد کی تواریخ کا عظیم ذخیرہ دنیا میں موجود ہے۔ پھر دنیا کے مختلف ممالک، مختلف ادوار کے سلاطین و ملوک، وزراء و امراء، علماء و مشائخ، قراء و مجودین، مفسرین و محدثین، فقہاء، قضاۃ، مفتیین، شعراء، اذکیاء، حمقی، بخلاء، مجانین، زہاد و عباد، اور دیگر بے شمار طبقات و انواع میں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ تاریخ کی سب سے زیادہ ضرورت

فنِ حدیث میں ہے جس سے کسی سندِ حدیث کا متصل اور منقطع ہونا معلوم ہوتا ہے کہ فلاں راوی جو فلاں راوی سے حدیث نقل کرتا ہے کیا دونوں کی ملاقات ثابت ہے یا نہ! جس کے لیے فنِ "اسماء الرجال" کو علماء محدثین نے وضع کیا ہے، اس میں سب سے مفصل اور عمدہ کتاب محدثِ کبیر علامہ حافظ عبد الغنی مقدسی رح (م ۶۰۰ھ) کی "الکمال فی معرفۃ الرجال" ہے، جس کو محدث العصر علامہ حافظ جمال الدین یوسف المزی رح (م ۷۴۲ھ) نے ملخص و مہذب کر کے "تہذیب الکمال" کے نام سے موسوم کر لیا ہے۔ پھر اس کو متعدد علماء نے ملخص کیا ہے۔ اب موجودہ دور میں حافظ ابن حجر عسقلانی رح کا ملخص "تہذیب التہذیب" زیادہ مشہور ہے۔ پھر حافظ عسقلانی رح نے طلبہ کی آسانی کے لیے "تقریب التہذیب" لکھی جو مصر سے دو جلدوں میں اور پاکستان میں ایک ہی جلد میں طبع ہوئی ہے۔ اسی طرح فنِ حدیث میں ناسخ و منسوخ کی معرفت کیلئے تاریخ کی اشد ضرورت پڑتی ہے، جیسے آگ کے ذریعہ پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو ٹوٹنے کے بارے میں دو قسم کی متضاد روایات موجود ہیں مگر جب صحابہ کرام رض نے بتایا کہ:

هذا آخر الأمرين من رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (سنن الترمذی ص ۲۴ مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی)	یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطبوخ اشیاء کے تناول کے بعد (اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام میں) وضو نہیں فرمایا تھا۔

اب ہمیں اس روایت سے پتہ چلا کہ وضوء نہ کرنے کی روایت سابقہ روایت کے لیے ناسخ ہے۔

تاریخ کی روشنی میں وثائق و مستندات میں زور و برد و جعلسازی کا پتہ چلتا ہے، جیسے خیبر کے بعض یہود نے سنہ ۴۴۷ھ میں رئیس ابی القاسم کے پاس جا کر دعویٰ دائر کر دیا کہ مسلمانوں کے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہود سے جزیہ معاف کر دیا تھا موجودہ حکومت کیوں ہم سے جزیہ وصول کرتی ہے۔ وزیر نے پوچھا تمہارے پاس اس دعویٰ پر کوئی دلیل موجود ہے؟ انہوں نے فوراً ایک وثیقہ وزیر کو دیا، اور پورے وثوق سے کہنے لگے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا نوشتہ ہے، اس پر صحابہ کرام رض کی شہادتیں درج ہیں، رئیس نے وہ وثیقہ مؤرخ و محدثِ کبیر

خطیب بغدادیؒ کی خدمت میں پیش کیا کہ خیبر کے یہود اس وثیقہ کے ذریعہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تمہارے پیغمبر نے انہیں جزیہ معاف کر دیا ہے۔ مؤرخ بغدادیؒ نے وثیقہ پر نگاہ ڈالتے ہوئے فرمایا کہ یہ جعلی وثیقہ ہے، اس میں سراسر جھوٹ ہے۔ پوچھا گیا آپ کس بنیاد پر اس وثیقہ کو مزوّر کہتے ہیں؟ فرمایا کہ اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذکر ہے جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے سال اسلام سے مشرف ہوئے ہیں جو ۸ھ کا واقعہ ہے اور خیبر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ میں فتح کیا ہے۔ پھر فرمایا کہ اس میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی درج ہے جو بنو قریظہ کی لڑائی کے چند دن بعد اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے تھے اور بنو قریظہ کی لڑائی فتح خیبر سے دو سال قبل ہے۔ حکام وقت نے مؤرخ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی مدلل تاریخی تنقید کو خوب سراہا، اور یہودیوں کو اس جعلسازی پر مناسب سزائیں دے کر محروم واپس کر دیا۔

اس قسم کے کئی واقعات ہیں جن سے تاریخ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، اور اس سے بڑھ کر اہمیت کیا ہوگی کہ خود خالق کائنات جل مجدہٗ نے اپنی آخری، ابدی کتاب، قرآن مجید میں جابجا اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثار، وفا شعار صحابہؓ کی تسلی وتشفی کے لیے حضرات انبیاء کرام صلوٰت اللہ علیہم اجمعین اور ان کے مقرب ساتھیوں کے لیے مقدس قصص اور ان کے مدمقابل، دشمنانِ انبیاء کی بغاوت وسرکشی، ہلاکت وتباہی کے اندوہناک واقعات بیان کیے ہیں تاکہ امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف سلام وتحیہ) ان اصحاب سیادت ووجاہت کے سبق آموز واقعات سے عبرت حاصل کر کے ان جیسے اخلاق وکردار، اطاعت وتابعداری اپنے اندر پیدا کر کے قرب ربانی اور فلاح دارین سے ہمکنار ہو جائیں ؎

تیرے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

مقبولین بارگاہِ الٰہی کی سراپا تسلیم وانقیاد زندگی کے واجب الاتباع اعمال میں تفکر وتدبر سے عزائم مضبوط اور حوصلے بلند ہو جاتے ہیں۔ متاعب وآلام سے دوچار ہونے کی حالت میں سابقین جیسی استقامت اپنانے سے ہموم وغموم کافور ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

یعنی، ہم آپ کی تشجیع ودلجمعی، تسلی واطمینان کی خاطر پیغمبروں کے حالات بیان کرتے ہیں۔	وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ۔ (سورہ ہود آیت نمبر ۱۲۰)

قدرتی طور پر انسان اپنی برادری کے افراد "بنی نوع انسان" کے سچے اور واقعی سوانح حیات سے بہت جلد متأثر ہوتا ہے۔ عقلاء جب دیکھتے ہیں کہ "صراطِ مستقیم" پر چلنے والوں کو لوگ مرنے کے بعد بھی علم وفضل کے مینار سمجھتے ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں بھی لوگ مسلسل تازیست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں تو وہ بھی فوراً عبرت حاصل کر کے اسی شاہراہِ نجات پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ تاریخ میں ذکرِ خیر باقی رہنے کی خاطر امام الانبیاء، خلیل الرحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں دعائیں مانگیں،-

اے میرے رب مجھے علم وحکمت عطا فرما اور نیکوں کی جماعت سے وابستہ فرما اور میرے ذکرِ خیر کو آنے والی نسلوں تک قائم ودائم فرما۔	رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ۔ (سورۃ الشعراء آیت ۸۳-۸۴)

اسی طرح وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ اور وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ اور وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ، اور دیگر بے شمار آیات وروایات، انبیاء وصلحاء کے اذکارِ حسنہ کی اہمیت وفضیلت پر شاہد ہیں۔ ہر دور میں کرۂ ارضی پر رونما ہونے والے محیّر العقول نوادرات اور سبق آموز واقعات کو مؤرخین نے تاریخی اوراق میں منضبط ومحفوظ کر دیا ہے۔ یوں تو فنِ تاریخ کی تاریخ بہت قدیم ہے، البتہ اسلام میں اسلامی تاریخ کی ابتداء امیر المومنین خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مبارک عہدِ خلافت میں باتفاق صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

حضور سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے ہوئی جس پر اب تک ۱۴۱۰ سال گذر گئے ہیں۔ بات لمبی ہوتی جا رہی ہے، میں درحقیقت برادرِ مکرم مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب "رفاہ اللہ لما یتمنی" کو ان کی اس بیش بہا تالیف کی اہمیت اور پھر اس پر مستزاد ان کو اس ثقیل بارِ امانت کی پوری دیانت کے ساتھ ادائیگی پر خراجِ تحسین پیش کر رہا تھا کہ انہوں نے پوری محنت، جانفشانی سے وقت کے اس اہم تقاضے کو متنوع مضامین، اہم مباحث، بارونق ترتیب، جاذبِ نظر و دلکش اسلوبِ بیان سے آراستہ کر دیا ہے۔ گویا یہ کتاب نسیمِ بہار ہے جو ہمارے محبوب و مقدس شیخ رحمہ اللہ کے ایمان پرور سنہری واقعات کی دلآویز نکہتوں سے قارئین کے دل و دماغ کو معطر کر رہی ہے۔ کتاب پڑھنے والوں کو صاحبِ سیرت کی مبارک زندگی کے تمام ادوار آنکھوں کے سامنے آجائیں گے ؎

کشتۂ عشق وارد نہ گذاردت بدینساں
بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

ایسے باکمال، جامع الصفات بزرگ شخصیتیں کئی صدیوں بعد رونما ہوتی ہیں۔ وہ اپنے دورِ حیات میں اپنے خالقِ حقیقی کی طرف سے عائد کردہ تمام فرائض باکمل وجوہ سرانجام دے کر اسی کے مقرر کردہ نظام کے مطابق اس دارِ فانی سے رخصت ہو کر عالمِ برزخ میں انوارِ باری تعالیٰ کے مشاہدات سے لطف اندوز ہوتے ہیں ؎

سالہا باید کہ تا یک سنگِ اصلی ز آفتاب
لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ؎
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اقادِ طبائع اور وقاد اذہان والے اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں کہ ایسی نادر شخصیات کی ہر ہر ادا کو بکمالہ و تمامہ تاریخی صفحات میں مدون کر کے بعد میں آنے والوں کیلئے مشعلِ راہ

کا انتظام فرما لیتے ہیں ؎

زر من تحب وإن شطت بك الدار
وحال من دونه حجب و أستار
لايمنعنك بعد من زيارته
إن المحب لمن يهواه زوار

برادرِ محترم مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب کا یہ علمی کارنامہ، رب العالمین کا فضل و کرم اور پھر اس کے بعد حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی مقبول دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ میں جب بھی مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب کے بارے میں حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھتا تو بہت خوش ہوتے اور بے اختیار دل کی گہرائیوں سے ان کی کامیاب زندگی کے لیے دعائیں فرماتے۔ الحمدللہ کہ آج ان کا لگایا ہوا علمی شجرہ پورے آب و تاب کے ساتھ اپنے والد بزرگوار کے نقشِ قدم پر درس و تدریس، تالیف و تصنیف، تبلیغ و ارشاد کے ثمراتِ طیبہ دینے لگا ہے۔ تقبل اللہ ھذہ الصدقات الجاریات۔

ہمارے مؤقر و مغتنم استاد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس سے زیادہ توقیر و تبجیل کے مستحق ہیں۔ وہ ایک فقیہ النفس، محقق العصر، عبقری عالم تھے۔ ان کی زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ اسلام کی خدمت اور قرآن و حدیث کی ترویج و اشاعت میں صرف ہوا۔ آخر دم تک باوجود ضعفِ پیرانہ سالی اور مسلسل ہجومِ امراض کے پوری بلند ہمتی سے قال اللہ اور قال الرسول کو وردِ زبان بنایا۔ استاذ مرحوم علومِ عقلیہ و نقلیہ دونوں میں یکساں امام تھے۔ تفسیر و حدیث کے علاوہ فقہ، اصولِ فقہ، علمِ کلام، معانی، منطق، ریاضی، فلسفہ، ادب، صرف و نحو کی تمام بڑی کتابیں ان کے زیرِ درس رہ چکی تھیں۔ ان کے ہزاروں باکمال شاگرد حساس عہدوں پر ملک و بیرونِ ملک دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں اور دین کے مختلف اہم شعبوں میں مصروفِ عمل ہیں جو ان کے لیے باقیات الصالحات ہیں۔ حضرت استاذِ مکرم باوجود اس رفعتِ علمی، عظمتِ اعمال کے غایت درجہ

متواضع تھے، خودنمائی، نمائش سمعت وشہرت سے سخت متنفر تھے۔

حضرت الشیخ نوراللہ مرقدہٗ کی ان گنت علمی، عملی خدمات میں سب سے زیادہ ممتاز اور مایۂ ناز کارنامہ اور ان کی علمی شخصیت کو شہرۂ آفاق بنانے کا نمایاں پہلو پاکستان کے بین الاقوامی عظیم دانشکدہ، بلند پایہ مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم حقانیہ میں فخرالافاغنہ شمس العلماءٗ العارف باللہ، جمال الزہد والورع، سیدی واستاذی حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب (رفع اللہ درجاتہ فی اعلی الفردوس) کی مبارک سرپرستی میں صدرالمدرسین کے اعلیٰ عہدہ پر مسلسل تقریباً چھبیس ۲۶ سال تک کتب تفسیر وحدیث کی مقبول تدریسی خدمات ہیں جو اُن کے سالہا سال تدریسی، تعلیمی تجارب کا نچوڑ تھا۔

من رآہ رأی شواهد تغنی
عن سماع الثناء والتجریب

حضرتؒ کے باوقار اور پُرجلال درس میں علماء و فضلاء شریک ہوتے۔ اُن کی جلالتِ علمی کا یہ عالم تھا کہ دورانِ درس کسی کو سوال کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ ان کے محققانہ دروس، علمی دقائق وحقائق کے ساتھ ادبی لطائف وظرائف کا امتزاج، نپے تُلے الفاظ، مربوط ومدلل عبارات سے فہمیدہ اور سنجیدہ تلامذہ عجب وجد وکیف میں خوب مسرور اور بہرہ ور ہوتے۔ افہام وتفہیم کا ایک ایسا عجیب ملکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا کہ مشکل سے مشکل پیچیدہ مسائل اپنی خداداد بلاغت سے چند جملوں میں سہل انداز میں سمجھاتے تھے دورانِ درس کبھی کبھی اہم مراجع کی طرف نشاندہی بھی فرمایا کرتے تھے۔ اختلافِ مذاہب کو بیان کرتے وقت ائمہ مجتہدین کے اسماء گرامی غایت درجہ ادب کے ساتھ زبان پر لاتے تھے اور سب کے دلائل تفصیل سے بیان فرماکر مسلک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دلائل سے راجح فرماتے۔ گاہے گاہے طلباء میں اخلاق و نیک سیرت کی آبیاری کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے اکابر ومشائخ کے زہد وقناعت، تقویٰ وطہارت کے واقعات دلکش پیرایہ میں سُنا دیا

کرتے تھے۔ مولانا ہمیشہ اس پر زور دیا کرتے تھے کہ مدارس میں ذی استعداد طلبہ کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیئے تاکہ رجالِ کار پیدا ہوسکیں۔ مولانا "کیف" کے دلدادہ تھے "کم" کے قائل نہیں تھے۔

حضرت مرحوم نے بحمداللہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض کو بھی باحسن وجوہ سرانجام دیا ہے۔ مرحوم اپنے عظیم المرتبت شیخ، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی آغوشِ تربیت میں رہنے کی بدولت اپنے مربی ومرشد کی مانند ہمیشہ باطل کی سرکوبی کے لیے صدائے احتجاج بلند کرتے رہے۔ کلمۃ الحق کی ادائیگی میں انہوں نے کبھی بھی مداہنت اور نرمی اختیار نہیں فرمائی، خاص کر انگریز کی ساختہ پرداختہ فتنۂ قادیانیت کے دجل وفریب اور زیغ وضلال کی تیز رفتار ترقی کو پوری بسالت وشجاعت سے شکستِ فاش دی۔ انشاء اللہ العزیز حضرتؒ کی یہ عظیم مخلصانہ قربانیاں اُن کی برزخی زندگی کو منور کرنے کے لیے اور روزِ محشر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے لواء الحمد کے سایۂ عطوفت سے مشرف ہونے کے لیے قوی ذرائع ثابت ہوں گی ـــــ اُس وقت برطانوی طاغوتی سامراج کی بھرپور حمایت اور مکمل پشت پناہی قادیانی فرقے کو حاصل تھی۔ فوج اور پولیس میں کلیدی مناصب پر انگریز کے کاسہ لیس اور کفش بردار قادیانی فائز تھے۔ ایسے ناگفتہ بہ اور ناسازگار حالات میں حضرت مرحوم اور علاقہ کے غیور علماء کرام کی بروقت قربانیوں سے تحصیل صوابی کا ایک بہت بڑا حصہ قادیانیت کے ارتدادی نرغوں میں پھنسنے سے بچ گیا۔ فجزاهم الله تعالیٰ احسن ما یجازی به عباده المجاهدین الذین یجاهدون الملحدین ویدافعونهم عن حریم الاسلام۔

اُن مجالس ومحافل کے پُرکیف ودلربا مناظر اب تک میرے سامنے ہیں جبکہ سیدی حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہم کسی اہم تعلیمی، انتظامی امور پر مشورہ کے لیے اساتذہ دارالعلوم کو بلاتے تو اُس وقت دونوں حضرات شیخین کی جلوہ افروزیاں سے قران السعدین اور مرج البحرین یلتقیان کا منظر پیش کرتیں۔ رُشد وہدایت اور علم وعرفان کے

ان دونوں بلند و بالا مینار کے آرادنیرہ اور مجرب علمی تجاویز سے ہم خدام کو معتد بہ علمی سرمایہ نصیب ہوتا۔ گاہے گاہے جب کسی علمی مسئلہ پر ان اکابر کا مناقشہ ہوتا تو مجلس میں شریک اساتذہ کو عجیب و غریب نکات معلوم ہوجاتے ؎

خزاں رسید و گلستان بآں جمال نماند
سماع بلبل شوریدہ رفت و حال نماند

راقم الحروف پر رب العالمین جل جلالہ کے عظیم احسانات ہیں کہ آپ نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے مشائخ و اساتذہ کی خصوصی عنایتوں سے نوازا۔ خاص کر جب سیدی حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کے انعام و اکرام کی بدولت مدینہ منورہ میں چند سال سکونت کی نعمت نصیب ہوئی تو پھر حضرات شیخین کی شفقتوں میں اضعافاً مضاعفہ اضافہ ہوا، جب بھی حجاز مقدس سے گھر آتا تو سب سے پہلے ان کرم فرماؤں کی جبین بوسی کیلئے حاضر ہوتا اور جب بھی گھر سے واپس حرمین شریفین کے لیے پابرکاب ہوتا تو ان سے دعائیں لے کر سفر پر روانہ ہوتا۔ جب ان بزرگوں کے پیہم و مسلسل عنایات و الطاف کا تصور کرتا ہوں تو دل سے بے اختیار یہ دعائیں نکلتی ہیں: اللهم اغفر لمشائخنا مغفرة واسعة ولا تحرمنا اجرهم ولا تفتنا بعدهم وعاملهم بما انت اهله فانك انت اهل العفو والمغفرة وانت اهل الاحسان والاكرام۔

☆☆

باب اوّل

مولد و مدفن

زروبی ــ تاریخی پس منظر

نہ اس میں گھاس اُگتی ہے نہ اس میں پھول کھلتے ہیں
مگر اس سرزمیں سے آسماں بھی جھک کے ملتے ہیں

از اسمعانی الافاغنہ جناب قاضی عبدالحلیم صاحب اثر افغانی

حضرت الشیخ کا مولد و مدفن

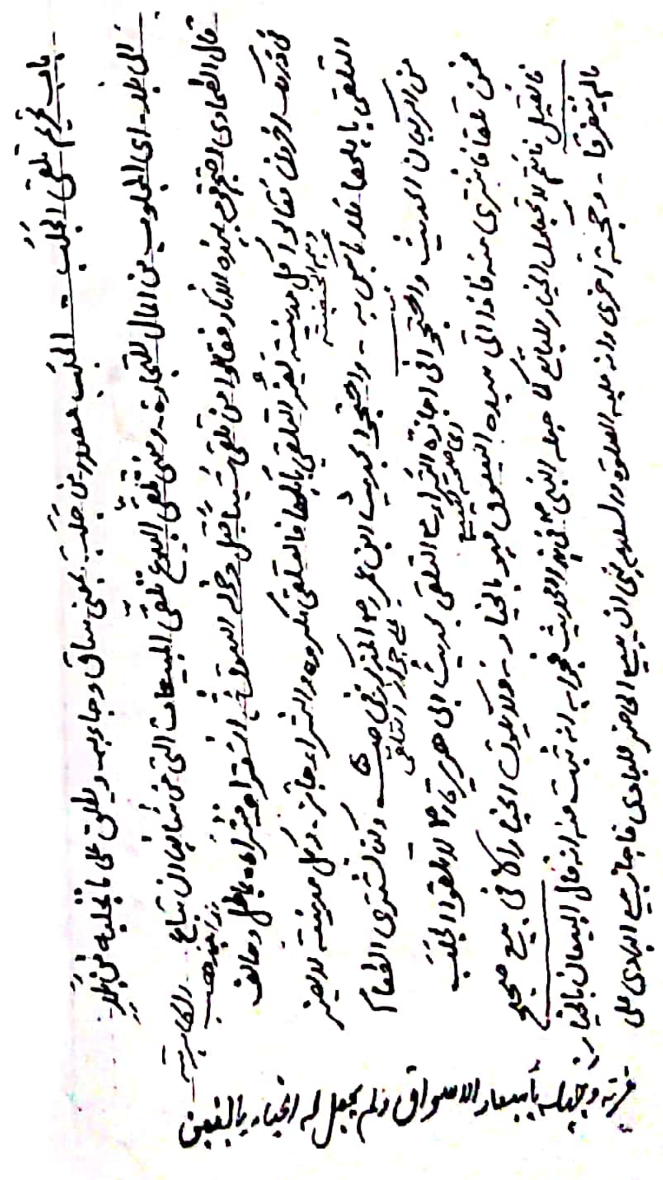
زروبی

ایک تاریخی جائزہ

زروبی کا قدیم نام منارہ تھا۔ لیکن اس نام کا تعلق آج سے پہلے تقریباً چار ہزار سال کے زمانہ سے ہے۔ یہ جگہ اسی نام سے ۴۳۱ھ/۱۰۲۹ء تک یاد کیا جاتا رہا۔ ابوریحان البیرونی نے اپنی تالیف عربی نام ماللہند اردو ترجمہ اشاعت انجمن ترقی اردو ہند دہلی بابت ۱۹۴۱ء/۱۳۶۰ھ بنام کتاب الہند جلد ا صفحہ ۲۴۷ میں بھی منارہ درج ہے۔

راقم الحروف کی ایک پشتو تالیف گندھارا میں اس جگہ کے جغرافیائی محل وقوع کو متعین کیا گیا ہے۔ ۱۸۵۹ء سے ۱۸۶۹ء تک دس سال کے عرصہ میں کیپٹن ہسٹنگز (بعد میں لارڈ ہسٹنگز) اور رائے بہادر گوپال داس کے اہتمام سے ضلع پشاور کی بندوبست ہو رہی تھی۔ یہ کتاب ۱۸۷۲ء میں جہازی سائز کے $\frac{۳۰ \times ۲۰}{۲}$ سائز میں تقریباً دو ہزار صفحات پر مشتمل کتابی صورت میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں دفتر شیخ اسماعیل المعروف بہ شیخ ملی کی تقسیم ۹۳۱ھ ۱۵۲۵ء کی ابتدائی معلومات کے علاوہ اس عہد کے وادی سمہ کے اقوام و قبائل اور ان کے مشہور بڑے بڑے قصبات اور دیہات کا تذکرہ عرب علمائے تاریخ کی کتابوں الملل والنحل اور المسالک والممالک کے انداز میں کیا گیا ہے۔ یہ اپنی نوعیت کی قابلِ ذکر تاریخی کتاب ہے۔ اس کا نام تاریخ پشاور ہے

عکس تحریر



اس رسالہ میں ضلع مردان کا علاقہ ضلع پشاور میں شامل تھا۔ اس کتاب میں ہر ایک قصبہ کے متعلق یہ
ذکر موجود ہے کہ کب اور کس نے اسے آباد کیا ہے۔ اس کتاب میں تاریخی مقام منارہ کو زروبی کے
نام سے یاد کیا ہے۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ابوریحان البیرونی کے عہد ۴۳۱ھ ۱۰۳۹ء میں
موجود مقام منارہ کے آثار قدیمہ پر زروبی کے نام سے قصبہ آباد کیا گیا تھا۔ لیکن منارہ اور زروبی
دونوں ناموں کا تعلق ۲۴۰۴ ق م تا ۲۳۹۱ ق م سے ہے۔ اس اعتبار سے آج ۱۹۸۳ء سے
۴۳۷۴ سال پہلے زمانہ کے یہ نام ہیں۔

زروبی بارہ پشت گزری ہیں راقم الحروف کہتا ہے اس سے مراد ہے ۹۸۰ھ سے
کہ مسمی سکندر خان افغان نے ملک باجوڑ سے آکر اس گاؤں کو آباد کیا۔ زروبی نام پر جو ایک ڈھیری
اور آبادی کہنہ تھی۔ اور نام اس گاؤں کا برعایت نام اس ڈھیر کے زڑوبی رکھا جب ۱۲۵۷ھ
۱۸۴۱ء میں دریائے سندھ میں طوفانی سیلاب آیا تو یہ گاؤں بالکل بہہ گیا۔ اور اسی سن میں دریا
کے اصلی حالت میں آنے کے بعد اولاد سکندر مذکور نے اس قدیم گاؤں کے قریب آباد کیا جو آج
تک آباد ہے کبھی ویران نہیں ہوا۔ ۱۸۷۰ء میں کیفیت یہ تھی۔

صفحہ ۲۹۴ سطر ۱۴۔ اس گاؤں میں چھ سو سولہ ۶۱۶ گھر خام۔ آٹھ دکانیں اور دو ہزار چار سو سولہ
آدمی۔ ان میں سے مسلمان ۲۳۵۷ مرد ۱۲۱۰ عورتیں ۱۱۴۷ ہندو ۵۹ مرد ۳۰ عورتیں ۲۹
میزان

اب اس گاؤں کی جو کیفیت ہوگی اس کو آپ جانتے ہوں گے۔

۲۔ سطر ۱۳۔ اس گاؤں میں موچی لوگ پوٹھواری وضع کا جوتا اچھا بناتے ہیں۔ مالکان دیہہ ہٰذا
افغانان باجوڑی ہیں۔ ان کے درمیان تقسیم املاک عجیب قسم کا ہے۔

۳۔ زروبی سے متصل دریائے سندھ کے کنارے پر کچھ زر (سونے) کے ریزے بھی نکلا
کرتے ہیں چنانچہ اس گاؤں کے باشندوں سے کئی شخص زرکشی کیا کرتے ہیں (تاریخ پشاور کے
اس بیان سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ غالباً اسی زرکشی کی نسبت سے اس جگہ کا نام زروبی پڑ گیا ہو۔

لیکن واقعات یہ نہیں ہیں)
یہ نام زروبی ہے جو اصل نام زروبیل کا مخفف ہے۔ لفظ بیل - بل رب النوع شمس کے
نام ہیں۔ بیل کا لفظ مخفف ہو کر بی پڑھا جاتا ہے۔ جیسے نام ہے حمورابیل اسے حمورابی کہتے
ہیں۔ ان باتوں کا تعلق علم الاصنام سے ہے۔ مصر جزیرۃ العرب - ہندوستان اور افغانستان
سب میں بابل کی طرح تصور یہ ہے کہ قمر (چاند) مذکر ہے چندر دیوتا ہے۔ اور سورج، شمس
مؤنث ہے اسے سورج دیوی کہتے ہیں۔

جزیرۃ العرب کے دیومالا میں بھی قمر مذکر اور شمس مؤنث ہے۔ اس عرف عام کے تحت قرآن
مجید میں شمس کو مؤنث کے صیغہ میں طلعت الشمس کہا گیا ہے طلع الشمس نہیں ہے۔

بیل سے بی پر غور کریں۔ پنجابی میں کہتے ہیں بڑی بی۔ پشتو میں کہتے ہیں بی بی۔ آفریدی
سورج کو نمر کہتے ہیں اور والدہ کو بھی کہتے ہیں۔ بحرین کے ایک قریب ایک معبد کا نام تھا
اور دک۔ یہ مرکب نام ہے اس سے مراد ہے دک قوم کا اور (معبد النار) حضرت ابراہیم علیہ السلام
کی تیسری بیوی قطورا کے چھ فرزندوں میں سے چھٹے فرزند کا نام تھا دک یہ معبد النار اس قوم کا
تھا۔

پروفیسر لیبر کی کتاب " بابل و نینوا کے آثار قدیمہ کے اکتشافات " ۱۸۵۳ء میں چھپی ہے
اس میں ہے کہ اور دک میں معبود انو - انی کو پوجا جاتا تھا۔ یہ انو رب النوع آفتاب کا نام تھا اور
آپ جانتے ہیں کہ پشتو میں انی دادی اماں اور نانی اماں کو کہتے ہیں۔ ۲۱۸۱ تا ۲۱۵۱ ق م میں
سرزمین بابل سے سموستانا نام کا ایک حکمران وادی سمہ پہنچا تھا۔ بابلی گرائمر میں سمہ کو سمو کہتے
ہیں۔ اس عہد سے پہلے ایک بابلی حکمران کا نام زروبیل تھا۔ یہ نام مخفف ہو کر زروبی بن گیا۔ اس

۱؎ سموستانا کی حکمرانی کا عہد ۲۱۸۱ ق م تا ۲۱۵۱ ق م ہے۔ حضرت ابراہیم اسی حکمران کے عہد میں ۲۱۶۰ ق م
میں پیدا ہوئے تھے۔ جب ۲۱۵۱ ق م میں نمرودیوں کے ہاتھوں اسے شکست ہوئی۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

نے بابل کی طرح یہاں اپنے رب النوع شمس کے لئے مینار بنایا تھا۔ جو مخفف ہو کر منار بن گیا تھا
میں نے اپنی تالیف بابل سے دیول تک کا ذکر کیا۔ دیول تحصیل صوابی کے موضع ٹوپی (توپی)
کے شمال مینئی کے شمال مشرق گاگ بتی سے آگے کوہ مہابن کی مغربی تلہیٹی میں ہے۔ اس
عہد میں جب سمو (سم۔ سمہ) کے پہلے حکمران سموبی (سیموبیل) زمانہ ۲۴۵۴ ق م سے
آخری گیارہویں حکمران سموستانا ۲۱۵۱ ق تک ۳۰۳ تین سو تین سال تک حکومت
رہی تھی۔ اس عرصہ میں ارباب الانواع سبعہ زہرہ۔ عطارد۔ چاند۔ سورج کے نام پر کے
ناموں پہ جو معبد بنائے گئے تھے ہیں ان سے چند ایک ذکر کئے دیتا ہوں۔

۱۔ دریائے فرات کے مغربی کنارے پر شہر بابل سے اکتالیس میل کے فاصلے پر اسی دریائے
فرات کے مغربی کنارے پر شہر نینوا ہے۔ رب النوع عطارد کو نینو۔ مندا اور انبار بھی کہتے
ہیں۔ اسے علم کا دیوتا مان لیا گیا ہے بابل میں شہر انبار۔ شہر سندا اور شہر انبار اس کے نام
پر ہیں۔ جنوبی عراق کو سومیر کہتے ہیں لفظ سو بمعنی کے معنی ہیں سورج لفظ میر کے معنی
ہیں ماں بمعنی والدہ بمعنی قوت اور روح سو x میرہ علاقہ ہے جہاں سورج کی عبادت
بحیثیت ماں کے کی جاتی تھی۔

شہر نینوا یعنی عطارد جنوبی عراق (سومیر) میں تھا۔ یہاں سے آنے والوں نے سمو خاندان
کی حکمرانی کے دنوں میں لاہور، الاقدر: لا: بڑا اور۔ ہور) بڑا معبد النار کے مشرق میں

بقیہ حد تو یہ اپنے مشرقی ملک موجودہ سمہ آیا۔ یہ اپنے سمو خاندان کا گیارہواں حکمران تھا۔ حضرت
ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس انقلاب حکومت عہد میں نو سال تھی۔ آپ نے اس واقعہ کے ۶۶ سال بعد ہجرت کر کے
موجودہ جنوبی لبنان کے شہر صیدا میں سکونت اختیار کی تھی۔ (اشر)

لہ موجودہ کوفہ سے $3\frac{1}{2}$ میل کے فاصلے پر حیرہ۔ ہیرو یا ایرو تھا۔ پانچ ہزار سال قبل مسیح
ایک شخص کی حکومت تھی جس کا نام خش اسے لاخش کہتے تھے۔ لفظ لا بمعنی بو۔ بمعنی لے بڑا، کلاں کا

انبار، معبد نینو بنایا۔
ایک شخص جس کا اپنا نام ترت ہے۔ انبار۔ نینو (عطارد) کے معبد کا یا معنی خادم اور
کاہن تھا۔ اس لئے پانینی (کاہن معبد نینو۔ انبار) کہلایا۔ یہ شخص ۴۰۰ ق م میں گذرا ہے۔
اس نے سنسکرت زبان کے صرف نحو پر کتاب لکھی ہے اس کا نام سمکریتہ ہے چھپ گئی ہے۔

ویہند

(موجودہ ہنڈ) کا نام البیرونی نے ویہند لکھا ہے یہ نام دراصل ویہ، ہند ہے اور
ویہ سے مراد ہے سورج شط العرب کے مغرب میں واقع علاقہ کو مغربی ارام کہتے ہیں۔ لفظ
ارام کے معنی ہیں سطح مرتفع اس مغربی ارامی زبان میں ویہ کے معنی ہیں خوبصورت لڑکی اسی مفہوم
میں سورج کا ایک نام ہے ویباکرو۔ خوبصورت لڑکی اب بھی پنجابی زبان میں جوان لڑکی کو گڑی

بقیہ حد تلفظ آج کل لوئی کہا جاتا ہے۔ افغانستان کے شہر کابل سے بیس میل کے فاصلہ پر جنوب
کی طرف وادی لہوگر کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں تاریخی مقامات کمری۔ چکری یہ مقامات لوئیک
خاندان کا دارالحکومت تھا۔ صوابی کے شہر لاہور جس پر جے پال کی حکومت تھی۔ یہ اس کمری چکری کا
لوئیک تھا۔ تاریخ کامل ابن اثیر میں اسے بروجیپال کہا گیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے
بارہ فرزندوں میں سے دوسرے فرزند کیدار کے سب سے بڑے فرزند کا نام بر تھا جس کی نسل بری
اور برو کہلاتی ہے۔ علامہ محمد امین سویدی کی تالیف سبائک الذہب طبع مصر اردو ترجمہ طبع لاہور
۱۹۲۲ء صفحہ ۱۱۱ میں ہے کہ حضرت کیدار علیہ السلام ابن اسماعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام نے
اس اپنے فرزند بر سے کہا۔ یا بیرا ذہب الی البر۔ اس دوسرے بر سے مراد ہے مغرب اقصیٰ الجزائر
مراکش و تیونس اس ملک کے بربر قوم کے لوگ بر ابن کیدار کی نسل کے لوگ ہیں۔ یہ ابراہیمی نسل ہے۔
ہندی زبان میں ان کو برہمن کہتے ہیں۔ مشہور کتاب رگ وید اس بری قوم کی کتاب ہے۔ جیپال جو
نسلاً بری۔ برو تھا۔ بدھ مت کا پیروکار بن کر بت پرست بن گیا تھا۔ (اشر)

کہتے ہیں۔
ہند، اند کے معنی ہیں چاند۔ قمر سبائی لہجہ کا حرف (۲۰۵۰۲) مغربی الامی میں حرف
الف (۱۰۸) سے بدل جاتا ہے۔ ہند سبائی اور آند اس کا آرامی تلفظ ہے اس جگہ کو دیہند
اس لئے کہا گیا کہ یہاں رب النوع شمس اور رب النوع قمر (دیہہ، اند) دونوں کا معبد تھا
اسی بابل کے نینوا سے ملکہ سومیر ایلیس تین لاکھ فوج لے کر دیبل سندھ کے پار تک ملک کو
فتح کر گئی۔ سرزمین بابل میں چار جزیروں کا مجموعہ ہے۔ اسے قنال ہل دیپ کہتے ہیں ان میں
ایک دیپ جزیرے کا نام کپل ہے۔ حرف (ب، ف) سبائی تلفظ ہے۔ اس کا عربی تلفظ
کفل ہے لفظ ذو کے معنی ہیں بادشاہ۔ اس جزیرے کے ایک پیغمبر جو بادشاہ بھی تھے جیسے
سلیمان علیہ السلام وہ ذوالکفل کہلاتے تھے۔ ۲۰۵۶ ق م میں ملکہ سومیر ایلیس کی افواج کے
ساتھ بحیثیت پیغمبر آئے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملکہ سومیر ایلیس مسلمان تھی۔ یہ پیغمبر
جن کا ذکر قرآن مجید میں ذوالکفل والیاس کل من الصالحین میں آیا ہے۔ اس کے ساتھ جزیرہ
کپل سے آنے والوں کے نام پر دریائے سندھ کے کنارے مقام کپل موجود ہے جس کا ہندی
تلفظ کیبل ہے۔

حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا صحیفہ موجود ہے۔ اس میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے متعلق جو پیشین گوئی ہے وہ انتہائی مفصل ہے۔ اور اس میں بعثت
نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ۵۷۱ء تک اپنے عہد ۲۰۵۶ ق م سے اس درمیانی عرصہ ۲۶۲۷ سالوں
کے عرصہ میں برسر اقتدار آنے والی اقوام و ملل اور ان کی حالت کا ذکر ہے اس کا بیان ہے کہ

ایسے حالات میں جب دنیا میں ظلم کا دور دورہ ہوگا ہر طرف تاریکی پھیلی
ہوئی ہوگی ہو کا نگشتر روہ مکہ جہاں ستاروں کے بتوں کا پوجا کیا جاتا ہو
گا، محمد مبعوث ہوں گے۔

یہ پیشین گوئی پوری تفصیل سے راقم عبدالحلیم اثر نے اپنی تالیف رہبر عالم میں درج کی ہے یہ

کتاب چھپ رہی ہے۔ تیار ہونے پر اس کی جلدیں دارالعلوم حقانیہ کو نذر کر دوں گا اور ایک جلد
آپ کو۔

۲۵۶ ق م میں مہاراجہ اشوکا کے عہد میں اس کے دو مبلغوں مجان تیکا اور دامار کی تیکا[1]
کے ذریعہ اس ملک میں بدھ مت پھیلا۔ ۴۴ھ ۶۶۴ء میں تکمیل فتح کابل کے بعد خیبر کے راستے
صحابی رسولؐ حضرت مہلب ابن صفرۃ العتکی نے یہ شخص صحابی ابن صحابی ابن صحابی تھا۔ قبیلہ
انصار میں یہ شرف کسی دوسرے انصاری کو حاصل نہیں رہی ہے۔
اور تکمیل فتح وادی کرم کے بعد حضرت سنان ابن سلمہ ابن محبق ہذلی نے اور ان کے
ساتھی جریر دونوں اصحاب رسولؐ نے ۴۵ھ ۶۶۵ء میں کوہاٹ کے موجودہ درۂ آدم خیل
کے راستے وادی پشاور میں نورِ اسلام پھیلایا۔ اور اس طرح ۹۲۱ سال بعد بدھ مت کی جگہ

---

[1] تیکا۔ توکا نسل کے لوگ اشوکا کی آمد کے دنوں میں موجودہ دریائے جہلم کے کنارے پہ آباد تھے۔
یہ لوگ نسلاً حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ فرزندوں میں سب سے بڑے فرزند نبت (حرف اول کے کسرہ سے)
کی اولاد ہے۔ جسے عربی میں نبط کہا گیا ہے اور جب یہ نام حرف اول کے فتحہ سے پڑھا جاتا ہے تو اسے
سبائی قوم کے ذیلی شاخ کہلان کے ذیلی شاخ ہمدان کے مخصوص لہجہ جس میں حرکت فتحہ کو الف بنا کر پڑھتے
ہیں۔ اسے نابت اور نابط کہتے ہیں۔ حمزہ اصفہانی کا قول ہے الارمانیون نبط الشام والاردوانیون نبط العراق
حمزہ اصفہانی نے نبط کو قومی نام سے نہیں بلکہ اصطلاحی نام سے لیا ہے۔ نبطی تجارت پیشہ تھے۔ بعد میں ہر
ایک تجارت پیشہ نبطی کہلانے لگا۔ اور اسی ذیل میں یہ قول ہے۔
واما النبط فکل من لم یکن راعیا او جندیا عند العرب جو بھی چرواہا اور فوجی نہ ہوتا بلکہ تجارت پیشہ ہوتا
عرب اسے نبطی کہتے ہیں۔ کتاب وقائع الدہور طبع مصر میں امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کا یہ قول درج ہے۔ نحن من
انباط کوثی۔ ہم کوثی کے نبطی ہیں۔ کوثی عراق میں ہے جہاں کیدار علیہ السلام کا مزار ہے۔ اور حضرت علی نے اپنے آپ
کو نبطی تجارت پیشہ کے مفہوم میں کیا ہے وجہ یہ کہ آپ نسلاً کیداری تھے۔ نبطی نہیں تھے (اثر)

اسلام کی روشنی پھیلی۔

حضرت جریر ابن عبداللہ وہ صحابی رسول ابن صحابی رسول ﷺ ہیں۔ جن کو حضرت امیرالمؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یوسف الامت کا خطاب دیا تھا۔ آپ مدینہ منورہ سے ساڑھے چار میل کے فاصلہ پر عریضہ کے رہنے والے تھے۔ یہ روایت مؤرخ ابن عمید کی کتاب تاریخ العبر طبع مصر کی ہے۔ ابن عمید کا نام ہے۔ ہارون ابن عبداللہ الاشراف المقلب بہ عمید الشرف ابن ہاشم ابن عبید اللہ ابن امام موسیٰ کاظم۔ سید ہارون زمانہ ۳۱۵ ھ اپنے والد کے لقبی نام پر اپنے آپ کو ابن عمید کہتا ہے۔ اس ابن عمید کا بیان ہے کہ حضرت جریر اس قدر حسین و جمیل تھے کہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے اس کو یوسف الامت کا لقب عطا فرمایا تھا۔

ان تینوں اصحاب رسول ﷺ سپہ سالاروں اور ان کی افواج میں شامل ہزاروں کی تعداد میں اصحاب رسول ﷺ نے ۴۴ ھ سے ۵۰ ہجری تک ان چھ سالوں میں جن جن علاقوں کو فتح کیا تھا، راقم الحروف اس پر مہلب انصاری کے نام سے کتاب لکھ رہا ہے۔ حضرت مہلب انصاری نے ۵۰ ھ میں دریائے سندھ کو وہہند کے مقام پر شبہ کیا۔ اور وادی صح کے مغرب میں اپنے توحی غنک۔ آنک سے قلعہ تعمیر کیا جسے آج کل ہندی تلفظ میں اٹک کہا جاتا ہے۔

حضرت مہلب عتکی انصاری کی نسل میں سے داؤد مہلبی ۲۲۶ ھ ۸۴۱ء میں وادی سندھ کے حکمران تھے۔ اس نے وادی سندھ سے چل کر اپنے جد امجد کے راستہ پر مقام وہہند دریائے سندھ کو عبور کیا۔ اور سوابی کے مغرب میں واقع سطح مرتفع پر عربوں کا قلعہ تعمیر کیا۔ لیث ابن صفار کے دنوں میں بھی یہاں نور اسلام پھیلانے کے لئے جہاد کئے۔ اسی عہد میں ضلع مردان کے مقام ہوتی کے بت پرست راجہ نے اسلام قبول کیا۔

راقم الحروف اپنی تالیف کندھارا میں اس راجہ کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اسی دوران جب کمری ککری کے برونسل کے لوئیک حکمران جے پال کا حکمران خاندان وادی سمہ اگمر لاہور اور آس پاس علاقوں پر قابض ہو گیا۔ تو یہاں بت پرستی کرنے سرے سے

فروغ حاصل ہوا۔

مؤرخ یعقوب الکندی ابن یوسف الواضح ابن خضر ابن یعقوب ابن سلیمان جس نے ۲۷۷ھ ۹۱ء میں اپنی تالیف کو مکمل کیا ہے اور ۳۰۰ھ ۹۱۳ء میں فوت ہوا ہے۔ اس نے لیث صفار کے دنوں میں دوسرے علاقوں کے علاوہ وادی سمہ کی بھی سیاحت کی تھی۔ سیاحت کا مقصد ان علاقوں کے ادیان و مذاہب پر تحقیق کرنا تھی۔ اس کتاب کا یہ حصہ ایک اہم ترین دستاویز ہے یہ کتاب یورپ کے شہر لیڈن اور مصر کے شہر قاہرہ میں چھپ چکی ہے۔ ہم اس کے حوالے نقل کرتے ہیں۔

سنہ ۳۸۱ھ / سنہ ۹۹۱ء

محرم ۳۸۱ھ مارچ ۹۹۱ء میں سلطان محمود غزنوی کے والد یا جد امیر سبکتگین نے راجہ جے پال کو شکست دے دی تو دس ہزار مسلمان اس ملک کی حفاظت اور اشاعت اسلام کے لئے آباد کئے۔ سبکتگین کی واپسی پر جے پال نے ان دس ہزار غازیوں کو جہاں جہاں تھے ایک ایک کر کے شہید کر دیا۔ ان دس ہزار مسلمانوں میں سے ایک کا نام ہے سید حافظ القرآن والحدیث سید عبدالصمد ابن حسن ابن حسین الرضی ابن محمد نقی الجبیب ابن جعفر المصدق ابن محمد مکتوم قائینی ابن اسمٰعیل اعرج اکبر عریضی ابن امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم۔ سید عبدالصمد محدث شہید کا مزار مبارک تخت بھائی میں ہے۔ یہاں ان کے دوسرے ساتھی شہداء بھی ہیں۔ اس وقت ان میں سے کسی ایک کے مقام مدفن پر مزار نہیں ہے۔

دس ہزار

دریائے سندھ کے مغرب میں واقع یہ علاقہ ہے۔ ایک ہزار سال پہلے اسلام کے لئے دس ہزار مؤمنین صالحین کے مقدس خون کی قربانی دی گئی۔ اس کے بعد سلطان محمود غزنوی اور جے پال کے فرزندوں کے عہد میں اس سرزمین کو جن مسلمانوں نے اپنے خون سے سینچا ہے اس پر بحث نہیں کی گئی ہے۔

نیا منار

اس منار کے ذکر کو چھوڑیئے جو زردتیل نے معبود رب النوع الشمس کی یاد میں بمقام زروبی بنایا تھا۔ اس نئے منار کا ذکر کیجئے جو رب العالمین کے نام پر قائم کئے گئے۔ دارالعلوم حقانیہ کے جامعہ حقانیہ کی عمارت پر کھڑا مینار ہے۔ زروبی کے مینار پر سورج دیوی کا علم تھا۔ اور اس نئے مینار پر رب العالمین کے محبوب رحمۃ اللعالمین کا پرچم اسلام لہرا رہا ہے قل جاء الحق وزھق الباطل اس مینار حق کی بات کیجئے۔

دریائے سندھ کا سیلاب

تاریخ پشاور میں ہے کہ دریائے سندھ میں سیلاب ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء میں آیا تھا۔

اس سیلاب کا مادہ تاریخ دو طرح سے ضبط کیا گیا ہے۔

الف۔ دریا غم۔ اس مادہ تاریخ سے ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء نکلتا ہے۔

ب۔ دریائے غم۔ اس مادہ تاریخ سے ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ء۔

ج۔ جب کہ یہ دونوں مادہ ہائے تاریخ صحیح نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے۔

دریاءِ غم۔ اس میں دوسرا ہمزہ ہے۔ حروف ابجد کے حساب سے اس سے تاریخ نکلتی ہے ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء میں دراصل سیلاب آیا تھا ماہ ذی الحجہ ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء میں آیا تھا اور محرم الحرام ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء تک اس کی تباہ کاریاں باقی رہی تھیں۔ اور تاریخ پشاور نے اس کی تاریخ ماہ محرم ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء سے شمار کی ہے اس لئے تیسرے مادہ تاریخ دریاءِ غم اور تاریخ پشاور دونوں کے بیانات صحیح ہیں۔

سید محمد اخندزادہ

سیلاب ۱۲۵۷ھ/۱۸۵۱ء کے بعد حضرت سید محمد نقشبندی ابن حامد ابن بہاءالدین ابن سکندر کے مزار مبارک کے آثار تباہ شدہ گاؤں کے قریب باقی تھے۔ ان کا جسد مبارک وہاں سے نکال کر موجودہ گاؤں کے مغرب میں دفن کیا گیا تھا۔

سکندر شاہ

تاریخ پشاور میں اس گاؤں کی آبادی کے متعلق بیان کی طرف پہلے اشارہ کیا گیا ہے یہاں اس کی مزید وضاحت کی جاتی ہے اس کتاب کا بیان ہے کہ بارہ پشت گذری ہیں کہ سکندر خان افغان نے باجوڑ سے آکر یہ گاؤں آباد کیا۔

اس بیان میں یہ نہیں بتایا گیا کہ سکندر شاہ کے والد ماجد کا کیا نام تھا اور وہ باجوڑ کے کس علاقے سے تشریف لائے تھے۔ راقم الحروف کا بیان ہے کہ قبائلی باجوڑ میں ایک وادی کا نام ہے چارمنگ۔ یہاں ایک گاؤں کا نام ہے سیدا شاہ۔ سکندر شاہ کے والد ماجد سید عباس سیدا شاہ اس گاؤں کے رہنے والے تھے یہ گاؤں انہی کے نام پر سیدا شاہ کہلاتا ہے اور سکندر شاہ قبائلی علاقہ باجوڑ وادی چارمنگ کے اس سیدا شاہ سے آئے تھے اور یہ گاؤں آباد کیا تھا۔

تاریخ پشاور نے سکندر شاہ کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء سے بارہ پشت پہلے ہو گذرے ہیں۔ اس فاضل مؤرخ نے فی پشت بحساب ۲۵ سال شمار کی ہے جس کی جمع ۲۷۵ سال بنتے ہیں جب ۲۷۵ سال ۱۲۵۷ سے الگ کئے جائیں تو باقی ۹۸۲ رہ جاتے ہیں اور یہی سال باجوڑ سے سکندر شاہ کی آمد کی تاریخ ہے۔

شیخ اسماعیل المعروف بہ شیخ ملی کی آخری تقسیم ۹۳۱ھ ۱۵۲۵ء بمقام کاٹ لنگ ضلع مردان سید عباس باجوڑ کے وادی چارمنگ جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ان کے تین فرزندوں سعید۔ ہاشم اور سکندر میں سے تیسرے فرزند سکندر شاہ وادی سمہ تشریف لاتے تھے۔

سید سکندر شاہ

تاریخ پشاور نے سکندر شاہ کو افغان لکھا ہے۔ راقم الحروف نے اپنی تالیف سادات افاغنہ میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے کہ جس طرح سادات کے مختلف خاندان بلخ و

بخارا۔ شیراز ۔ دغزنی میں ان ملکوں کے نام پر بلخی ۔ بخاری ۔ شیرازی اور غزنوی کہلاتے ہیں ۔ صوبہ شیراز کے ضلع گوذر۔ گاذرون کے رہنے والے گوذرہ۔ گاذرہ۔ گوجر کہلاتے ہیں۔ آذربائیجان کے صدر مقام رجبر کے عبداللہ رجبر ابن علی البا کوی ابن عبداللہ کی نسل رجبڑ کہلاتی ہے ۔ اسی طرح افغانوں میں رہنے والے سادات بھی افغان کہلاتے ہیں۔ سید سکندر شاہ بھی صحیح النسب سید تھے ۔ افغان کہلائے۔

یحییٰ

ایک بزرگ ہو گذرے ہیں یحییٰ ابن محمد ابن علاء الدین احمد اس یحییٰ پر حضرت میراں محی الدین ابو محمد شیخ عبدالقادر جیلانی کے بڑے بھائی محمد بغدادی کے فرزند علی ابوالعزت کی لڑکی بیاہی گئی تھی ۔ اس سیدہ زینب بنت علی ابوالعزت سے سید یحییٰ کے تین فرزند تھے ۔

۱۔ شیخ سنہا لفظ سنہا کے معنی ہیں اسد ۔ شیر ۔ نام تھا علی ۔ شیخ سنہا کہلائے ان کے فرزند کا نام تھا خضر ۔ یہ خضر بھی موجودہ مملکت ایران کے صوبہ چہارم مغربی آذربائیجان کے شہر رجبڑ میں تھے ۔ اس نسبت سے خضر رجبڑ کہلاتے ہیں۔

۲۔ جمال الدین یونس ان کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا ۔ اور ان کی پرورش کی تھی ۔ یونس نے ۶۱۷ھ کو وفات پائی ہے ۔ ان سے سلسلہ قادریہ کی ایک شاخ چلی ہے ۔ مشہور بزرگ محی الدین ابن عربی سلسلہ قادریہ میں ان کے مرید تھے ۔

۳۔ میراں محمد المعروف بہ میراں سرخ شہید ۵۸۰ھ مقام شہر سیالکوٹ ۔ آپ نے سلطان شہاب الدین غوری کے ساتھ جہاد سیالکوٹ میں شمولیت فرمائی تھی ۔ آپ کا مزار مبارک سیالکوٹ میں میراں سرخ شہید کے نام سے مشہور ہے ۔ آپ کی نسل شاہ میری سادات کہلاتے ہیں ۔ آپ کے فرزند تھے علی جو علی سرکانی کہلاتے ہیں ۔ اس خاندان نے سر زمین کشمیر پر شاہمیری کے نام سے تین سو سال حکومت کی ہے ۔ سید شاہ سکندر ابن سید عباس سید اشاہ

اس سرکانی سادات کی نسل ہیں ۔ شجرہ یہ ہے ۔

سید سکندر ابن عباس ابن عبدالغنی ابن حسین ابن آدم ابن علی شیر ابن یوسف ابن محمد ابن داؤد ابن محمود ابن محمد ابن علی سرکانی ابن میراں محمد سرخ شہید المعروف شاہ میر ابن یحییٰ ۔

حضرت السید الشیخ اخوند حافظ عبدالغفور غوث سید و بھی اس سرکانی سادات کی نسل سے ہیں ۔

سید حامد

زروبی کے سید اخوند حافظ محمد نقشبندی کے والد ماجد سید حامد کو ابو محمد حامد کہتے ہیں اس سید حامد کے متعلق چند معلومات جو راقم الحروف عبدالحلیم اثر کے پاس ہیں وہ یہاں درج کر رہا ہوں ۔ کون جانے مجھ فقیر کے بعد یہ کہانی سنانے والا کوئی آئے یا نہ آئے ۔

اس سلسلہ میں سید السادات آدم بنوری کے ان سر برآوردہ خلفاء میں سے جن کا ذکر سید محمد امین بدخشی مکی ابن علی میر غنی ابن حسین ابن میر خورد ابن حیدر ابن حسن ابن عبداللہ از نسل امام حسن عسکری نے اپنی تالیف نتائج الحرمین میں کیا ہے ۔ یہاں چار خلفاء کرام کا ذکر کروں گا ۔

۱۔ شیخ سعدی ابن حیدر ابن محمود ابن نصیر الدین ابن عبدالکریم ابن علی جو اسعد ابوالخیر بلخی کی نسل سے ہیں ۔ اور جن کا مزار لاہور کے مزنگ میں واقع سعدی پارک میں ہے ۔

۲۔ سید یار محمد پاپینی ابن تاج محمد ابن یار علی ابن شمس الدین ابن عبداللہ انغالیب

۳۔ سید محمد یونس گیلانی ابن عبدالرحیم ابن محمد درویش ۔

یہ تینوں حضرات السید السادات آدم بنوری کی وفات ۱۰۵۳ھ کے بعد شہر لاہور آئے اور یہاں ان کے درمیان قرابت داری کا رشتہ اس طریقہ سے عمل میں آیا ۔

الف ۔ سید یار محمد پاپینی کی دختر نیک اختر سید محمد ابن حامد کی نکاح میں آئیں ۔ سید یار محمد کے تین فرزند تھے ۔ سید عبداللہ ۔ سید عبداللطیف ۔ سید عبدالحکیم ۔ ان میں سے سید عبیداللہ نے

ہدایۃ المخلصین کے نام سے ایک کتاب قلمی لکھی ہے جس کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں۔

تمت تمام شد کتاب ہدایۃ المخلصین از دست عبید اللہ العلام ابن سید یار محمد پاپینی در ۱۲۹۳ھ در وقتیکہ متولی درگاہ حضرت داتا گنج بخش بودم۔

اس عبید اللہ العلام کا مزار قبائلی علاقہ باجوڑ کی وادی جندول کے مشرقی حصہ میں موضع شینہ کے جنوب میں مونڈا اور بار اڑوہ کی درمیانی سڑک سے متصل شرقی کنارے پر ہے۔ ساتھ ہی اس کی اولاد کے مزار ہیں۔ ان میں سے سید حبیب اللہ جس نے ۱۲۷۲ھ میں کئی کتابیں قلمی لکھی ہیں اس کی مہر میں یہ عبارت کندہ ہے۔

اشہد ان محمداً حبیب اللہ

جو اپنی نوعیت کی عجیب مہر ہے۔

عبید اللہ العلام کے دوسرے بھائی عبد اللطیف کا مزار ہے جو اپنے والد کے پاس علاقہ پاپین صوبہ ننگرہار سمت مشرقی افغانستان کے موضع کم پاپین (پاپین خورد) میں ہے اور تیسرے بھائی سید عبد الحکیم کا مزار موضع گوجر گڑھی مردان میں ہے۔ اور اس طرح تینوں بھائی کی اولاد زردبی کے اخوند محمد کی اولاد کے لئے رشتہ میں ماموں زاد بھائیوں کی اولاد ہے۔ اور اپنی والدہ ماجدہ کی نسبت سے اخوند محمد کی اولاد بھی پاپینی سادات ہیں۔

عبید اللہ العلام کی نسل میں سے ملا اعظم شاہ ولد معز الدین ولد عبید اللہ نے ۱۲۱۲ھ میں حاشیہ شرح وقایہ لکھا ہے یہ دراصل نقل کی ہے وہ یہ کہ اس کے حاشیہ میں سید بادشاہ گل کی جو مہر ہے اس میں ۱۲۱۲ھ درج ہے۔

ہدایۃ المخلصین جس کا ذکر کیا گیا ہے یہ کشمیر کے شاہمیری حکمران سادات کی نسل میں سے سید حمزہ کاشمیری کی تالیف ہے۔ جسے اس کے بھائی حسن کے فرزند سید حیدر کاشمیری نے جمع کیا ہے۔ اور اس کا اصل نام ہے ملفوظات کاشمیری جو اسی نسل کے سید عبد العزیز ابن سید مہربان شاہ ابن سید زمان شاہ ابن سید خوبان شاہ ابن سید دیوان شاہ (علی سرمست)

ابن سید جمشید کے پاس موضع بادین علاقہ جندول قبائلی علاقہ باجوڑ میں ۱۳۴۳ھ میں موجود تھی اس وقت سید عبد العزیز کی عمر ۸۰ سال تھی۔

ہدایۃ المخلصین سفید سیالکوٹی کاغذ پر لکھی ہوئی اچھی حالت میں تھی۔ جب راقم الحروف عبد الحلیم اثر نے اس کی زیارت کی تھی۔ حضرت مولانا عبد العزیز قدس سرہ کے ساتھ اس کتاب کے سلسلہ میں راقم الحروف کی جو نوک جھونک ہوئی تھی وہ لطائف العلماء کی نوعیت تھی میں نے عرض کیا تھا اس کتاب کا مالک میں ہوں کیونکہ اس کا قلمی کرنے والا سید عبید اللہ العلام رشتہ میں میرے نانا ہیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ نہیں کتاب کا اصلی مالک میں ہوں۔ کیونکہ اس کے مؤلف حیدر شاہمیری میرے دادا تھے۔ عجیب صحبت تھی اس کی یادیں زندگی کا انمول سرمایہ ہیں۔

سید محمود

سید ابو محمد حامد کے دوسرے فرزند یعنی زردبی کے اخوند حافظ سید محمد کے چھوٹے بھائی کا نام سید محمود تھا۔ اس سید محمود فضل اللہ کا مزار آب پارہ اسلام آباد میں ہے اس کی بیوی سیدہ فاطمہ حضرت سید محمد یونس گیلانی کی دختر نیک اختر تھیں ان کے تین فرزند تھے۔

۱۔ سید عبد اللطیف باری اللہ عرف بری امام متوفی ۱۱۱۷ھ عمر ۹۱ سال مزار نور پور شاہاں

۲۔ سید عبد الجلیل شجاع اللہ ان کا مزار اپنے والد ماجد کے پائنتی میں ہے۔

۳۔ سید عبد القدوس شہید اللہ ان کا مزار قبائلی علاقہ باجوڑ۔ علاقہ سلارزائے وادی بابر قرہ کے درہ تارن میں جس جگہ واقع ہے وہ آپ کے نام پر شہید منحہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہاں آپ کے فرزندوں عبد الاحد احداد۔ عبد الحلیم فتح اللہ اور ان کے فرزند عبد الحلیم صاحب کے مزارات بھی ہیں۔

سید محمود فضل اللہ نے ماہ جمادی الثانی ۱۰۸۶ھ ستمبر ۱۶۷۴ء میں وفات پائی ہے۔ ان کے فرزند سید عبد الجلیل شجاع اللہ کے مزار کے مشرقی پہلو میں سیدہ فاطمہ گیلانی زوجہ سید محمود کا

مزار واقع ہے۔ سید عبدالجلیل کی اولاد صوبہ پنجاب کے ضلع سرگودہا میں ہے۔

راقم الحروف عبدالحلیم اثر کے ہم نام۔ ہمدرس، اور ہم عمر اخندزادہ عبدالحلیم مرحوم کے متعلق یہ چند معلومات تھیں جن کا تذکرہ کیا گیا۔ بنیادی بات یہ تھی کہ مرحوم اپنے اسلاف کی طرح علم دین سے وابستہ رہے۔ درس حدیث دیا کرتے تھے۔ خداوند عالم ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین

وہ دانائے سُبل ختم الرسُل مولائے کُل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

باب دوم

خاندانی علماء و مشائخ

اور

سوانح حیات

قرنہا باید کہ تا یک مردِ حق پیدا شود
بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن
سالہا باید کہ تا یک سنگِ اصلی ز آفتاب
لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

خاندانی علماء و مشائخ

اور اجداد کا تعارف

حافظ محمد ابراہیم فانی

پس منظر قصبہ زروبی کی شہرت دوام میں حضرت صدر المدرسین قدس سرہٗ کے خانوادے کا زیادہ دخل ہے۔ اور اس خطہ میں جتنے بھی بڑے بڑے علماء، وصلحاء، اور مشائخ گذرے ہیں ان سب کا تعلق تقریباً اسی شجرۂ طوبیٰ سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں تشنگان علوم وفنون نے یہاں آکر ان منابیع ہدیٰ سے اکتساب علم اور کسب فیض کیا۔ ہند وایران، کشمیر وخراسان اور افغانستان کے علاوہ دیگر ممالک کے طلبہ کا یہاں ایک جم غفیر رہتا۔ اور سمرقند وبخارا کی علمی رونقوں کا جو تذکرہ کتابوں میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ اس کا ایک پرشکوہ نظارہ یہاں آنکھوں کے سامنے ہوتا۔ اس علمی گہما گہمی سے یہ گاؤں بخارا کے نام سے مشہور ہوا۔ گو اس کا کوئی تہذیبی یا ثقافتی مقام نہیں۔ لیکن اس علمی وجاہت نے اس چھوٹے سے قصبے کو ہمدوش ثریا کر دیا ؎

نہ اس میں گھاس اُگتی ہے نہ اس میں پھول کھلتے ہیں
مگر اس سرزمین سے آسمان بھی جھک کے ملتے ہیں

جیسا کہ مشہور ہے کہ شہروں میں علم جبکہ دیہات اور قصبات میں جہل کا دور دورہ

ہوتا ہے اس وقت کے اکثر یہ شعر پڑھا کرتے ؎

العلم فی الامصار والجہل فی القریٰ
لکن فی المرغزین ولکن فی المنارۃ

یعنی منارا گاؤں اور مرغز اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ کہ علم شہروں میں اور دیہات ہی جہالت کی آماجگاہ ہیں۔ زروبی کا پرانا نام منارہ تھا۔ یہ قصبہ دریائے سندھ کے کنارے آباد تھا۔ لیکن جب ۱۲۵۵ھ میں دریائے سندھ میں قیامت خیز طغیانی آئی۔ تو یہ قصبہ بھی مکمل طور پر زیر آب آیا۔ علاوہ ازیں اس قصبہ کو امام عزیمت حضرت سید احمد شہیدؒ کے ورود مسعود کا شرف بھی حاصل ہے۔

خاندان کی اہمیت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ سیرت سازی میں خاندان اور قریبی اجداد کی اہمیت کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں: "انسان کے مزاج ومذاق کی تشکیل، اس کے فطری جوہر چمکانے اور اکثر اوقات اس کی زندگی کا رخ متعین کرنے میں، اس کے خاندان کے قریبی اجداد کا اثر علم الحیات اور علم النفس کی ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کی تصدیق گذشتہ تاریخ نیز پے درپے مشاہدات وتجربات سے ہوتی رہتی ہے۔ اور اس کا انکار ایک امر بدیہی کا انکار ہے۔

یہ اثر انسان پر دو راستوں سے ہوتا ہے۔ ایک نسلی طور پر کہ یہ خصائص (کمالات اور کمزوریاں) باپ سے بیٹے کی طرف اور مورث سے والد کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ دوسرے ذہنی وفکری طور پر کہ خاندانی روایات اور آباؤ اجداد کے قابل فخر کارناموں کا تذکرہ، اس کے اصول زندگی عقائد ومسلمات اور ان معیار واقدار کا چرچا جن کو وہ ہمیشہ سینے سے لگائے رہے۔ اور جان کو جان سے زیادہ عزیز تھے۔ ان محبوب اور معیاری شخصیتوں کے نام جن کی عقیدت وعظمت ان کے دل ودماغ کی گہرائیوں میں بیٹھ گئی تھی۔ اور ان مقاصد کا ذکر جن کے لئے انہوں نے بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ بچپن سے انسان کے کان میں پڑتا رہتا ہے۔

تختی پر نقش کالحجر ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب چیزیں شعوری اور
اور اس کے دل و دماغ کی سادہ تختی پر نقش کالحجر ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب چیزیں شعوری اور غیر شعوری طریقہ پر اس کی شخصیت وسیرت کی تعمیر اور اس کی صورت گری کرتی ہیں۔ اسی حقیقت کے پیش نظر قدیم وجدید سوانح نگاروں نے صاحب سوانح کے خاندان کا تعارف اور اس کے اسلاف وآباؤ اجداد کا تذکرہ اس کے حالات و کمالات کے تذکرہ اور اس کی سوانح حیات لکھنے سے پہلے ضروری سمجھا ہے۔" الخ [1]

جدامجد مولانا سعدالدین صاحب

آپ اپنے وقت کے نہ صرف جامع العلوم عالم تھے بلکہ صاحب نسبت بزرگ بھی تھے۔ مشہور روحانی پیشوا حضرت اسوٹا باباجی رحمہ اللہ کی آپ کے ساتھ ازحد عقیدت تھی۔ آپ کے بارے میں مزید معلومات حاصل نہیں ہو سکے۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے۔ جو روایات سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہیں کہ آپ ایک عظیم مصلح، نابغۂ روزگار ہستی اور جامع شریعت وطریقت شخصیت اور ہزارہا مخلوق خدا کو آپ کی ذات سے فائدہ پہنچا۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک عالم جلیل مولانا شاہ صاحبؒ۔ دوسرا مولانا شاہ غریبؒ۔

مولانا شاہ صاحب

آپ منطقی عالم کے نام سے مشہور تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ جامع العلوم والفنون شخصیت تھے اور بجا طور پر آپ استاذ الکل کے لقب کے مستحق تھے۔ اس لئے کہ نامور اور مشاہیر علماء وشیوخ کو آپ سے شرف تلمذ حاصل رہا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب قدس سرہ سے حاصل کی۔ اور اعلیٰ تعلیم کے بارے میں ابھی آپ کے حالات معرض خفاء میں ہیں آپ کے تلامذہ کا ایک وسیع حلقہ تھا۔ ابتداء میں آپ کتب منطق وحکمت اور کلام میں ازحد دلچسپی لیتے تھے اور انتہائی جوش وخروش کے ساتھ اس کی تدریس کرتے۔ لیکن بعد میں

---

[1] حیات عبدالحیٔ ص۱۹۱

منقولات اور کتب حدیث کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوتے۔

روایت ہے کہ آپ بھوپال بھی تشریف لے گئے تھے۔ اور وہاں پر قضاء وافتاء کے منصب جلیلہ پر فائز رہے۔ وہاں بھی آپ سے ایک کثیر تعداد نے استفادہ کیا۔ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی آپ کے معاصرین میں سے تھے۔ کبھی کبھی ازراہ مزاح فرمایا کرتے۔ کہ ہمارے ہاں نہ وسائل ہیں، نہ کتابیں، نہ یہاں وہ تمام سہولتیں میسر ہیں اور نہ فارغ البالی اور مولانا عبدالحیٔ لکھنوی" تو نازونعم میں پلا ہے۔ شہزادوں جیسے زندگی گذاری ہے۔ اس کے پاس وسائل بہت ہیں۔ اور فارغ البالی بھی ہے۔ معاش کی جانب سے اسے کوئی فکر نہیں۔ اگر اتنے وافر مسائل ہمارے ہاں ہوتے۔ تو یہاں پر بھی کثیر التصانیف علماء کی ایک کثیر تعداد ہوتی۔

تادم واپسیں اپنی مسجد میں حسبۃً للہ پڑھاتے اور اپنے تلامذہ پر ازحد شفیق تھے آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ جن میں مجاہد کبیر مولانا سیف الرحمٰن مہاجر کابل، مولانا قطب الدین غورغشتوئی۔ مولانا سید میر محمد سرخرودی ننگرہاری۔ مولانا عبدالجلیل طوروی۔ مولانا قاضی عبدالحق کابلی۔ مولانا پردل قندہاری اور مولانا سودائی صاحب بام خیل زیادہ مشہور ہیں۔

ایک روایت کے مطابق آپ اپنے والد صاحب قدس سرہٗ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے۔ محرم الحرام ۷، ۱۳۰۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ اور جس مسجد میں آپ درس دیا کرتے تھے اسی میں آسودۂ خواب ہیں۔ ذیل میں آپ کے ان نامور تلامذہ کا مختصر تذکرہ درج کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا سیف الرحمٰن صاحب مہاجر کابل

آپ حضرت شاہ صاحب کے محبوب ترین تلامذہ میں سے تھے تحصیل چارسدہ کے متھرا نامی گاؤں علاقہ ہشت نگر میں جناب غلام خان کے گھر پیدا ہوئے۔

اور حضرت مولانا رحمہ اللہ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد زروبی تشریف لائے۔ اور وہاں پر مولانا کی خدمت میں چار سال گزارنے کے بعد ہندوستان تشریف لے گئے۔ اور صحاح ستہ کی تکمیل کے لئے حضرت لطف اللہ علی گڑھی سے فلسفہ اور ریاضی میں درس لیا۔ اور علاوہ ازیں شیخ حسین ابن قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علاوہ ازیں شیخ حسین ابن محسن انصاریؒ سے بھی آپ کو شرف تلمذ حاصل ہے۔ وہ سند جو کہ حضرت الشیخ حسین ابن محسن انصاری خزرجی نے آپ کو دی ہے۔ وہ بندہ کے پاس محفوظ ہے۔ اس کے ابتدائی چند سطور ملاحظہ ہوں۔

قال شیخ العرب والعجم مولانا شیخ حسین ابن محسن الانصاری الخزرجی قد اجزت المولوی سیف الرحمٰن ان یروی عنی الصحاح الستة ومشکوٰة المصابیح کما قرأت واخذت وسمعت واجازنی مشائخی السادة الاعلام والفضلاء الکرام واجلهم شیخنا الشریف الامام المحقق الهمام محمد بن ناصر الحسینی الحازمی والقاضی العلامه احمد بن القاضی الحافظ الربانی محمد بن علی الشوکانی عن شیخه السیّد العلامه عبد القادر بن احمد الکوکبانی عن شیخه السید العلامه سلیمان بن یحیی بن عمر مقبول الاهدل الخ

مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ دریائے کابل سے دریائے یرموک تک کے حاشیہ صـ ۴۴ پر رقمطراز ہیں:۔

"مولانا سیف الرحمٰن صاحب صوبہ سرحد میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر ہندوستان کا رخ کیا۔ علوم ریاضی کی تعلیم مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور حدیث کی تحصیل مولانا رشید احمد گنگوہی سے کی۔ سالہا سال تک ریاست ٹونک میں مدرسہ ناصریہ

میں تدریس کی خدمت انجام دی اور وہیں سکونت اختیار کی۔ کچھ عرصہ فتحپوری میں بھی مدرس رہے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ساتھ خصوصی تعلقات تھے۔ اور وہ ان کی مجاہدانہ تحریک کے خاص رکن تھے۔ مولانا نے اسی مقصد کے تحت ہندوستان سے ہجرت کی اور سرحد کے مشہور مجاہد حاجی صاحب ترنگزئی کی قیادت میں انگریزوں سے جنگ کی اس کوشش میں ناکام ہونے کے بعد وہ کابل ہجرت کر گئے۔ جہاں وہ بعض اہم مناصب پر فائز رہے۔

پاکستان بننے کے بعد وہ پشاور واپس آئے۔ ۷ رجمادی الاولی ۱۳۶۹ھ میں اپنے گاؤں متھرا میں وفات پائی۔ جو پشاور کے شمال میں واقع ہے۔ مولانا بڑے عالی ہمت بلند نگاہ ذہین اور ذکی عالم تھے۔ انگریزوں کی دشمنی میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ ہندوستان میں ان کے شاگردوں کی اچھی خاصی تعداد تھی"۔

حضرت صدر صاحبؒ نے ایک مجلس میں فرمایا۔ کہ مولانا سیف الرحمٰن صاحب اور حاجی صاحب ترنگزئی جب یاغستان جا رہے تھے تو یہ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ ارباب حکومت نے ان کے پیچھے سی۔ آئی۔ ڈی کے اہل کاروں کا جال بچھا رکھا تھا اور برٹش ایمپائر کے کارندے ان کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ حاجی صاحب کے ایک مرید کا بیان ہے کہ حکومت کے افراد کے ساتھ ان کا کئی دفعہ آمنا سامنا ہوا۔ کبھی ہم اور وہ گھوڑوں پر ایک ساتھ جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انہوں نے ہمیں نہیں پہچانا اور نہ ہم سے انہوں نے کچھ تعرض کیا۔ اور یوں ہم بخیر و عافیت یاغستان پہنچے۔ یاغستان پہنچ کر مولانا سیف الرحمٰن صاحب آگے کابل چلے گئے۔ اور حاجی صاحبؒ نے یہ حدیث سنا کر یاغستان کو اپنا مرکز بنایا۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رباط یوم فی سبیل اللہ خیر من الدنیا وما فیها۔

مولانا سیف الرحمٰن صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا۔

من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة الجاهلیه

چونکہ یہ علاقہ تو یاغستان تھا۔ یہاں پر کوئی باقاعدہ امیر نہ تھا۔ اس لئے مولانا سیف الرحمٰن صاحب نے یہ ارشاد رسول ﷺ ذکر فرمایا۔ تفصیلی حالات کے لئے نقش حیات، تحریک شیخ الہند نزہۃ الخواطر اور تاریخ دارالعلوم دیوبند اور ذاتی ڈائری وغیرہ ملاحظہ ہوں۔

مولانا سیّد میر مجدد شہید سرخرودی ننگرہاری

آپ افغانستان کے صوبہ ننگرہار کے رہنے والے تھے۔ ذہانت و ذکاوت میں یکتائے روزگار و سخاوت و شجاعت میں بے نظیر، حق گوئی و بیباکی میں ممتاز اور علوم معقول پر آپ کو مکمل عبور تھا۔ انتہائی فصیح و بلیغ کہ آپ کے سامنے بڑے بڑے لسان اور زبان آور گنگ ہو جاتے۔ مدت مدید تک قاضی القضاۃ جیسے اہم منصب پر فائز ہونے کے ساتھ گورنر جلال آباد بھی رہے۔

انہی سے روایت ہے کہ ہم افغانستان میں کتابیں پڑھ رہے تھے۔ ایک استاذ سے ہم نے مولانا (شاہ صاحب) کی تعریف سنی۔ چنانچہ ہمارے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ہم ضرور مولانا صاحب کے پاس مزید حصول تعلیم کے لئے جائیں گے اور ہم نے دعا بھی کی کہ بار الٰہا۔ حضرت مولانا صاحب کو طویل زندگی عطا فرما تاکہ ہم ان سے استفادہ کر سکیں۔ چنانچہ ہم چند ساتھی افغانستان سے عازم زروبی ہوتے۔ یہاں پر آکر جب ہم نے آپ کی زیارت کی تو ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ہم نے آپ سے قاضی مبارک اور چند دوسری کتابیں جو معقول سے تعلق رکھتی تھیں پڑھانے کی استدعا کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں اب یہ کتابیں نہیں پڑھاتا۔ چنانچہ بہت اصرار کے بعد آپ ان کتابوں کے پڑھانے پر آمادہ ہوئے۔

قاضی صاحب امیر امان اللہ خان کے چھ ماہ تک اتالیق بھی رہ چکے تھے۔ جب امیر حبیب اللہ خان شہید کر دئے گئے تو نصر اللہ خان نے آپ کو امیر امان اللہ خان کے پاس

پیغام رسانی کے لئے بھیجا۔ آپ کی علمیت اور عہد آفریں شخصیت سے یہ لوگ بھی خائف تھے۔ امیر امان اللہ خان نے بعد ازاں استقلال کا دعویٰ کیا اور نصر اللہ خان نے قاضی صاحب کو اس لئے پیغام رسانی کے لئے استعمال کیا کہ اگر قاضی صاحب کو اس ہی قتل بھی کر دیا جائے تو اچھا ہوگا۔ قاضی صاحب امید و بیم کی حالت میں امیر امان اللہ خان کی محفل میں حاضر ہوئے اور قاضی صاحب کو سوچوں کے سمندر میں غلطاں دیکھ کر امیر امان اللہ خان نے یہ کہہ کر محفل برخاست کر دی کہ قاضی را خواب آمد۔ بعد ازاں امیر صاحب نے ان کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا۔ اور کہا کہ قاضی صاحب میں آپ کا شاگرد ہوں۔

قاضی صاحب نے آپ کو آنے کا مقصد بیان کیا۔ علاوہ ازیں دیگر امور بھی زیر بحث آئے۔ اور آپ نے ایک طویل فارسی قصیدہ بھی امیر امان اللہ خان کو سنایا۔ جس کا آخری شعر یہ ہے ؎

اے مجدد لبس بیاں نکتہ بلاں قدر ببیں   آں شہادات ایں خلافت بخت و تخت ممایرید

تحریک ہجرت میں آپ نے اپنے استاذ کے صاحبزادوں کی خوب خاطر تواضع اور مدارات کی۔ جب افغانستان میں بچہ سقّہ کا انقلاب آیا تو شینواری قوم کے چند افراد نے آپ کو بمعہ دو صاحبزادوں کے شہید کر دیا۔

اپنے شفیق استاذ حضرت شاہ صاحب کی وفات پر ایک دردانگیز پشتو مرثیہ لکھا تھا جس کے چند اشعار اردو ترجمہ کے ساتھ حسب ذیل ہیں ؎

لا ہم فنا شوے عالم نحریرہ   پہ کل علوموباندِ خبیرہ

رحلت دِ او کڑولہ دے جاگیرہ   پہ درست جہان کنبں معدوم نظیرہ

لا ہم فنا شوے فیاض رسانہ   بحرِ عمیقہ فصیح زبانہ

دعلم شور دِ ترھندہ ایرانہ   هیهات فریاد دے دنیا شوہ روانہ

دریاب روان وو ستا د فیضان   سرحد ے نشتہ چا تہ عیان

پہ مونږ اس وچ شو دخپل تقدیرہ — پہ درست جهان کښ معدوم نظیرہ
چاته د پرېښو نیم نیم کتاب — د چا یو جز ود د چا یو باب
ود ډېر نه کوو د بوله جواب — هیهات فریاد دے دنیا شوه روانه
میاشت مبارکه وه د محرم — په دوه ویشتم پرېوت ماتم
زر دے سوه هفت وو ظهیرہ — په درست جهان کښ معدوم نظیرہ
ورځ دوشنبه وه اے راه نمایه — عزرائیل راغے و پاکه خدایه
وخت د زوال کښ شوم په هائے هایه — هیهات فریاد دے دنیا شوه روانه
سلام علیکم لا لبه فنا شوے — مولانا مونږ نه په استغنا شوے
نه د کرم بوه په خپل تقصیرہ — په درست جهان کښ معدوم بنظیرہ
قبرہ د ره شو په صبحدم کښ — هم ماز یگر کښ ناست یو ماتم کښ
که یو آواز کېږ نه په یو دم کښ — هیهات فریاد دے دنیا شوه روانه
آواز او نه شی ستاله جانبه — شوے بے پروا ان مونږ نه صاحبه
دوستان دے ټول دی والهه دلګیرہ — په درست جهان کښ معدوم نظیرہ
سیده مجدده څه رنګ شو حال — نور په دنیا کښ نشته خوشحال
که څه هو بنیار بس دے یو قال — هیهات فریاد دے دنیا شوه روانه

ترجمہ۔ اے عالم تحریر تمام علوم پر دسترس رکھنے والے آپ فنا ہو گئے تمام جہان میں آپ کی نظیر نہیں۔ آپ نے کوچ کیا۔ اے فیاض علم کے دریائے ناپیدا کنار فصیح زبان شخصیت آپ کے علم کا شہرہ از ہند تا ایران ہے۔ افسوس دنیا ختم ہو گئی۔ آپ کے علم کا فیضان جاری تھا۔ اس چشمۂ فیض کی حد کسی کو معلوم نہیں۔ یکایک یہ دریا خشک ہو گیا۔ آپ معدوم النظیر ہیں۔ کسی کی نصف کتاب اور کسی کا ایک جزء کسی کا ایک باب ادھورا رہ گیا۔ تمام کو تشنۂ جواب چھوڑ کر رخصت ہوئے۔ پیر کے روز ظہر کے وقت بائیس (۲۲) محرم ۱۳۰۷ھ کو فرشتۂ اجل

اللہ کی جانب سے آیا اور آپ کا روح تن سے جدا کیا) یا مولانا السلام علیکم۔ آپ ہم سے مستغنی ہو کر ہماری تقصیر بتائے بغیر رخصت ہوئے۔ آپ کے مزار پر ہم سویرے اور عصر کے وقت آتے ہیں غم سے نڈھال آپ نے اگر آواز دی؟ ہیہات اور فریاد۔ آپ کی طرف سے کوئی آواز نہیں آتی، اے ہمارے صاحب آپ ہم سے بے پروا ہیں۔ آپ کے تمام احباب غم و اندوہ کے سمندر میں ڈوبے ہیں۔ اے سید مجدد یہ کیا ہوا۔ دنیا میں آپ خوش نہ ہوا اگر تو ہوشیار ہے تو آپ کے لئے یہی ایک بات کافی ہے۔ ہیہات اور فریاد ہے دنیا ختم ہو گئی۔

حضرت مولانا عبد الجمیل صاحب طوروی

علمی لحاظ سے موضع طورو ضلع مردان کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ گاؤں بڑے جید علماء اور عظیم شخصیات کا مولد و مدفن ہے۔ ان مرجع خلائق ہستیوں میں سے ایک مولانا عبد الجمیل صاحب طوروی بھی ہیں۔ آپ ۱۸۵۹ء کے قریب مولانا حفیظ اللہ کے گھر طورو میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حفظ و ناظرہ قرآن کریم کے بعد زروبی تشریف لائے اور یہاں پر حضرت مولانا (شاہ صاحب) سے کتب عقائد و معقول اور اصول میں درس لیا۔ آپ کے بھائی مولانا محمد اسمٰعیل صاحب طوروی نے بھی یہاں آپ سے استفادہ کیا۔ تکمیل علم اور سند فراغت مولانا عبد الجمیل صاحب نے ہندوستان میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے حاصل کی۔ فراغت کے بعد ریاست جوناگڑھ۔ ویلور اور مدرسہ فتح پوری میں عرصہ تک مدرس رہے۔ آپ کے نامور تلامذہ میں محدث عصر مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری کے علاوہ شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب دارالعلوم حقانیہ بھی شامل ہیں۔ وطن واپسی پر والئی سوات کے مشیر اور استاذ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ پھر طورو میں مشغلہ تدریس جاری رکھا۔ ۱۹۴۶ء میں آپ کا انتقال ہوا اور آبائی قبرستان موضع خاؤ کے قریب دفن کئے گئے۔ آپ کی خود نوشت تذکرۂ جمیل مخطوطہ قاضی عبد الحلیم اثر کے پاس محفوظ ہے۔

علاوہ ازیں اور بھی کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

مولانا قاضی عبدالحق کابلی

مولانا ابوالحسن علی ندوی حیات عبدالحئی میں آپ کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

• مولانا قاضی عبدالحق کابلی نزیل بھوپال محمد اعظم کے صاحبزادہ ہیں۔ منطق و فلسفہ میں علامہ سیخ کے شاگرد تھے۔ جن کی قاضی مبارک کی شرح مشہور تھی۔ ہندوستان میں آکر انہوں نے مولانا عبدالعلی رامپوری سے منطق و فلسفہ کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں۔ حج و بلاد اسلامیہ کی سیاحت کے بعد بھوپال آئے۔ ریاضی مولانا فتح اللہ نائب مفتی، اور حدیث مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب برہانوی سے پڑھی۔ مدرسہ شاہجہانی بھوپال میں مدت تک درس و افادہ میں مشغول رہے۔ ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۴ء میں افتاء کی خدمت سپرد ہوئی۔ پھر قاضی مقرر ہوئے اور ساری عمر اس عہدہ پر فائز رہے۔ فقہ اصول اور کلام میں پایہ بلند رکھتے تھے۔ منطق و فلسفہ ریاضی اور الٰہیات میں ان کی نظر بہت دقیق تھی بہت سے علمی کمالات اور انسانی اوصاف سے آراستہ تھے۔ تصنیفات میں قاضی کی شرح القول المسلم ہے۔ دوسری کتب درسیہ پر بھی ان کے فاضلانہ حواشی ہیں۔ ۲۲ر رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ۔ ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۳ء میں بھوپال میں انتقال کیا۔

مولانا پردل خان قندہاری

آپ بھی حضرت مولانا کے محبوب شاگردوں میں سے تھے۔ زروبی میں عرصہ چار سال تک مقیم رہے۔

آپ مولانا سیف الرحمٰن صاحب مہاجر کابل اور مولانا قطب الدین صاحب یہاں زروبی میں اکٹھے پڑھ رہے تھے۔ آپ کے بارے میں مولانا عبدالحئی صاحب نزہۃ الخواطر ج ۸ میں رقم طراز ہیں۔

• الشیخ الفاضل (مولانا) پوردل الحنفی الکابلی آپ مشاہیر علماء میں سے تھے حدود افغانستان میں پیدا ہوئے اور یہاں پر آپ کی نشو و نما ہوئی۔ تحصیل علم کے لئے ہندوستان

تشریف لائے اور مولانا مفتی لطف اللہ بن اسد اللہ کوتلی اور دوسرے علماء سے استفادہ کیا۔ پھر اس کے بعد رامپور تشریف لے گئے۔ اور وہاں پر رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ اور کافی عرصہ تک وہاں رہے۔ اس کے بعد ریاست ٹونک تشریف لے گئے اور مدرسہ خلیلیہ میں تدریس پر فائز ہوئے۔ کچھ عرصہ یہاں پر تدریس کرنے کے بعد امیر ٹونک نے آپ کو حکیم برکات احمد سے اختلاف کی بنا پر نکالا۔ اس کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے۔ اور مدرسہ نعمانیہ میں تادم واپسیں درس دیتے رہے۔ آپ علم فقہ و اصول کلام اور علم منطق میں یکتائے روزگار تھے علماء کی ایک کثیر تعداد نے آپ سے استفادہ کیا۔ رمضان ۱۳۳۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

مولانا خان بہادر صاحب عرف مار تونگ مولانا صاحب اور مولانا عبدالسلام صاحب قندہاری آپ کے نامور تلامذہ میں سے ہیں۔ تفصیلی حالات کے لئے راقم کا مضمون مولانا پوردل قندہاری۔ ماہنامہ الحق ملاحظہ ہو۔

مولانا قطب الدین صاحب غورغشتوی

آپ کا مفصل تذکرہ اساتذہ و مشائخ کے ذیل میں آئے گا۔ آپ کے بارے میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں:۔

• مولانا قطب الدین بن مولانا شہاب الدین بن بہاؤ الدین ابن سعد الدین کے اجداد سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں قندہار سے آئے تھے۔ فریضہ جہاد سے فارغ ہو کر اتفاقاً غورغشتی سے گزرے اور لوگوں نے انہیں وہیں ٹھہرالیا۔ مولانا قطب الدین مختلف اساتذہ سے نصابی کتب پڑھنے کے بعد دورہ حدیث کے لئے دیوبند چلے گئے۔ وہاں سے فارغ ہو کر مختلف درسگاہوں مثلاً علی گڑھ۔ فتح پور۔ چکوال۔ مکھڈ وغیرہ میں درس دیتے رہے۔ اور کئی ہزار نامور شاگرد پیدا کئے۔ مثلاً قاضی عبدالسبحان کھلابٹ ہزارہ مولانا عبدالحلیم زروبی مردان۔ مولانا کوکا صاحب صوابی۔ مولانا شریف اللہ سواتی۔ مولانا عبدالحنان ٹاجک چھچھ اور مولانا عبدالغفور وزیر آبادی وغیرہ (میری داستانِ حیات ص ۳۴)

حکیم مولانا سودائی صاحب بام خیل

یہ موضع بام خیل تحصیل صوابی کی عظیم شخصیت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غضب کا حافظہ عطا فرمایا تھا۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں بعدازاں زروبی تشریف لاتے اور حضرت مولانا صاحبؒ سے شرح عقائد وخیالی وغیرہ کتب کلام وعقائد وخیالی وغیرہ کتب کلام وعقائد اور اسی طرح تلخیص ومطول میں درس لیا۔ تلخیص ختم کرنے کے بعد حضرت الاستاذ نے آپ کو مختصر دے دی۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ میں اس کا مطالعہ کرتا ہوں۔ صبح سے لے کر ظہر تک اس کو مطالعہ کرنے کے بعد کہا کہ استاذ محترم اگر اس کتاب کو آپ مجھے ایک دن میں پڑھا سکتے ہیں تو اچھا ورنہ میں اس کو نہیں پڑھتا۔ مولانا صاحب نے از راہ مزاح فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ ایسا دن پیدا کرے جس میں ہم یہ کتاب پڑھ لیں۔ پھر اس نے مطول شروع کی خیالی پر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا حاشیہ مشہور ہے۔ لیکن حکیم صاحب اس کو بھی خیالی کے حل کے لئے ناکافی سمجھتے تھے۔ آپ نے ایک فتاوٰی تحریر فرمایا ہے۔ جس کے بارے میں آپ کا دعوٰی تھا کہ اگر یہ فتاوٰی شامی، فتح القدیر اور قاضی خان سے بہتر نہیں تو ہمسر ضرور ہے۔

علوم وفنون میں براعت کے ساتھ اللہ نے آپ کو فن طب میں وہبی ملکہ عطا فرمایا تھا اس بارے میں عجیب وغریب قصے عوام میں مشہور ہیں۔ جب تک زندہ رہے اپنے شفیق استاد کی زیارت کے لئے اکثر ان کے مزار پر حاضری کے لئے تشریف لاتے۔ تفصیلی حالات کا علم راقم کو نہ ہو سکا۔

یہ تو تھا مولانا شاہ صاحب قدس سرہٗ کے چند چیدہ چیدہ تلامذہ کا تذکرہ۔ علاوہ ازیں میاں سید حسین شاہ صاحب میاں ڈھیری (صوابی) بزرگ مولانا صاحب مرغز (صوابی) حضرت لالہ جی صاحب بام خیل (صوابی) مولانا محمد اسمٰعیل صاحب طوروی (مردان) مولانا رسول خان صاحب ہزاروی مدرس دارالعلوم دیوبند قاضی پور مولانا صاحب، جلالیہ چھچھ کے فقیہ مولوی صاحب (جو کہ مولانا عبدالحیؒ لکھنوی کے بھی شاگرد تھے) مولانا دامان باباجی صاحب؛

چھچھ اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب عرف گاڑ باباجی (صوابی) بھی آپ کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہیں۔

حضرت مولانا محمد صاحب حضرت صدر المدرسین کے ماموں اور شفیق استاد

آپ حضرت مولانا شاہ صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے تھے اس سے پہلے آپ کی چار بہنیں تھیں۔ بڑی ہمشیرہ حضرت صدر صاحب کی والدہ ماجدہ تھیں۔ ابتدائی تعلیم آپ نے حضرت والد صاحب سے حاصل کی۔ اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے ریاست ٹونک چلے گئے۔ اور وہاں پہ مدرسہ ناصریہ میں مولانا سیف الرحمٰن صاحب مہاجر کابل اور شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن صاحب سے اکتساب فیض کیا۔

مولانا سیف الرحمٰن صاحب نے آپ کو جو سند عطا کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ
ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا
مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک
لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلٰی
اٰلہ واصحابہ واتباعہم اجمعین۔ اما بعد! فان العالم الفاضل الجامع اللّھم
الذکی المولوی محمد بن مولائی واستاذی المرحوم المولوی شاہ صاحب
المرحوم الغشاوری الزروبوی قد قرءَ علیّ واستمع عندی بالتفہم والتیقظ
من علم التفسیر طرفاً من تفسیر القاضی ناصر الدین البیضاوی ومن علم
الحدیث۔ الجامع الصحیح للامام البخاری والجامع للحافظ ابی عیسٰی الترمذی
بتمامھا ومن علم اصول الحدیث نخبۃ الفکر وشرحہا نزھۃ النظر بالتمام للحافظ

ابن حجر العسقلانی ومن علم الفقه اکثر الجلد الثالث من الهدایه شرح
البدایة للشیخ برهان الدین ابی الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی ومن علم
اصول الفقه نور الانوار لملا جیون الهندی بتمامه والتوضیح شرح التنقیح
لصدر الشریعة بتمامه وطرفاً من التلویح للعلامه التفتازانی ومن علم المعانی
للسعد التفتازانی الی فن البدیع ومن علم الادب طرفاً من المقامات للشیخ
ابی محمد قاسم بن علی الحریری البصری ومن علم المیزان شرح السلم فی
التصورات للقاضی مبارک الکوفاموی وشرح السلم فی التصدیقات للمولوی
حمد الله السندیلی وسلم العلوم لمحب الله البهاری ومن فنون الحکمة
مبحث الامور العامة من شرح المواقف للسید الجرجانی وحاشیة للسید
الزاهد الهروی وشرح الرسالة القطبیه للسید الزاهد الهروی وحاشیة
للمولوی غلام یحیی البهاری وشرح الهدایة الاثیریة للصدر الشیرازی
والشمس البازغة لملا محمود الجونفوری وشرح الجغمینی للفاضل الرومی وقد
قرا وباقی الکتب الدرسیه عند العالم المتبحر جامع المنقول والمعقول اخی المولوی
حید رحسن خان المدرس بالمدرسة الناصریه فلما فرغ من التحصیل وفاز
بالتکمیل وجدته اهلاً لتبلیغ الدین القویم حریاً لتعلیم الصراط المستقیم
فامرته ان یبلغ العلوم الشرعیة اصولها وفروعها ویجعل الفنون الادبیة
والعقلیة خداماً واعوانها وطلب منی اجازة الامهات الستّ المشهورة
عند المحدثین بالاسناد المتصل الی المصنفین لیتصل اسناد الاحادیث الی سید
الخلائق اجمعین علیه وعلی آله الصلواة والسلام الی یوم الدین وانی وان لم اکن
اهلاً لذالک ولا ممن یخوض فی تلک المسالک لکن لما رایت ان الاسناد من آثار السلف
الصالحین اردت ان اقتدی بهدیهم واتشبه بسیرتهم فان من تشبه بقوم

فهو منهم فاجبته الی مسئوله واسعفته بمطلوبه واجزته ان یروی عنی مشکوٰة
المصابیح للشیخ ولی الدین محمد بن عبد التبریزی والصحاح المعروفة المشهورة
الجامع الصحیح المسند للامام ابی عبد الله محمد بن اسمعیل البخاری والصحیح
للامام ابی الحسین مسلم بن الحجاج القشیری والجامع للحافظ ابی عیسیٰ محمد بن
عیسیٰ الترمذی والسنن لابی داؤد سلیمان ابن الاشعث السجستانی والسنن لابی
عبد الرحمان احمد بن شعیب النسائی والسنن لابی عبد الله محمد بن یزید بن عبد الله
بن ماجه القزوینی رضی الله عن مصنفیها وافاض علینا من برکاتهم وفیوضهم
بشرط الضبط والاتقان فی الالفاظ والمعانی والتثبت والتیقظ فی المقاصد والمبانی
وبشرط استقامة العقائد والاعمال علی طریقة الصحابة والتابعین وحسن
الادب بحضرة العلماء الراسخین من السادة المحدثین والائمة المجتهدین. رضوان
الله تعالی علیهم اجمعین. واوصی نفسی وایاه بتقوی الله والاعتصام بحبل الله
وان یجتهد فی اشاعة العلوم الشرعیة غایة الاجتهاد ویجتنب عن مخالطة اهل الشرک
والبدعة کل الاجتناب وان یقول الحق ولو عند سلطان ظالم وان لا یخاف فی الله لومة
لائم واسأله ان لا ینسانی من صالح دعواته فی خلواته وجلواته وانی حصلت الاجازة
والقرأة والسماع للصحاح المذکورة عن الشیخ المفسر المحدث الفقیه الحنفی مولانا
رشید احمد السهارنفوری الجنجوهی وهو حصل القرأة والاجازة عن الشیخ عبد الغنی
المجددی وهو من الشیخ محمد اسحٰق الدهلوی وهو عن الشیخ عبد العزیز الدهلوی.
وهو عن والده الشیخ ولی الله الدهلوی. وباقی السند الی المصنّفین مکتوب عنده وایضاً
حصلت الاجازة للامهات الست ومشکوٰة المصابیح بالاسناد المتصل الی المصنفین
من شیخ العرب والعجم مولانا الشیخ حسین بن محسن الانصاری الخزرجی وباقی السند
مکتوب عنده واسأل الله لی وله ان یوفقنا لما یحب ویرضی ویجعل آخرتنا خیرا

من الاولی ؤ یحشر نا فی جوار سید الانام علیه الصلوٰة والسلام والفوز برضاء الملک
المنعام ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم وحسبنا الله ونعم الوکیل سبحان
الله وبحمده سبحان الله العظیم وصلی الله تعالی خیر خلقه محمد وآله واصحابه واتباعه
اجمعین حررته التاسع والعشرین من شهر رجب المنتظم فی السنة السادسة و
العشرین وثلثمائة بعد الالف من الهجرة النبویه علی صاحبها الوف الوف الصلوات
والتحیات

المجیز ۔ الفقیر الحقیر الی العفو والغفران ابوسعید بن سیف الرحمٰن
بن غلام خان عفی الله عنهما المدرس الاول بالمدرسة الاسلامیه الناصریة
لازالت بنصرة الدین مؤیده وبتائید اهل العلم مشیّده ۔

اور شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خان صاحب کی عطا کردہ سند کے الفاظ یہ ہیں ۔

بسم الله الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذی تواتر علینا فضله واحسانه الموصل الینا بره واحسانه و
اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له فی ذاته وصفاته واشهد
ان سیدنا ومولانا محمداً الذی صح سند کمالاته صلی الله علیه وسلم وعلی البررة
الکرام واصحابه نجوم اهل الاسلام امابعد فقد کان وفد الینا الشاب
الصالح العلامة اعزا لطلبه محمد الذی له فی اکتساب العلوم اجل رغبته وطفق
یشتغل علینا بدرس العلوم وکتب الفنون وذالک بالمدرسته الاسلامیة الناصریة
الواقعة ببلدة محمد آباد المعروفة عند عوام الناس ببلدة تونک من بلاد الهند
حماها الله سبحانه من شر الناس فدرس فی علم الحدیث صحیح الامام مسلم وسنن ابی
داؤد وسنن ابن ماجه وسنن النسائی وکتاب المشکوٰة وفی علم التفسیر کتاب الجلالین
للمحلی والسیوطی وفی الفقه شرح الوقایه وعلم العقائد کتاب شرح العقائد للامام النسفی

وحاشیة للخیالی وفی المنطق ملاجلال وحاشیة زاهد وفی علم الهیئة شرح مختصر
جغمینی وکتاب التصریح شرح التشریح وکتاب السبع الشداد وفی علم الهندسة تحریر
اقلیدس وفی علم النحو شرح الکافیه لملاجامی وفی علم التصریف کتاب الشافیه وفی
علم اسطرلاب عدة باب من کتاب بست باب للطوسی وکانت قراءته علی دراسته دراسته
ثم انه طلب منی کتابة الاجازة لدرس تیلک الکتب فاستعفته جبها خان سلامة
طبعه وجودة قریحته واصابة فکره تعوقه عن الغوایة وترشده الی الهدایة
انشاء الله تعالی لما انه حصلت له ملکة راسخة فی مطالعة الکتب واخذ المطالب منها
وقد سهل له لضهم المعانی للعبارات الغویصة منها والمرجو من اخینا المحب الصادق
السابق ذکره ان یطالع دائما الشروح المعروفة ویستمد فی معاضیه عن الکتب
المشهورة للائمة السلف وان لا یتجاوز مذاهب السنة فی القاء الدرس وان لا
ینسانی لصالح الادعیة اصلح الله حالنا وحاله امین ثم انه طلب منی الاجازة فی روایة
امهات الست للاحادیث النبویة واتصال السنة الی مولفیها علی حسن ظنه بارک الله فیه وان کنت لست اهلاً لذالک
ولا ممن یخوض فی تلک المسالک لکن التشبه بالائمة الاعلام السابقین کما قال الشاعر ؎ فتشبهوا ان لم تکونوا مثلهم
ولکن تشبه بالکرام فلاح ۔ فاقول وبالله استعین انی قد اجزته ان یروی ها عنی
کما اخذتها قرأة وسماعة واجازة عن الشیخ الاجل الثقة الامام المشهور عن
الشیخ الاورع البارع فی الآفاق محمد اسحاق المحدث الدهلوی عن القرم بقیة
السلف وحجة الخلف شاه ولی الله المحدث دهلوی الخ وکما اخذتها قرأة وسماعة
واجازة عن اجلهم شیخنا الشریف ۔ الامام المحقق المدقق الهمام الشیخ
حسین بن محسن الیمانی المعبد دی الانصاری الخزرجی عن محمد بن ناصر الحسنی
الحازمی والقاضی الحافظ الربانی محمد بن علی الشوکانی کلاهما عن والد الشانی
الخ وباقی السند لکلتا السلسلتین الی المصنفین مکتوب عنده واوصیه وایای

بتقوی اللہ فی السر والعلن وترک الفواحش ما ظہر منہا وما بطن والمراقبۃ للہ واتباع السنن والحیاء من اللہ وحسن الظن فی اللہ وبعباد اللہ وان لا یغفل عن ذکر اللہ مطلق وتلاوۃ کتابہ وتدبر معانیہ والمجاہدۃ بحسب الطاقۃ فیما یقربہ الی اللہ عزوجل وان لا ینسانی من صالح دعواتہ فی خلواتہ وبعد مماتہ ووالدی و اولادی ومشائخی وفقنا اللہ وایاہ لما یحبہ ویرضاہ وسلک بنا وبہ طریق النجاۃ والحمد للہ رب العالمین اولاً وآخراً وباطناً وظاہراً وحسبنا اللہ و نعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وسلم وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

المجیز الحقیر الفقیر الی احسان ربہ ذی المنن حیدر حسن بن المرحوم احمد حسن عفی اللہ عنہ والیہ احسن۔

یہاں سے واپس آکر آپ نے مختلف مدارس میں تدریس کی۔ کچھ عرصہ آپ چکوال میں مدرس رہے اور چکوال ہی میں حضرت صدر صاحب قدس سرہٗ نے آپ سے بعض کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں آپ اپنے گاؤں زروبی میں بھائی خیل کی مسجد میں پڑھاتے رہے۔ تا آنکہ وقت موعود آپہنچا۔ مولانا قطب الدین صاحبؒ اور دوسرے اکابر آپ کا از حد خیال رکھتے۔

۱۳۶۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور اسی مسجد کے احاطہ قبرستان میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔ حضرت صدر صاحب مرحوم اس وقت دہلی میں مدرسہ رحمانیہ میں مدرس تھے جب آپ کو اپنے شفیق ماموں اور جامع العلوم استاذ کی رحلت کی خبر پہنچی۔ تو زار و قطار رونے لگے اور فوراً ہی گاؤں روانہ ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ کے ایصال ثواب کے لئے کئی ختمات کئے گئے۔

حضرت صدر صاحب مرحوم نے آپ کی وفات پر ایک دلدوز عربی مرثیہ بھی لکھا تھا۔

جس کے چند اشعار "شعری ذوق" کے زیر عنوان اس کتاب میں ذکر ہیں۔ آپ کو اپنے نامور بھانجے اور ہونہار شاگرد پر از حد ناز تھا اور اس پر انتہائی اعتماد کیا کرتے تھے۔ جب حضرت صاحب گاؤں میں ہوتے تو جو کوئی مسئلہ پیش آتا آپ اپنے ساتھ حضرت صدر صاحب کو لے جاتے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بھی کثیر ہے۔

حضرت مولانا شاہ غریب صاحبؒ

آپ حضرت مولانا سعد الدین صاحب کے دوسرے فرزند اور حضرت صدر صاحب مرحوم کے دادا ہیں۔ ایک صوفی منش انسان اور علوم و فنون میں ماہر تھے۔ افسوس کہ آپ کے بارے میں مزید معلومات فراہم نہ کر سکا۔

حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب

آپ مولانا شاہ غریب کے فرزند اور حضرت صدر صاحب مرحوم کے والد صاحب ہیں۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد اور چچا صاحب مولانا شاہ صاحبؒ سے پڑھیں۔ کچھ عرصہ تک جہانگیرہ میں بھی رہے۔ اور وہاں پر مولانا لطف اللہ صاحبؒ کے خاندان کے مشائخ سے استفادہ کیا بعد ازاں آپ ہندوستان تشریف لے گئے اور کافی عرصہ تک حیدر آباد دکن میں مختلف علماء و مشائخ سے استفادہ کرنے کے بعد گاؤں تشریف لائے۔ درس کے ساتھ ساتھ آپ کھیتی باڑی بھی کیا کرتے تھے۔

لطیفہ: آپ کی شادی اپنی چچا زاد بہن حضرت مولانا شاہ صاحبؒ کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔ جب آپ کی شادی کا مرحلہ پیش آیا تو آپ کے چچا اور خسر حضرت شاہ صاحب نے کہا کہ پہلے میں اس کا کتابوں میں امتحان لوں گا۔ اگر اس میں کامیاب ہوا تب اس کی شادی ہوگی ورنہ نہیں۔ چنانچہ امتحان میں کامیابی کے بعد آپ کی شادی ہوئی۔ آپ کے پانچ فرزند تھے۔ فضل الرحمانؒ، مولانا عبد الرحیمؒ، مولانا عبد الحکیمؒ، مولانا عبد الحلیمؒ حضرت صدر صاحب اور حبیب الرحمٰنؒ۔

سوانحی خاکہ

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شُد
حُسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شُد
(اقبالؒ)

ولادت اور ابتدائی تعلیم

آپ ۱۹۰۶ء کو مولانا خلیل الرحمٰن کے ہاں پیدا ہوئے انتہائی کمسنی ہی میں آپ تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ پرائمری تک سکول پڑھنے کے بعد خاندانی روایت کے مطابق فارسی نظم اور صرف ونحو کے ابتدائی رسائل اپنے والد بزرگوار سے شروع کیے۔ والد بزرگوا نے جب اپنی فراستِ ایمانی سے آپ کے چہرے پر ذہانت وفطانت کے آثار دیکھے تو فرمایا کہ میرا یہ بچہ انشاء اللہ بہت بڑا عالم وفاضل بنے گا کیونکہ اس کی جبین سے علم وفضل کا نور جھلکتا ہے۔ آپ فطرتاً انتہائی کم گو اور عزلت پسند طبیعت کے مالک تھے، اسی وجہ سے ہمہ وقت اور ہمہ تن مطالعۂ کتب میں مصروف رہتے۔

موضع شہباز گڑھ ضلع مردان میں

ابتدائی رسائل اور فارسی نظم کی کتابیں پڑھنے کے بعد آپ موضع شہباز گڑھ ضلع مردان تشریف لے گئے اور وہاں پر مولانا عبدالمنانؒ سے بعض کتابوں میں

درس لیا۔

علاقہ چھچھ میں

کافیہ تک کتابیں اپنے علاقہ میں پڑھنے کے بعد علاقہ چھچھ آئے اور وہاں پر بمقام ویکہ اور جلالیہ شرح جامی اور الفیہ وسعدیہ کی تکمیل کی۔ ان دونوں مقامات پر علم نحو وصرف کا مشہور درس ہوا کرتا تھا اور مختلف مقامات سے طلبہ یہاں پر صرف ونحو کی کتابیں پڑھنے کے لیے آتے، چنانچہ آپ بھی وہاں تشریف لے گئے۔

موضع صر یخ علاقہ دوآبہ ضلع پشاور میں

بعدازاں علاقہ دوابہ ضلع پشاور کے موضع صر یخ آئے اور یہاں پر صاحب حق صاحبؒ صریخ سے منطق کے چند رسائل اور بعض بڑی کتابوں میں درس لیا۔ یہاں کا درس علم منطق میں مشہور تھا اور دور دراز سے یہاں پر شائقین علم منطق اپنی علمی تشنگی بجھاتے۔ صاحب حق صاحبؒ کے حالات کا تفصیلی تذکرہ "تذکرۂ اساتذہ" میں آرہا ہے۔

موضع شاہ منصور میں آمد

چونکہ اس زمانے میں یہاں پر باقاعدہ مدارسِ دینیہ کا رواج نہ تھا صرف مسجدوں میں علمی درس ہوا کرتے تھے، اس لیے طالبانِ علمِ دین درسوں میں شرکت کیلئے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں اور ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں مختلف کتابیں پڑھنے کے لیے جاتے، اس لیے حضرت صدر صاحب قدس سرہٗ نے کچھ عرصہ موضع شاہ منصور میں مولانا عبدالرازق صاحبؒ عرف لالہ مولوی صاحب سے استفادہ کیا۔ علاوہ ازیں مردان میں مولانا سمندر خان صاحب سے بھی بعض روایات کے مطابق مستفید ہوئے۔

موضع کڈی ضلع مردان میں

موضع کڈی جو کہ صوابی کے قریب ایک

قریہ ہے۔ یہاں پر استاذ الکل حضرت مولانا عبدالرؤف صاحبؒ سے علم نحو اور کئی دوسری کتابوں میں درس لیا۔

موضع غورغشتی ضلع اٹک تشریف آوری

مختلف مواضعات اور درسوں میں شرکت کرنے کے بعد آپ غورغشتی تشریف لائے اور یہاں پر علامہ دوران حضرت مولانا قطب الدین صاحب غورغشتویؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے، آپ کی نگاہِ شفقت ہمیشہ آپ پر مرکوز رہی، اس لیے کہ آپ نہ صرف ایک ذی استعداد اور ذہین وفطین طالب علم تھے بلکہ علامہ صاحب قدس سرہٗ حضرت صدر صاحبؒ کے نانا مولانا شاہ صاحبؒ کے شاگرد بھی تھے، یہاں پر آپ نے ان سے سلم العلوم، ملاحسن، نورالانوار، غلام یحییٰ، قاضی مبارک، امورِ عامہ اور خیالی جیسی اہم کتابوں میں درس لیا، حضرت علامہ صاحبؒ کو اپنے ہونہار شاگرد اور تلمیذِ رشید کی ذہانت وفطانت پر ازحد ناز تھا اور بعض کتابیں باوجودیکہ آپ کو وقت نہیں تھا، آپ کو پڑھائیں اور سفر وحضر میں اپنے ساتھ رکھتے ؎

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آ گئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

ایک واقعہ

ایک دن حضرت صدر صاحبؒ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ غورغشتی میں قیام کے دوران ایک دن بہت سخت بارش ہوئی، اس وجہ سے آپ بعد نمازِ ظہر رہٹ نہ جا سکے۔ جب بارش تھم گئی تو ایک شخص دوڑا دوڑا آیا اور آپ سے کہا کہ فلاں شخص نے بارانی پانی کا رُخ آپ کے کھیت کی طرف کر دیا ہے اور پانی کے تیز بہاؤ کی وجہ سے آپ کی فصل بالکل تباہ ہو گئی ہے۔ جب بعد نمازِ عصر آپ رہٹ تشریف لے گئے، دیکھا تو واقعی بارانی پانی

کی وجہ سے فصل ناکارہ ہو گئی تھی جسے دیکھ کر آپ کو ازحد دکھ ہوا لیکن زبان سے کچھ نہ کہا۔ حضرت صدر صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ نے مجھے کہا عبدالحلیم! آؤ واپس جاتے ہیں۔ چنانچہ جب ہم واپس مسجد میں آئے تو کسی کو اس شخص کے پیچھے بھیجا، وہ آدمی آیا اور مسجد میں قدم رکھنے سے پہلے اس پر شدید کھانسی کا حملہ ہوا، کھانسی کی شدت کی وجہ سے وہ شخص بیٹھ گیا اور پھر کھانسی کے ساتھ ساتھ خون تھوکنا شروع کیا، لاچار واپس گھر روانہ ہوا، ابھی گھر میں پہنچا بھی نہ تھا کہ راستے میں ہی مرگیا۔ حضرت صدر صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے آپ سے استفسار کیا کہ آپ نے اس کے خلاف کیا عمل کیا؟ آپ نے فرمایا کہ کچھ نہیں، البتہ اُس کے اِس عمل سے مجھے ازحد دکھ پہنچا۔ حضرت صدر صاحبؒ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ حدیثِ قدسی من عادیٰ لی ولیاً فقد اٰذنتہ بالحرب کا یہی مصداق ہے۔

گیدڑپور ضلع ہزارہ میں

بعدازاں آپ گیدڑپور ضلع ہزارہ تشریف لے گئے اور وہاں پر مولانا قاضی غلام نبی صاحبؒ محشی حمداللہ سے منطق اور دوسری فنون کی کتابوں میں درس لیا، ان کے ہاں جتنی مدت رہے ان کی خدمت میں پیش پیش رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ان سے استفادہ کا کافی موقعہ ملا۔ قاضی صاحبؒ کھانسی کے مرض میں مبتلا تھے۔ ایک دن آپ کو دوائی کے لیے پوست کی ضرورت پڑی، اِدھر اُدھر تلاش کیا لیکن تلاش بسیار کے باوجود بھی نہ ملی۔ حضرت صدر صاحبؒ کو معلوم ہوا تو دور دراز ایک گاؤں کو چلے گئے اور وہاں پر کسی سے پوست لے کر انکی خدمت میں پیش کیا، دریافت پر آپ نے ازحد خوشی کا اظہار فرمایا۔ آپ نے ان سے سلم العلوم حصہ تصدیقات شرح عقائد سبع المعلقات، مفتاح العروض

یبذی، صدرا اور حمداللہ وغیرہ کتابیں پڑھیں اور انکی زندگی کے آخری لمحات تک ان سے وابستہ رہے۔

مدرسہ اسلامیہ چکوال میں

گیدڑ پور سے واپسی پر آپ اپنے ماموں مولانا محمد صاحبؒ قدس سرہٗ کے ساتھ چکوال چلے گئے اور وہاں پر مختصر المعانی، مطول، مشکوٰۃ شریف، جلالین اور بست باب (ریاضی) پڑھیں۔

بیماری اور خرابیٔ صحت

ان تمام ادوار میں ضعف ونقاہت اور بیماری آپ کے بدن کا جزو لاینفک رہی لیکن اس کے باوجود یہ تمام عوارض آپ کے شوقِ علم کے سامنے زنجیرِ پا ہونے کی بجائے ریت کی دیوار ثابت ہوئے اور جس غرض اور لیلائے مقصود کی تلاش میں نکلے تھے اس کے حصول میں مگن رہے ؎

دست از طلب نہ آرم تا کام من برآید
یا تن رسد بجاناں یا جان زتن برآید

قابلِ رشک جوانی

بچپن سے لے کر جوانی اور منتہی کتابیں پڑھنے تک آپ نے ایک لمحہ بھی لہو ولعب میں ضائع نہیں کیا۔ آپ کے تمام ہمعصر ساتھی اس بات کے عینی شاہد ہیں کہ ہم نے صغر سنی اور بچپن میں بھی حضرت صدر صاحبؒ کو بے سود کاموں میں مصروف نہیں پایا اس درجہ سے آپ کے ہم عمر تو کیا بڑی عمر والے بھی آپ سے حیا کرتے اور آپ کے سامنے بیہودہ باتیں کرنے سے احتراز کرتے ـــــ مجھے ہمارے ایک رشتہ دار نے بتایا کہ حضرت صدر صاحبؒ کے بچپن کے ایک ساتھی (جو کہ بعض کتابوں میں بھی آپ کے ہم درس رہے ہیں اور آپ کے ہم زلف و ہم عمر

بھی ہیں) نے مجھ سے کہا کہ جاؤ اور حضرت صدر صاحب قدس سرہٗ سے یہ مسئلہ پوچھ کر مجھے بتانا، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ خود ان سے استفسار کیوں نہیں کرتے، اس نے کہا کہ مجھے حیا آتی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے ٹوک دیں۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ تو آپ کے ہم زلف اور بچپن کے بھی ساتھی ہیں، اس نے کہا ہاں! لیکن بچپن سے لے کر آج تک ہم نے آپ کو کسی لایعنی بحث اور بے سود کام میں نہیں دیکھا اور نہ آپ کی طبیعت میں آزادی تھی۔

دار العلوم دیوبند میں

فنون کی تکمیل کے بعد آپ نے جامعہ انسانیت دار العلوم دیوبند میں ۱۳۵۱ھ میں داخلہ لیا، وہاں پر آپ نے صحاح ستہ و دیگر کتب فقہ وتفسیر وحدیث مجاہدِ حریت، اسیرِ مالٹا حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، مولانا رسول خان ہزارویؒ، مولانا اعزاز علی صاحبؒ اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ وغیرہم حضرات سے پڑھیں، موقوف علیہ اور دورۂ حدیث پڑھ کر آپ نے ۱۳۵۳ھ میں سندِ فراغت حاصل کی۔

علاج معالجہ

فراغت کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے اور وہاں پر مشہورِ زمانہ حکیم، حکیم عبد الوہاب انصاری عرف نابینا حکیم صاحب سے علاج شروع کیا، مختلف بیماریوں کے ساتھ ساتھ آپ کو تپ دق کی شکایت بھی تھی اسلئے آپ نے مناسب سمجھا کہ مستقل طور سے اس کا علاج کرایا جائے۔ چنانچہ اسی غرض سے آپ نے حکیم نابینا صاحب سے رجوع کیا اور جتنی مدت آپ دہلی میں رہے ان سے علاج کراتے رہے۔

تدریسی سفر کا آغاز

۱۳۵۴ھ میں آپ نے تدریسی سفر کا آغاز کیا ـــ مدرسہ رحیمیہ دہلی میں ابتداء ہی سے اہم کتابوں کی

تدریس آپ کو تفویض کی گئی اور بہت جلد آپ کا شمار کامیاب مدرسین میں ہونے لگا۔

خانہ آبادی

تعلیمی سال کے اختتام پر جب آپ گاؤں تشریف لائے تو اپنی والدہ ماجدہ کے اصرار پر آپ کی شادی خانہ آبادی اپنے ہی خاندان کے مولانا مظہر جمیل کی دختر نیک اختر سے ہوئی، بعد ازاں آپ دوبارہ دہلی تشریف لے گئے، تین سال تک مدرسہ رحیمیہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد دارالحدیث رحمانیہ دہلی منتقل ہوئے۔ تبدیلیٔ آب وہوا کی خاطر کچھ عرصہ ضلع لورالائی بلوچستان میں بھی مدرس رہے۔

تقسیم ہند کے بعد

جب تقسیم ہند عمل میں آئی تو آپ دوبارہ دہلی نہ جا سکے اور اپنے ہی گاؤں میں محلہ کی مسجد بھائی خیل میں حسبۃً للہ درس شروع کیا، دور دراز سے طلبہ آپ کے درس میں شرکت کے لیے آتے۔ بیضاوی شریف اور خیالی و شرح عقائد جیسی مغلق اور مہتم بالشان کتابوں کی تدریس میں آپ کا بہت شہرہ تھا، اس کے بعد آپ کچھ عرصہ کے لیے مکہ تشریف لے گئے، وہاں سے واپسی پر جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں خدمتِ تدریس پر مامور ہوئے۔

دارالعلوم حقانیہ آمد

خرابیٔ صحت کی بناء پر آپ جامعہ اسلامیہ سے گاؤں آئے اور وہاں پر بشرطِ صحت یابی پڑھاتے رہے اور ذریعہ معاش کے طور پر مطب کھولا۔ جب حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ کو معلوم ہوا تو مؤرخہ ۵ شوال ۱۳۶۸ھ کو یہاں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک لے آئے مگر یہاں بھی خرابیٔ صحت حائل رہی اور چار ماہ بعد مؤرخہ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۶۹ھ دوبارہ اپنے گاؤں تشریف لائے، اس دوران آپ اپنے علاج میں مصروف رہے۔

دارالعلوم مظہر العلوم کھڈہ کراچی

علاج اور تبدیلیٔ آب وہوا کی خاطر

آپ کراچی تشریف لے گئے۔ محدثِ عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے ساتھ آپ کے خصوصی مراسم تھے، اس لیے انہی کے مشورہ پر آپ دارالعلوم مظہر العلوم کھڈہ میں مدرس ہوئے۔

دارالعلوم حقانیہ دوبارہ تشریف آوری

کراچی سے واپسی کے بعد کچھ عرصہ گاؤں میں رہے، اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہٗ کی خواہش پر ۲۷ شوال ۱۳۷۷ھ کو دوبارہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے اور تادم واپسیں خدمت دین متین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کوشاں رہے، اس دوران دوسرے اداروں اور مدارس سے بڑی بڑی پیشکشیں کی گئیں لیکن آپ نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیں کہ میرا مقصد حصولِ دین ہے نہ کہ حصولِ معاش، اور خدمتِ دین یہاں پر بطریق احسن ہو رہی ہے۔ دورۂ حدیث میں مسلم شریف، بخاری جلد ۲ تفسیر میں بیضاوی، اصولِ فقہ میں تلویح توضیح اور سلم الثبوت زیر درس رہیں، اس کے علاوہ شرح عقائد خیالی اور جلالین شریف بھی پڑھائیں۔

بیعت وارادت

دورانِ قیام دیوبند آپ کا تعلق بیعت حضرۃ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے ساتھ تھا، پھر اس کے بعد آپ شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحبؒ غورغشتوی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، قریب تھا کہ آپ کو خلافت سے نوازتے کیونکہ آپ نے تمام اسباق مکمل کر لیے تھے، لیکن وقتِ موعود آن پہنچا اور یوں اپنے شیخ سے خلافت کی تمنا دل میں باقی رہی۔

قطب الارشاد حضرت مولانا خواجہ عبدالمالک صاحب صدیقیؒ آف خانیوال جن کے حلقہ ارادت میں علماء و صلحاء شامل تھے اور خود شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ

بھی آپ کے خلفاء میں سے تھے، اس لیے جب کبھی آپ صوبہ سرحد کے دورہ پر تشریف لاتے تو ایک رات قیام کے لیے ضرور دارالعلوم حقانیہ ورود فرماتے، اس دوران علماء، صلحاء اور مریدین و مسترشدین کا ایک جمِ غفیر خانقاہِ اشرفی کا عجیب و غریب منظر پیش کرتا، چنانچہ اپنے دونوں شیوخ (حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ) کی وفات کے بعد آپ نے حضرت خواجہ صاحبؒ سے بیعت کا عندیہ ظاہر کیا، تو پہلے ہی مراقبہ میں حضرت خواجہ صاحبؒ نے آپ کو خلافت سے نوازا۔ سفرِ افغانستان کے دوران مجددی خاندان کے مشہور بزرگ اور پیرِ طریقت حضرت ضیاء المشائخ مولانا محمد ابراہیم جان المجددی نے بھی آپ کو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں اجازت دی تھی اور خرقہ بھی عطا فرمایا تھا۔

سیاست

سیاسیات میں آپ جمعیۃ العلماء اسلام کے ساتھ وابستہ رہے، ۱۹۷۰ء کے انتخابات اور اس کے بعد ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں بھرپور حصہ لیا اور جمعیۃ کے پیغام اور اس کے منشور کو پھیلانے اور پہنچانے کے لیے اس عظیم الشان شخصیت نے نحیف و نزار بدن کے باوجود انتھک کام کیا، آپ اکابرین جمعیۃ کے معتمد رفقاء میں سے تھے مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کے آپ کے ساتھ نہ صرف جماعتی بلکہ ذاتی طور پر خصوصی مراسم تھے۔ اپنے لائق و فائق فرزند مولانا فضل الرحمٰن کو جب دارالعلوم حقانیہ میں داخل کرایا تو حضرت صدر صاحبؒ کو فرمایا کہ اگر آپ کے پاس فارغ وقت ہو تو میرے لڑکے کو کوئی کتاب پڑھایا کریں۔ علاوہ ازیں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے دل میں آپ کا از حد احترام تھا جس کا مشاہدہ بندہ نے بچشم خود کئی بار کیا ہے۔ جنرل ضیاء الحق صاحبؒ کے دور

میں جب موجودہ نظام زکوٰۃ رائج ہوا تو آپ نے اس کے طریقہ کار کو غیر شرعی قرار دیا اور ایک ملاقات میں حضرت مفتی صاحبؒ کو توجہ دلائی، حضرت مفتی صاحبؒ پہلے سے اس طریقۂ کار کے مخالف تھے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ کو جب اسمبلی میں کوئی علمی مسئلہ پیش آتا تو اس کے بارے میں حضرت صدر صاحبؒ سے مشورہ لیتے اور ان دونوں عبقری شخصیات کے درمیان طویل مذاکرہ ہوتا۔

آپ کی یہ دلی آرزو تھی کہ اس ملک میں جو کہ خالص اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے معرضِ وجود میں آیا ہے، اسلام نافذ ہو اور مسلسل اس مقصدِ عظیم سے لاپرواہی برتنے پر اکثر حکومتِ وقت پر تنقید فرماتے۔ جب تحریک نظام مصطفیٰ کے نتیجہ میں جنرل ضیاء الحق صاحب نے مارشل لاء نافذ کیا اور اسلامی نظام کے بلند بانگ دعاوی کے ساتھ سریر آرائے سلطنت ہوئے تو آپ کو از حد خوشی ہوئی کہ اچھا ہوا اب کچھ امید پیدا ہوئی، لیکن بہت جلد آپ پر جنرل صاحب کے کھوکھلے نعروں کی قلعی کھل گئی، اور اس پر برملا بغیر کسی لومۃ لائم کے رد کرتے، فرمایا کرتے کہ جب عملی طور سے آپ اسلام نافذ نہیں کر سکتے تو خالی نعروں سے لوگوں کو اسلام سے متنفر نہ کریں ــــ حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات پر آپ از حد رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوئے جب آپ کو کسی نے یہ خبر وحشت اثر سنائی تو آپ پر دل کا دورہ پڑا۔ فرمایا کرتے کہ مفتی صاحب مزاج شناس اسلام ہے۔

سفرِ سعادت

آپ کی دیرینہ تمنا تھی کہ مہبطِ وحی دیارِ رسول اور گذرگاہِ جبریلِ امین کی زیارت نصیب ہو۔ ایک سچے عاشقِ رسول کی طرح آپ کے دل میں بھی یہ تڑپ تھی کہ ایک بار اس حیاتِ مستعار میں حج بیت اللہ سے شرف یاب ہو جاؤں، چنانچہ دس سال تک آپ مسلسل

درخواست دیتے رہے تا آنکہ آپ کی منظوری آئی اور شاداں وخراماں اس سعادتِ علمی سے بہرہ ور ہوئے۔

تلامذہ اپنے مضبوط حافظہ اور قوی استعداد کے باعث آپ دورانِ طالب علمی ہی سے فارغ اوقات میں طلبہ کو کتابیں پڑھاتے اور فراغت کے بعد تو ہمہ تن اس اہم فریضہ کی طرف متوجہ ہوئے، سوائے ان اوقات کے جن میں آپ صاحبِ فراش رہے۔ تو اس حساب سے محتاط اندازے کے مطابق آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ جن میں خصوصیت کے ساتھ مجاہدِ کبیر اور جہادِ افغانستان کے مدار المہام مولانا جلال الدین حقانی، مولانا محمد یونس خالص، مولانا شیر علی شاہ صاحب شیخ الحدیث والتفسیر و فاضل مدینہ یونیورسٹی، مولانا فضل الرحمٰن صاحب، مولانا عبدالغنی صاحب ایم این اے چمن، مولانا سمیع الحق صاحب، مولانا عبدالخالق رحمانی کراچی اور مولینا احمد گل حقانی شہید قابلِ ذکر ہیں۔

تصانیف گوکہ آپ علمی دنیا میں ایک عبقری شخصیت کے مالک تھے اور ایسے لطیف و باریک نکات دورانِ درس بیان فرماتے کہ عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی لیکن اس کے باوجود آپ نے کبھی کسی تصنیف یا تالیف کا ارادہ ظاہر نہیں فرمایا۔ چنانچہ راقم نے ارادہ کیا کہ آپ کی حیات ہی میں آپ کے معتمد و ثقہ تلامذہ سے آپ کی تقریریں اور درسی افادات منگوا کر ان پر کام شروع کیا جائے اور خود بھی حضرت صدر صاحبؒ کی توجہ اس اہم ضرورت کی طرف مبذول کرائی، لیکن حضرتؒ کی خاکساری ملاحظہ ہو کہ باوجود اس علمی تفوق و تعمق کے ارشاد فرماتے کہ حضرات اکابر کی بیسیوں تصانیف کی موجودگی میں میری تصنیف یا تالیف کی کیا وقعت ہوگی اور ان حضرات کی

تصنیفات یا تالیفات میں کون سی تشنگی باقی ہے کہ میں اس کو پُر کردوں؟ لیکن بالآخر بندہ کے شدید اصرار پر آپ نے حامی بھرلی۔ مسلم شریف کتاب الایمان کا کافی حصہ بندہ نے دورانِ درس قلمبند کیا تھا، وہ مسودہ آنمحترم کے حوالہ کیا، آپ نے اس پر نظرِ ثانی اور اس کی تبییض کرنے کا آغاز کیا۔ لیکن بقول شاعر ؎

مَا كُلُّ مَا يَتَمَنَّى الْمَرْءُ يُدْرِكُهُ

تجری الریاح بما لا تشتهی السفن

ابھی آپ نے لکھنے کا ارادہ فرمایا کہ نامعلوم وجوہ کی بناء پر دائیں ہاتھ میں درد شروع ہوا، تقریباً چار مہینے اسی درد و کرب میں گذارے۔ بہرحال وہ کام تشنۂ تکمیل رہا۔

(۱) **آمالی ترمذی:-** دورانِ تعلیم دارالعلوم دیوبند آپ نے اپنے شیخ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ سے ترمذی شریف کے افادات اور آمالی قلمبند کیے ہیں۔ بندہ نے اس کی تخریج وغیرہ کا کام شروع کیا ہے، انشاء اللہ بہت جلد زیورِ طباعت سے آراستہ ہوں گے۔

(۲) **تقریر مسلم شریف:-** آپ کے تلامذہ دورانِ درس آپ سے مسلم شریف کی تقریر قلمبند کرتے۔ بندہ نے بھی کتاب الایمان کا کافی حصہ قلمبند کیا ہے۔ اس کے علاوہ کتاب الایمان اور مقدمہ مسلم شریف بشمول کتاب البیوع بندہ کے پاس محفوظ ہے۔

(۳) **تقریر بیضاوی شریف:-** تفسیر بیضاوی شریف پر آپ کے درسی افادات اور آمالی مختلف تلامذہ کے پاس موجود ہیں۔

(۴) **حل مغلقات مسلم الثبوت:-** تلویح توضیح اور مسلم الثبوت کے مشکل مقامات کی توضیح و تشریح پر مشتمل افادات۔

(۵) **مباحث کلامیہ بخاری ج ۲:-** بخاری شریف میں جہاں پر علمِ کلام سے

متعلق بحث ہے حضرت صدر صاحبؒ نے اپنی شانِ تکلم سے بہت خوبصورت اور دلنشیں انداز میں اس کی تشریح کی ہے۔

(۶) آمالی شرح عقائد وخیالی:۔ آپ جس وقت اپنے گاؤں میں درس دیتے تھے اُس وقت کے تلامذہ نے شرح عقائد وخیالی کے افادات آپ سے قلمبند کیے۔

(۷) افاداتِ حلیمہ:۔ راقم نے یہ مختصر رسالہ جو کہ بخاری شریف کی آخری حدیث کی تشریح اور مسلم شریف کے باب الکبائر واکبرہا پر مشتمل ہے۔ اور ساتھ ساتھ حضرت صدر صاحبؒ کی مختصر سوانح بھی اس میں شامل ہے شائع کیا ہے۔

اولاد آپ کے تین لڑکے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔ بڑا لڑکا راقم الحروف جبکہ دوسرا محمد اسمٰعیل اور تیسرا عبد الحفیظ ہے۔ الحمد للہ بندہ نے آپ ہی کی حیات اور سرپرستی میں تحصیل علومِ دینیہ سے فراغت حاصل کی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ
محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

حافظ محمد ابراہیم فانی

شکستی کمرِ ما!

مرضِ وفات اور سفرِ آخرت

شوال ۱۴۰۲ھ میں جب تعلیمی سال کا آغاز ہوا۔ تو حضرت مرحوم اس سے پہلے ایک بلائے ناگہانی سے فراغت پا چکے تھے۔ گو کہ فشارِ دم (بلڈ پریشر) اور شوگر جیسے موذی مرض کے وہ پہلے ہی سے شکار تھے۔ لیکن یہ بیماری اس پر مستزاد تھی۔ یعنی آپ کے دائیں ہاتھ میں بغیر کسی سبب اور علت کے شدید تکلیف پیدا ہوئی۔ بہتیرا علاج کرایا۔ کئی ماہر ڈاکٹروں نے معائنہ کیا اور اپنے اپنے تجربے کے مطابق انہوں نے دوائیاں تجویز کیں۔ ایک ماہر نے تو یہاں تک مشورہ دیا کہ اپریشن کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ حالانکہ اپریشن کا کوئی واضح داعیہ موجود نہ تھا اس لئے کہ تمام ایکسروں سے بھی کسی نقصان کی نشاندہی نہیں ہوتی تھی۔ بالآخر یہ بلا بھی ٹل گئی۔ اور ہاتھ کی تکلیف رفع ہوئی۔ پھر تعطیلاتِ رمضان گذارنے کے بعد جب نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوا تو آغاز میں آپ کی صحت قدرے بہتر تھی۔ پھر ذی الحجہ کے آخری عشرہ میں آپ پر دل کا دورہ پڑا۔ اس سے پہلے کبھی کبھی آپ پر دل کے دورے پڑتے تھے۔ لیکن اس دفعہ حملہ بہت شدید تھا۔ چنانچہ آپ مدرسے سے چھٹی لے کر گھر تشریف لے گئے کیونکہ معالجوں نے آپ کو مکمل آرام اور پرہیز کا مشورہ دیا تھا۔ جب یہ تکلیف اور بڑھ گئی تو میرے بھائی محمد اسماعیل اور استاذِ محترم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے مشورہ

سے آپ کراچی کے جناح ہسپتال کے شعبہ امراض قلب میں داخل کرائے گئے۔ وہاں پر مشہور ماہر امراض قلب جناب ڈاکٹر عبدالصمد صاحب جو کہ انتہائی متقی مخلص علم پرور اور علم دوست انسان ہیں اور اس سے پہلے حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مفتیٔ اعظم پاکستان۔ مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ اور مولانا مفتی محمودؒ وغیرہم اکابر علماء آپ کے زیر علاج رہ چکے تھے۔ (حضرت صدر صاحب مرحوم کے ساتھ آپ کے خصوصی مراسم تھے۔ اس لئے کہ ان کے والد حضرت مولانا حکیم عبدالوارث صاحب قدس سرہ (باچا صاحب) آپ کے بے تکلف ساتھیوں میں سے تھے۔ ڈاکٹر صاحب جب بھی کبھی اپنے گاؤں (بام خیل) تشریف لاتے تو حضرت صدر صاحب کے دل کا معائنہ کرنے کے ساتھ مناسب دوائیاں تجویز کرتے)

چنانچہ جناح ہسپتال میں آپ انہی کے زیر علاج رہے۔ برادرم محمد اسماعیل کراچی میں ان کے پاس خدمت کے لئے موجود تھے۔ اس دوران آپ پر پھر بھی دل کا دورہ پڑ گیا تھا۔ تقریباً چالیس دن گذارنے کے بعد بتاریخ ۶ر نومبر ۱۹۸۲ء آپ ہسپتال سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے۔ بھائی محمد اسمٰعیل نے مجھے مدرسہ فون کیا تھا۔ لیکن میں رائے ونڈ تبلیغی اجتماع میں شرکت کیلئے گیا تھا۔ وہاں پر مجھے کسی سے معلوم ہوا کہ حضرت صدر صاحب مرحوم گھر تشریف لائے ہیں۔ اجتماع سے واپسی پر میں جب گھر پہنچا تو آپکی صحت تشویشناک حد تک کمزور تھی۔ گاؤں میں ایک دو روز گزارنے کے بعد (کیونکہ وہاں میرے برادرم عبدالحفیظ اور محمد اسمٰعیل موجود تھے) آپکی اجازت سے مدرسہ آیا۔ لیکن دل کو کسی بھی صورت چین اور یکسوئی میسر نہ ہوتی تھی۔

تقریباً ہر دوسرے روز تنہا یا دوسرے رفقاء سمیت ان کی عیادت کے لئے جاتا پھر برادرم محمد اسماعیل نے آپ سے کراچی جانے کی اجازت لی۔ اس لئے کہ آپ کی صحت بتدریج بہتر ہو رہی تھی۔ کچھ دن بعد دارالعلوم حقانیہ کے مفتی حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد فرید صاحب کی والدہ صاحبہ کا انتقال ہوا۔ تو دارالعلوم کے تمام اساتذہ وطلبہ جنازہ میں شرکت کے لئے زروبی آئے۔ جنازہ سے فراغت کے بعد تمام اساتذہ بہیئت اجتماعی حضرت صدر صاحب کی عیادت کے لئے ہمارے گھر تشریف لائے۔ آپ نے ان کو دیکھ کر

از حد خوشی کا اظہار کیا۔ اور چہرے پر بشاشت کے آثار نمایاں ہوئے۔ وفات سے تین دن پہلے یہاں گاؤں میں ایک شادی کی تقریب میں چند اساتذۂ دارالعلوم نے شرکت کی۔ انہوں نے حضرت صدر صاحب سے ملاقات اور تیمارداری کی خواہش ظاہر کی۔ اس وقت آپ انتہائی کمزور تھے اور تمام حضرات کے چہروں پر پژمردگی اور افسردگی چھا گئی۔ حالت اس قدر تشویشناک تھی کہ دل کو کسی نئی آفت کے لئے آمادہ کیا۔ کیونکہ ؂

دل کا جانا ٹھہر گیا ہے
صبح گیا یا شام گیا

بروز جمعرات ۶ر جنوری ۱۹۸۲ء کو بندہ سویرے گاؤں جانے کے لئے تیار ہوا سویرے اس لئے کہ مردان میں حسب فرمان حضرت صدر صاحب ایک ضروری کام تھا۔ اس کی تعمیل اور تکمیل بھی ضروری تھی جب کہ میں اس سے فراغت اور جلد گاؤں پہنچنے کے لئے بیتاب تھا۔ تقریباً ایک بجے بندہ گاڑی میں سوار ہوا۔ لیکن تمام راستے میں دل میں ایک عجیب خلش تھی۔ ایک روحانی کشمکش میں مبتلا تھا۔ جی میں آتا تھا کہ کاش میرے پر ہوتے اور میں ہوا کے دوش پر سوار ہو کر گھر پہنچتا۔ بالآخر عصر کے چار بجے گھر پہنچا۔ سامنے چارپائی پر حضرت صاحب تشریف فرما تھے۔ اس وقت ان کو انتہائی تکلیف تھی۔ والدہ صاحبہ آپ کو دوائی پلا رہی تھیں۔ اور ہاتھ میں کچھ گولیاں بھی تھیں۔ میرے ساتھ آپ نے صرف بمشکل تمام ہاتھ ملایا۔ اور فرمایا۔ مجھے گیس کی تکلیف ہے۔ جاؤ ذرا املی لے آؤ۔ میں سراسیمگی کے عالم میں بازار کو دوڑا۔ اور املی لے آیا۔ ابھی میں دروازے کے قریب ہی تھا کہ والدہ صاحبہ نے بدحواسی کے عالم میں مجھے پکارا۔ جلدی آؤ۔ میں گیا۔ میری اہلیہ نے آپ کے سر کو گود میں لے رکھا تھا۔ والدہ صاحبہ نے کہا کہ حضرت فرما رہے ہیں کہ کلمہ شہادت کا ورد کریں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر دعا وہ کونسی ہے۔ اس کا ورد کریں اور مجھے بھی بتائیں۔ والدہ صاحبہ نے کہا مجھے تو اس وقت کچھ بھی یاد نہیں۔ آپ نے خود فرمایا کہ

وہ دعا حزب الاعظم میں موجود ہے۔ میری اہلیہ نے کہا۔

اللھم اغفرلی وارحمنی والحقنی بالرفیق الاعلی

آپ نے بھی یہی کہنا شروع کیا اور بھی کچھ کلمات کا ورد کرتے رہتے۔ لیکن ہم اس کو نہیں سمجھتے تھے۔ دیر تک آپ کے ہونٹ ہلتے رہے۔ اس کے بعد میری اہلیہ نے آپ کے سر کو سرہانے رکھ دیا۔ میرے تو ہاتھ پاؤں سن ہو گئے تھے۔ سراسیمگی کے عالم میں میں گھر میں ادھر ادھر دوڑتا رہا۔ اس وقت گھر میں سوائے بندہ، والدہ صاحبہ۔ ہمشیرہ اور میری اہلیہ کے گھر میں کوئی بھی موجود نہ تھا۔ میں دوڑتا ہوا دروازے تک آیا۔ ایک قریبی رشتہ دار آرہا تھا۔ میں نے اس کو ڈاکٹر کے پاس بھیجا۔ کہ ڈاکٹر کو جلدی بلا لاؤ۔ ڈاکٹر آیا۔ اس نے چیک کیا۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ طبیعت کیسی ہے؟ وہ گم سم کھڑا تھا اور اس کے چہرے کے تاثرات اور اداسی اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ او موت تجھے موت ہی آئی ہوتی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس کے بعد کسی کو ہوش نہ رہا جب ہوش آیا تو گھر کی بساط الٹ چکی تھی۔ آپ کا رشتہ انفاسِ زندگی سے ٹوٹ چکا تھا۔ اور وہ عظیم ہستی جو ہمارے سروں پر سایہ فگن تھی جس نے ہمیں انتہائی ناز و نعم سے پالا تھا۔ ہماری پرورش کی تھی ہمیں کسی چیز کو محتاج تک نہ ہونے دیا تھا۔ وہ سایہ ہمارے سروں سے اٹھ چکا تھا اور اس کی جدائی سے نہ صرف ہم یتیم ہوئے بلکہ ہزاروں روحانی فرزندوں کو داغِ مفارقت دے گئے۔ آہ! وہ عالم آنکھوں کے سامنے تمام دنیا تاریک نظر آ رہی تھی ؎

حالِ من در ہجرِ حضرت کم تر از یعقوب نیست
او پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام

بعد میں والدہ صاحبہ نے بتایا کہ اس دن آپ نے نمازِ ظہر ادا کی۔ طبیعت میں کافی انبساط تھا۔ انہوں نے نماز کے بعد ہمیں فرمایا کہ ختم خواجگان کا ورد کریں۔ چنانچہ ہم نے تعمیل کرتے ہوئے انہیں کہا کہ ختم پورا ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ لوگوں نے تو بہت جلد ختم خواجگان

کے اوراد مکمل کیئے۔ پھر فرمایا کہ اسی طرح سورۃ تغابن بھی حل مشکلات کے لئے زود اثر ہے پھر آپ نے چائے کا تقاضا کیا۔ چنانچہ والدہ صاحبہ نے آپ کو چائے کا پیالہ پیش کیا۔ چائے نوش فرمانے کے بعد انہوں نے فرمایا۔ کہ آج چائے میری طبیعت کے موافق ہے۔ پس والدہ صاحبہ نے آپ کو دوسرا پیالہ پیش کیا۔ ابھی آپ نے ایک گھونٹ ہی پیا تھا کہ سانس میں گھٹن کی تکلیف شروع ہو گئی۔ اور ٹھیک اس وقت جب اس ردائے نیلگوں کے مغربی افق پر آفتاب عالمتاب اپنی ضیا باریاں سمیٹ رہا تھا۔ بالکل اسی وقت آسمان علم و معرفت کا یہ خورشید جہاں آرا جس نے نصف صدی تک علوم و معارف کی ضوافشانیوں سے ایک عالم کو روشن رکھا تھا غروب ہوا۔

آپ کی وفات کی خبر گاؤں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلی اور ہر چہرے اور ہر شخص پر غم و اندوہ کا ایک گھمبیر اندھیرا چھا گیا۔ بعد ازاں قرب و جوار میں آپ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع دی گئی۔ اور صبح ۸ بجے ریڈیو پاکستان نے آپ کے سانحۂ ارتحال کی خبر کو نشر کیا۔ قومی پریس اور اخبارات میں پھر اس حادثۂ جانکاہ کا ذکر تھا۔ اور اسی کے ساتھ تعزیت کرنے والوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہر ایک دل مضطرب، اور ہر ایک آنکھ پرنم تھی۔ جو بھی آتا بجائے اس کے کہ وہ میرے ساتھ تعزیت کرتا مجھے تسلی دیتا۔ اس کی حالت خود قابلِ تعزیت ہوتی۔ ایک قیامت کبریٰ بپا تھی۔ حشر کا سا سماں تھا۔ سراسیمگی اور وارفتگی کا عالم تھا۔

نمازِ جنازہ کا وقت بعد از نمازِ جمعہ طے پایا گیا۔ دس بجے آپ کو غسل دیا گیا اور وہی کفن جو آپ نے اپنے ہاتھوں سے اپنے لئے تیار کیا تھا اس میں مکفن کر دئے گئے۔ یہ کپڑا آپ نے دورانِ حج مکہ مکرمہ سے خریدا تھا اور آبِ زمزم سے دھو کر اس سے اپنے لئے خود کفن کے ٹکڑے تیار کئے تھے۔ غسل و کفن کے بعد جب آپ کی میت لائی گئی تو چہرے پر سکون و اطمینان اور تبسم جو کہ نشانِ مردِ مومن ہے نمایاں تھا۔ ایسا چہرہ جس پر میت کے چہرے کا گمان نہ ہوتا تھا۔

اب نہ کلفت ہے نہ شکوے ہیں نہ گویائی ہے
آج بیمارِ محبت نے شفا پائی ہے

جنازہ کے لئے طے شدہ وقت کے مطابق لوگ اطراف واکناف سے آتے تھے۔ نماز جمعہ کے بعد جب آپ کی میت اٹھائی گئی تو انسانوں کا ایک سمندر اور طوفانِ بلاخیز تھا۔ جس میں علماء بھی تھے، صلحاء بھی، مشائخ بھی تھے اور طلبہ بھی۔ بوڑھے بھی تھے اور جوان بھی۔ عوام بھی تھے اور خواص بھی۔ الغرض ہر شخص اس کوشش میں تھا کہ جنازہ کی چارپائی کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کرے۔ لیکن یہ سعادت بھی چند خوش نصیبوں تک محدود رہی۔ بشکل تمام جنازہ کے لئے صفیں درست کی گئیں۔ ایک وسیع میدان انسانوں کے اس سیلِ بے کراں کے سامنے بے بس اور اپنی تنگ دامنی پر شکوہ کناں تھا۔ یہ تاریخی جنازہ آپ کی مقبولیت عند اللہ کے ساتھ ساتھ ھکذا جنائز اھل السنۃ والجماعۃ کی گواہی دے رہا تھا۔ ایسا جنازہ جس نے موت کو بھی حسین بنا دیا۔

نمازِ جنازہ کی امامت حضرت مرحوم کے دیرینہ رفیق شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدظلہ نے فرمائی۔ جنازہ کے بعد ہر شخص آپ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بیتاب تھا چنانچہ اس کا بھی انتظام کیا گیا لیکن ایسے موقعوں پر اکثر انتظامات تتر بتر ہو جاتے ہیں۔ کچھ اس طرح کا معاملہ یہاں بھی پیش آیا۔ اور ہزاروں حاضرین آپ کے دیدار سے محروم رہے۔

بعد ازاں حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے اپنی ضعف ونقاہت کے باوجود اپنے دستِ راست اور رفیق دیرینہ کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ان کی مغفرت کی دعا کی ؎

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ   من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کانی ومالکا   لطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

(مدتوں ہم لوگ جذیمہ کے ندیموں کی طرح رہے یہاں تک کہ یہ کہا گیا کہ یہ لوگ ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گے۔ اور جب ہم بچھڑ گئے تو طولِ مصاحبت کے باوجود ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اور مالک نے ایک رات بھی بسر نہیں کی)

بالآخر آپ کی میت آہوں سسکیوں اور اشکوں کے نذرانوں کے ساتھ آغوشِ لحد کے سپرد کر دی گئی۔ منھا خلقناکم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃ اخری ؎

مٹی میں کیا سمجھ کے چھپاتے ہو دوستو
گنجینۂ علوم ہے یہ گنجِ زر نہیں

اے برق وش چہ داری نسبت بگوہر تیرہ
اے شعلہ رو بخاکِ تربت چرا نشستی

اور دیکھتے ہی دیکھتے اولم یروا انا نأتی الارض ننقصھا من اطرافھا واللہ یحکم لا معقب لحکمہ کی عملی تفسیر سامنے آ گئی۔ ہائے وہ منظر وہ کیفیت نوکِ قلم اس کیفیت کے بیان اور اس منظر کی منظرکشی سے قاصر ہے ؎

جس کی آوازوں سے لذت گیر اب تک گوش ہے
وہ جرس کیا اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے

اے مولائے رحیم وکریم اپنی شانِ کریمانہ کے مطابق دین متین کے اس بے لوث خادم کو ان کے احسانات کے بدلے جو اس نے امت محمدیہ پر کئے ہیں بہترین جزا عطا فرما۔ آمین ؎

فاذھب کما ذھبت غوادی مذنۃ
اثنی علیھا السھل والاوعار

(جس طرح صبح کی بارش کے بادل برس کر چلے جاتے ہیں کہ پہاڑی اور میدانی زمینیں ان بادلوں کی ثنا خواں ہوتی ہیں آپ اسی طرح چلے گئے)

تجہیز وتکفین کے بعد غم واندوہ کے دریائے بیکراں میں ڈوبے ہوئے مجمع سے استاذِ محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ اور مولانا قاری عبد اللہ صاحب نے حضرت مرحوم کی شخصیت انکے کمالات اور علمی ودینی خدمات پر روشنی ڈالی۔ حضرت قاری صاحب کے خطاب کے دوران تو صبر وضبط کے بندھن ٹوٹ چکے تھے اور ہر شخص گریہ وزاری سے نڈھال ہو رہا تھا ؎

تو عزمِ سفر کردی و رفتی ز برِ ما   بستی کمر خویش شکستی کمرِ ما

کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام

باب سوم

تذکرۂ اساتذہ و مشائخ

أُولٰئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ
إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيرُ الْمَجَامِعُ

علامہ مولانا قطب الدین صاحب غورغشتوی رحمہ اللہ

حافظ محمد ابراہیم فانی

وادیِ چھچھ ضلع اٹک کا وہ مردم خیز خطہ ہے جس کی آغوش میں کتنے اعاظم رجال اصحابِ رشد و ہدایت اربابِ زہد و تقویٰ صدر نشینانِ مسندِ معرفت و طریقت تاجورانِ اقلیم علم و آگہی جادہ پیمایان تصوف و سلوک اور بادہ نوشانِ عرفان و ایقان پھلے پھولے۔ اور اپنی زندگی کا وافر حصہ اس بقعۂ نور کے گوشۂ خمول میں گزار کر علم و عرفان کے ایسے دریا بہائے کہ آج تک تشنگانِ علوم و فنون ان سے اپنی تشنہ کامی کا مداوا کرتے ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری۔ مولانا سید عبدالشکور جلالوی۔ مولانا قطب الدین مولانا نصیر الدین غورغشتوی۔ مولانا قاضی پوری اور مولانا دامانی جیسے عظیم شخصیات اس سرزمین کے قابلِ افتخار ابناء اور باعثِ ناز فرزند ہیں۔ اس خطہ کے بارے میں استاذ محترم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے خوب فرمایا ہے۔

ذوامت ارض موسومه موشحة بازهار العلم والورع ولازالت متلالئة بجواهر ثمينة كامثال الشيخ قطب الدين الغورغشتی والشيخ الاجل عبد الرحمن البهبودی ومولانا سعد الدين الجلالوی وغير ذالك من اعلام العلم والفضل۔

موضع غورغشتی کو علمی حلقہ میں وہ مقام حاصل ہے جیساکہ قرونِ اولیٰ و وسطیٰ میں بصرہ وکوفہ اور سمرقند و بخارا کو حاصل تھا۔ یا ہمارے زمانے میں دیوبند و سہارنپور کو۔ یہ اس لئے کہ یہ بستی ایسے باشہامت ہستیوں کا مولد و مدفن ہے جو بیک اقطاب الارشاد اور مراکز دائرہ علم وفضل تھے اور جن کا بارِ احسان تا قیامت علمی دنیا فراموش نہ کر سکے گی۔ ان نفوسِ قدسیہ میں ایک حضرت العلامہ مولانا قطب الدین صاحب غورغشتوی ہیں جن کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے

اخلاّی ان شطّ الحبیب و داره — وعزّ تلاقیه وناءت منازله
وفاتکم ان تبصره بعینکم — فما فاتکم منه شئ فهذی شمائله

نام نسب

آپ ۱۲۶۰ھ میں حضرت العلامہ شہاب الدین کے گھر پیدا ہوئے خاندانی لحاظ سے آپ کا تعلق پٹھانوں کے قبیلہ کاکڑ سے ہے۔ اس قبیلہ کے افراد قندہار اور بلوچستان میں بکثرت آباد ہیں۔ آپ کے جدامجد محمد اشرف خان قندہار سے سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہنود کے خلاف جہاد کے لئے نکلے اور بلوچستان کے علاقہ پشین سے ہوتے ہوئے یہاں غورغشتی میں مستقل سکونت اختیار کی کسے معلوم تھا کہ اس چھوٹے سے قریہ میں جو دریائے سندھ کے کنارے آباد ہے۔ آپ کے ورودِ مسعود سے علم و عرفان کا ایک بحرِ ناپیداکنار موجزن و تلاطم خیز ہوگا۔ مشیت ایزدی کی نظرِ انتخاب نے اس دور افتادہ بستی کو اس شرفِ اکبر اور نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز کیا جس کی وجہ سے قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں سے فضا میں ارتعاش پیدا ہوا۔ اور ہر جانب حلقہ ہائے

درس اور محافل و مجالس ذکر سجنے لگے۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر اصحاب عزیمت قرونِ وسطیٰ کی یاد تازہ کرتے ہوئے قطار اندر قطار آن وارد ہوئے ؎

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کونسی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

ابتدائی تعلیم اور زروبی تشریف آوری

ابتدائی کتابیں آپ نے غورغشتی میں اپنے بزرگوں سے پڑھیں اور دیگر علوم و فنون۔ منطق ریاضی۔ حکمت و فلسفہ۔ اصول و عقائد اور فقہ کی تکمیل کے لئے زروبی (ضلع مردان) تشریف لائے۔ یہاں آپ نے حضرت العلّامہ شاہ سعید صاحب جو کہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں مسلّم اور استاذِ کل کی حیثیت رکھتے تھے اور جن کی علمیت کا شہرہ برصغیر پاک و ہند سے باہر ایران و خراسان اور مشرق بعید تک پھیلا ہوا تھا سے کتب معقولات و منقولات پڑھیں۔ عرصہ چار سال تک آپ یہیں فروکش رہے۔

اسناد حدیث کیلئے ہندوستان کا سفر

مبادیات علوم سے جب فارغ ہوئے تو اسناد حدیث کے لئے ہندوستان کی طرف رختِ سفر باندھا اور برصغیر کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت قطب الارشاد رشید احمد گنگوہیؒ دورۂ حدیث پڑھا رہے تھے۔ آپ نے ان ہی سے دورۂ حدیث پڑھا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور مولانا سیف الرحمٰن صاحب آپ کے ساتھ دورہ میں شریک و ہم درس رہ چکے ہیں۔

تدریس

فراغت کے بعد ریاست مینڈھو (علی گڑھ) میں بحیثیت صدر مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ کتب معقول شرح مطالعہ شرح اشارات خیالی

ملاحسن وقطبی قاضی اور حمد اللہ وغیرہ آپ کے زیر تدریس رہے۔ مولانا سیف الرحمٰن مہاجر کابل کے ساتھ آپ کے گہرے مراسم و روابط استوار تھے۔ کیونکہ دونوں نے طالب علمی کا اکثر حصہ ایک ساتھ گذارا تھا۔ زروبی میں اور اس کے بعد دیوبند میں دونوں ہمدرس رہ چکے تھے۔ جب مولانا سیف الرحمٰن صاحب مدرسہ فتح پوری میں مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے تو انہوں نے آپ کو مدرسہ فتح پوری دہلی میں تدریس کی دعوت دی۔ آپ نے ان کی دعوت قبول کی اور مدرسہ فتحپوری تشریف لے گئے۔ مولانا کے آتے ہی مدرسہ کو اطراف واکناف سے طلبہ کا آنا شروع ہوا۔ اور علمی لحاظ سے سارے ہندوستان میں امتیازی مقام حاصل کیا۔ اسی مدرسہ میں مولانا سیف الرحمٰن صاحب احادیث پڑھاتے تھے۔ اور حضرت العلامہ عقائد و کلام اور منطق کی کتابیں تدریس فرماتے رہے۔ اثنائے تعلیم مولانا سیف الرحمٰن صاحب بیمار پڑ گئے۔ جب بیماری ممتد ہوئی تو ان کے حکم و اشارہ سے ان کے اسباق مولانا قطب الدین کے سپرد کر دئے گئے۔ ابھی تک تو طالب علم آپ کے عقائد و معقولات میں یکتائے روزگار سمجھتے تھے۔ اب وہ بحیثیت عظیم اور باکمال محدث کے متعارف ہوئے۔ اور بغیر کسی سابقہ تیاری کے تحقیق مذاہب تفصیل و تحقیق احادیث تفسیر و تطبیق روایات مباحث متن و سند اور وجوہ ترجیح مذہب حنفی پر ایسے فاضلانہ درس دے کہ طالب علم انگشت بدنداں رہ گئے۔ وطن واپس آکر دوبارہ آپ کو مدرسہ فتحپوری بلایا گیا۔ لیکن بعض مجبوریوں کی بنا پر نہ جا سکے۔

بعد ازاں مدرسہ اسلامیہ چکوال ضلع جہلم تشریف لے گئے۔ اور وہاں پر کچھ مدت پڑھاتے رہے۔ چکوال کے بعد پیر صاحب مکھڈ شریف کی دعوت پر مکھڈ شریف تشریف لے گئے۔ وہاں کافی زمانہ پڑھائی کے بعد مستقل طور پہ گاؤں تشریف لائے اور تادم مرگ حسبۃً للہ پڑھاتے رہے۔

بیعت و تصوف | روحانی فیض آپ نے میاں شیر محمد صاحب شرقپوری سے

حاصل کیا اور منازل سلوک و مقامات تصوف حاصل کئے۔

کردار و شخصیّت | حضرت العلامہ خوش اطوار و خوش خوراک پر وقار و بارعب وجیہہ شخصیت اور شاہانہ جاہ و تمکین کے مالک تھے۔ آپ کی موجودگی میں کسی کو بات کرنے کی جرأت نہ تھی۔ درس سے فراغت کے بعد جب گھر تشریف لے جاتے تو راستے میں ہر شخص دست بستہ رک جاتا۔ آپ جیسا جلال و علمی تفوق بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ حمیّت و خودداری آپ کے ہر بن مو اور رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔ بڑے سے بڑا رتبہ رکھنے والی شخصیت کو درخور اعتنا نہ سمجھتے تھے۔

ایک دفعہ علاقے کا ڈپٹی آپ کے پاس ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ اور ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ اُس وقت ڈپٹی کا مرتبہ گورنر سے کم نہ تھا۔ مولانا درس میں مشغول تھے آپ کو اطلاع دی گئی کہ ڈپٹی صاحب ملاقات کے لئے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اب تو میں فارغ نہیں ہوں۔ جب پڑھائی سے فارغ ہوئے تب ان کو ملاقات کی اجازت ملی۔

بہت سے معرکوں مقدمات اور خاندانی چپقلشوں کا آپ نے خاتمہ کر دیا۔ ایک شخص پر شاتم رسولؐ ہونے کا الزام تھا۔ حکومت نے اس کو صوابی کی حوالات میں بند کر دیا اور علماء سے فتویٰ طلب کیا۔ کہ اس شخص کے بارے میں کوئی فتویٰ صادر فرمائیں کیونکہ وہ تائب ہو گیا ہے۔

علماء آپس میں شاتم رسولؐ کے توبہ کے بارے میں مختلف ہوئے۔ مگر اکثریت کی رائے یہ تھی کہ شاتم رسول کی توبہ قبول نہیں۔ اور ایسا بد باطل شخص واجب القتل ہے۔ بہرحال مقدمہ نے سنگین صورت حال اختیار کی۔ فریقین کے درمیان مناظرہ طے ہوا۔ اس مقدمے کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ عوام نے بھی اس مقدمہ میں دلچسپی لی۔ بالآخر علماء کے درمیان فیصلہ کے لئے مولانا قطب الدین صاحب غورغشتی سے بلائے گئے۔ اس دن تحصیل میں بے پناہ

ہجوم تھا۔ ہر شخص کے دل میں جذبات کا طوفان امڈ رہا تھا۔ کہ شاتمِ رسول ؐ کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے۔ آخر کار حضرت العلامہ کی عبقری شخصیت نے اس عظیم مقدمے کا فیصلہ کر دیا۔ جب تک زندہ رہے کسی فتنہ کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔

تلامذہ آپ کا حلقۂ تلامذہ نہایت وسیع ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق دس ہزار شاگردوں نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

وصال اللہ تعالیٰ نے آپ کو خدمتِ دین اور تدریس علوم کے واسطے عمر دراز عطا فرمائی تھی۔ لیکن بالآخر ۶ صفر ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۷ نومبر ۱۹۵۰ء کو ایک سو دس سال کے عرصہ میں رشد و ہدایت کا یہ قندیل اور فانوس علم و عرفان خاموش ہو گیا +

شیخ الاسلام مجاہد فی سبیل اللہ
حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ

حضرت مدنی کا وطن موضع اللہ داد پور ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے۔ ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء کو ضلع اناؤ کے ایک قصبہ بانگر مئو میں جہاں آپ کے والد ماجد سید حبیب اللہ صاحب ہیڈ ماسٹر تھے، پیدا ہوئے۔ ۱۹ پشت پیشتر آپ کا خاندان ہندوستان آیا تھا۔ اپنے علم و تقویٰ کے لحاظ سے سادات کا یہ خاندان ہمیشہ ایک خاص عظمت اور شاہی زمانے میں ایک بڑے جاگیر کا مالک رہا ہے۔

ابتدائی تعلیم پرائمری سکول میں حاصل کرنے کے بعد بعمر ۱۲ سال ۱۳۰۹ھ آپ دیوبند تشریف لائے۔ ابتدائی درجہ میں داخلہ لیا۔ یہاں پر حضرت شیخ الہند نے خاص شفقت و عنایت سے آپ کی تعلیم و تربیت فرمائی۔ ۱۳۱۵ھ میں دارالعلوم کے نصاب کی تکمیل کی سات سال یہاں کے علمی ماحول میں گذارنے کے بعد جب وطن مالوف تشریف لے گئے۔ تو

والد صاحب شوقِ ہجرت میں مدینۃ الرسول کے لئے رختِ سفر باندھ چکے تھے۔ آپ بھی والدین کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ روانگی سے قبل آپ حضرت گنگوہی سے بیعت ہو چکے تھے۔ مکہ مکرمہ میں پیر و مرشد کی ہدایت کے بموجب کچھ عرصہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ سے کسبِ فیض کیا۔ بعد ازاں مدینہ منورہ میں والد ماجد کے ساتھ مقیم ہو گئے۔ ہر چند آپ نے ہندوستان سے ہجرت کا مقصد نہیں فرمایا تھا تاہم والد صاحب کی حیات تک آغوشِ پدری کو چھوڑ کر ہندوستان واپس آنا پسند نہیں فرمایا۔

قیامِ مدینہ کے زمانے میں تقریباً دس سال تک درسِ حدیث کی خدمت تنگی اور عسرت کے باوجود توکل علی اللہ انجام دی۔ عموماً روزانہ ۱۲، ۱۲ گھنٹے تک مسلسل درس و تدریس کا مشغلہ جاری رہتا تھا۔ مختلف جماعتیں یکے بعد دیگرے حاضر ہو کر آپ کے فیضانِ علمی سے سیراب ہوتی تھیں۔ مسجدِ نبوی میں آپ کا درسِ حدیث وہاں کے تمام شیوخِ حدیث سے زیادہ پسندیدہ اور مقبول تھا اور اس کی شہرت نے مختلف اسلامی ممالک کے طالبانِ علم کی ایک تعداد کو آپ کے گرد جمع کر دیا تھا۔

حجازِ مقدس کی سرزمین اور خاص مسجدِ نبوی میں ایک ہندوستانی عالم کی جانب اس قدر کشش اور قبولِ عام کا باعث آپ کے طریقِ درس کی اس خصوصیت کو سمجھنا چاہئے جو آپ کو دارالعلوم کے اساتذہ سے ورثہ میں ملی تھی۔

آپ بھی حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ان رفقا میں شامل تھے جن کو حجاز میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ سوا تین سال تک آپ کو بھی مالٹا میں جنگی قیدی کی حیثیت سے رہنا پڑا۔ ۱۳۳۸ھ میں جب مالٹا سے رہائی ہوئی تو آپ حضرت شیخ الہند کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے۔ مالٹا سے واپسی کا زمانہ تحریکِ خلافت کے آغاز کا زمانہ تھا۔ آپ یہاں پہنچ کر حضرت شیخ الہند کی قیادت میں ملک کی سیاست میں شریک ہو گئے۔ اس زمانے میں آپ کی مجاہدانہ اور سرفروشانہ قربانیوں نے مسلمانوں کے دلوں کو آپ کی

عظمت و محبت سے لبریز کر دیا تھا۔ شیخ الہند کی وفات پر متفقہ طور پر آپ کو ان کا جانشین تسلیم کر لیا گیا۔ سیاسی کاموں میں شرکت و انہماک کے باعث آپ کو متعدد مرتبہ کئی کئی سال تک جیل میں بھی رہنا پڑا۔ اور ملک کی آزادی کے لئے قید و بند کی ہوش ربا صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ عرصہ دراز تک جمعیۃ العلماء ہند کے صدر رہے۔

۱۳۴۶ھ میں جب حضرت شاہ صاحب (محدثِ عصر مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری) دارالعلوم سے مستعفی ہوئے تو آپ کے سوا جماعت دارالعلوم میں کوئی ایسی شخصیت موجود نہ تھی جو دارالعلوم کی اس مہتم بالشان جگہ کو اس کے شایانِ شان پُر کر سکے۔ اس لئے اکابر کی نظرِ انتخاب آپ ہی پر پڑی۔ آپ کے زمانۂ صدارت میں طلبا کی تعداد میں دوگنے سے بھی زیادہ اضافہ ہوا۔ اور خاص کر دورۂ حدیث میں تو یہ اضافہ تین گنے سے بھی متجاوز ہو گیا تھا۔

آپ کا درسِ حدیث مضامین کے تنوع اور جامعیت کے لحاظ سے دنیائے اسلام میں اپنی نوعیت کا واحد درس سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ اس کی عظمت و شہرت اور کشش سال بہ سال طلباء کی تعداد میں اضافے کا موجب ہوتی رہی۔

علمِ حدیث میں آپ کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع ہے۔ ان کے زمانۂ صدارت میں جن طلباء نے دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے سندِ فراغت حاصل کی۔ ان کی تعداد ۳۸۴۴ ہے۔ ان کے تلامذہ کا دائرہ برّاعظم ایشیا سے گزر کر یورپ تک پھیلا ہوا ہے جس طرح دارالعلوم کو علومِ نبویہ کی تعلیم کا طغرائے امتیاز حاصل ہے اسی طرح ان کا علمی فیضان بھی بے نظیر ہے۔ ۱۲ رجمادی الاولیٰ کو ۳ بجے کے قریب حضرت مدنی واصل بحق ہوئے جنازہ دارالحدیث میں لا کر رکھا گیا اور ۱۲، ۱۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ۔ بمطابق ۵، ۶ دسمبر کی درمیانی شب میں اس خزینۂ علم و معرفت کو قبرستانِ قاسمی میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ رحمہ اللہ

(تاریخ دارالعلوم دیوبند)

شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہی قدس سرہٗ

محمد اعزاز علی نام اور لقب اعزاز العلماء ہے۔ نسب نامہ یہ ہے۔ اعزاز علی بن محمد مزاج علی ابن حسن علی بن خیر اللہ۔ آبائی وطن مراد آباد کے مضافات میں ایک مشہور قصبہ امروہہ ہے اور آپ کا تعلق قبیلہ کمبوہ سے ہے۔ جو کہ ہندوستان میں ایک مشہور قبیلہ ہے۔ آپ کی پیدائش مشہور شہر بدایوں میں ۱۳۰۰ھ کو بوقت غروب شمس ہوئی۔ اور نانا جان نے اعزاز علی نام تجویز کیا حافظ شرف الدین کی نگرانی میں کلام اللہ کو حفظ کرنے کے بعد آپ نے اپنے والد ماجد سے اردو اور فارسی کی معمولی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ "گلشن فیض" اور شاہجہان پور کی مشہور درسگاہ عین العلم میں شرح جامی اور شرح وقایہ تک کتابیں پڑھیں۔ مفتیٔ ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا بشیر احمد صاحب کے اصرار پر آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ دارالعلوم میں آتے ہوئے ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا۔ کہ آپ اپنی ہمشیرہ جو اس وقت میرٹھ میں تھیں سے ملاقات کے لئے میرٹھ تشریف لے گئے۔ وہاں پر حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی کی ترغیب پر میرٹھ ہی میں تحصیل علم شروع کی۔ اس کے بعد دورہ حدیث شریف کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف

لائے۔ مؤلف تاریخ دارالعلوم دیوبند رقمطراز ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے نہایت ممتاز فضلاء میں سے تھے۔ ۱۳۲۱ھ میں دارالعلوم سے فراغت کے بعد حضرت شیخ الہند نے آپ کو مدرسہ نعمانیہ پورینی کے لئے منتخب فرمایا چنانچہ آپ تقریباً سات سال تک اس مدرسہ میں درس دیتے رہے۔ پھر آپ شاہجہان پور تشریف لائے اور ایک مسجد میں افضل المدارس کے نام سے مدرسہ قائم کیا جس میں حسبتہً للہ پڑھاتے رہے۔ یہاں تقریباً تین سال تک آپ نے نہایت کامیابی کے ساتھ درس دیا۔ ۱۳۳۰ھ میں آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس ہوا اور پہلے سال میں آپ کو عربی کی ابتدائی کتابیں علم الصیغہ اور نورالایضاح وغیرہ پڑھانے کے لئے دی گئیں۔

۱۳۴۰ھ میں جب حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کا ریاست حیدرآباد کے مفتیٔ اعظم کے عہدے پر انتخاب عمل میں آیا۔ تو اپنی ضعیف العمری کی وجہ سے حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب کو اپنی معیت میں لے گئے۔ وہاں ایک سال قیام رہا۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کے ساتھ ہی آپ دیوبند واپس تشریف لائے۔ آپ کو مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے بعد صدر مفتی دارالعلوم کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ اس کے بعد سے آخر عمر تک دارالعلوم دیوبند میں آپ کا قیام رہا۔ فقہ و ادب آپ کا خاص فن تھا۔ آپ جب ابتداءً دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تو عربی کی ابتدائی کتابیں علم الصیغہ اور نورالایضاح وغیرہ آپ کو دی گئیں۔ مگر آپ کے درس نے بالآخر وہ مقبولیت حاصل کی کہ شیخ الادب والفقہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ بلکہ آخری دور میں کسی سال ترمذی جلد ثانی اور تفسیر کی بلند پایہ کتابیں بھی پڑھائیں حضرت مولانا مدنی کے عدم موجودگی میں متعدد مرتبہ آپ کو بخاری شریف کے پڑھانے کا موقع ملا۔ غرض کہ علم فقہ، علم حدیث، علم ادب، علم تفسیر وغیرہ ہر فن کی کتابوں پر ان کو عبور حاصل

تھا تعلیم کے ساتھ طلباء کی تربیت اور نگرانی کا ان میں خاص ذوق تھا جس سے طلباء کو بے انتہا فائدہ پہنچا اور آج تک آپ کے شاگرد آپ کو یاد کرتے ہیں۔ آپ کی پابندیٔ اوقات ضرب المثل تھی۔ اور اوقاتِ درس کی پابندی میں آپ خود ہی اپنے نظیر تھے۔ حتیٰ کہ بعض اساتذہ دارالعلوم نے درس میں اوقات کی پابندی کا سبق حضرت شیخ الادب ہی سے حاصل کیا۔ بے نفسی اور تواضع میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ بڑی سے بڑی کتابوں کے درس کے ساتھ چھوٹی سے چھوٹی کتاب پڑھانے میں کبھی ان کو عار نہ ہوتا تھا ترمذی و بخاری کا درس بھی دے رہے ہیں اور کبریٰ کو میزان الصرف علم الصیغہ اور نور الایضاح بھی پڑھا رہے ہیں۔

حضرت شیخ الادب کو جس طرح عربی نظم و نثر پر قدرت حاصل تھی۔ اسی طرح وہ اردو نظم و نثر میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اردو نثر میں ان کا ایک خاص انداز تھا۔ انہوں نے عربی ادب میں نفحۃ الیمن کے معیار کے مطابق نفحۃ العرب کے نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی۔ یہ کتاب عربی مدارس میں بہت مقبول ہوئی۔ چنانچہ دارالعلوم اور دوسرے بہت سے مدارس کے نصاب میں داخل کی گئی۔ اس کے علاوہ انہوں نے فقہ میں نور الایضاح۔ شرح نقایہ۔ کنز الدقائق اور ادب عربی میں دیوان حماسہ اور دیوان متنبی پر مفید حواشی تحریر فرمائے ہیں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے عربی قصیدہ لامیۃ المعجزات کے اشعار کی اردو میں سلیس شرح فرمائی ہے۔

انتظامی امور میں بھی آپ کی اہلیت مسلم تھی اور وقتاً فوقتاً ادارۂ اہتمام میں آپ کی انتظامی صلاحیتوں سے استفادہ کیا جاتا۔ غرض آپ ایک بے نظیر استاد، ایک متبحر عالم دین اور ایک جامع شخصیت تھے۔ دارالعلوم میں آپ کی علمی خدمات کا دور چالیس برس تک ممتد رہا۔ آپ نے ۱۳ رجب بروز منگل بوقت صبح صادق ۱۳۷۴ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ

(تاریخ دارالعلوم دیوبند)

حضرت العلامہ مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ

آپ ۱۳۰۴ھ میں مشرقی یوپی کے شہر بلیا کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان پنجاب کے ضلع جھنگ سے جون پور آیا۔ اور پھر کچھ مدت کے بعد بلیا میں آباد ہو گیا۔ جون پور میں عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم مشہور طبیب حکیم جمیل الدین صاحب نگینوی سے حاصل کی۔ اور معقولات کی کتابیں مولانا فاروق احمد صاحب چڑیاکوٹی اور مولانا ہدایت اللہ خان صاحب سے پڑھیں۔ دینیات کی تعلیم کے لیے مولانا عبدالغفار خان صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ جو حضرت گنگوہی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ۱۳۲۵ھ کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر اولاً ہدایہ اور جلالین وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ اور ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم سے فارغ ہوئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد اسی سال مدرسہ عالیہ فتحپوری کے مدرس دوم مقرر ہوئے پھر عمری ضلع مراد آباد کے مدرسہ میں کچھ عرصے تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔

۱۳۳۱ھ میں آپ کو دارالعلوم بلایا گیا۔ ۱۳۴۰ھ سے ۱۳۴۴ھ تک مدرسہ دارالعلوم مئو ضلع اعظم گڑھ اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ بہار میں صدارت تدریس کی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۴۴ھ میں آپ کو پھر دارالعلوم بلایا گیا۔ ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کی۔ اولاً جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مسند صدارت کو رونق بخشی۔ وہاں کے بعد کچھ عرصہ تک مدرسہ عالیہ فتحپوری میں صدارت تدریس کی خدمات انجام دیں اور بعد ازاں بنگال میں ہاٹ ہزاری ضلع چاٹگام کے مدرسہ میں صدر المدرسین رہے اور بالآخر ۱۳۶۶ھ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی سفارش اور مجلس شوریٰ کی منظوری سے دارالعلوم آ گئے۔ ۱۳۷۷ھ میں حضرت مدنی کی وفات کے بعد آپ دارالعلوم کی مسندِ صدارت تدریس پر فائز ہوئے۔ اور تادمِ واپسیں اس پر متمکن رہے۔

ان کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے جو برصغیر کے علاوہ ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

حضرت علامہ بلیاوی ہر علم و فن خصوصاً علم کلام و عقائد میں یگانۂ روزگار تھے۔ آپ نے تفسیر، حدیث، عقائد و کلام اور دوسرے علوم کی جو نمایاں خدمات انجام دیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کی مدت تدریس ۱۳۲۷ھ سے ۱۳۸۷ھ تک ۶۰ سال ہوتی ہے۔ طلباء ان کے درس میں بڑے شوق اور انہماک سے شریک ہوتے تھے۔ اور ان کے افادات عالیہ سے مستفید ہونے کے متمنی رہتے تھے۔ درس میں اختصار کے ساتھ بڑی جامعیت کی شان تھی۔ درس کا انداز نہایت باوقار ہوتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ لطائف و ظرائف، دقیقہ سنجی اور بالغ نظری سے اہم مسائل کو حل کرنے میں خاص ملکہ اور کمال حاصل تھا۔ قصص و حکایات کو مسائل پر اس طرح منطبق کرتے تھے کہ مسئلے کے تمام پہلو واضح اور منقح ہو جاتے تھے۔ وہ اپنے عہد میں عقائد و کلام اور منطق و فلسفہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ حدیث میں روایت سے زیادہ درایت سے کام لیتے تھے۔ حضرت نانوتوی کے علوم پر آپ کی گہری نظر تھی۔ حضرت شیخ الہند سے تلمذ کے علاوہ بیعت کا شرف بھی حاصل تھا۔

علامہ بلیاوی کی تصانیف میں رسالہ مصافحہ اور رسالہ تراویح اردو میں ہیں۔ ایک رسالہ انوار الحکمہ فارسی میں ہے۔ یہ رسالہ منطق و فلسفہ کے مضامین پر مشتمل ہے۔ سلم العلوم پر ان کا عربی میں حاشیہ ضیاء النجوم ہے۔ میبذی اور خیالی پر بھی انہوں نے حواشی لکھے تھے۔ جو افسوس ہے کہ ضائع ہو گئے۔ آخر میں جامع ترمذی پر حاشیہ لکھ رہے تھے جس کے پورے ہونے کی نوبت نہ آسکی۔

ان کی صحت عرصے سے خراب ہو گئی تھی۔ ۲۸ رمضان ۱۳۸۷ھ کی دوپہر کو ۸۰ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ قبرستان قاسمی میں آسودۂ خواب ہیں۔
(تاریخ دارالعلوم دیوبند)

حضرت العلامہ مولانا رسول خان صاحب ہزاروی

۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۷۱ء کو اچھڑیاں ضلع ہزارہ کے سواتی پٹھان خاندان میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے وطن ضلع ہزارہ کے مدارس میں ہوئی۔ ۱۳۲۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ منطق و فلسفہ میں حضرت مولانا غلام رسول خان صاحب ہزاروی سے خاص طور پر استفادہ کیا۔ ۱۳۲۳ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سند فراغ حاصل کی۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں صدر مدرس مقرر ہو گئے ۱۳۳۳ھ میں انہیں دارالعلوم دیوبند میں مدرس بنایا گیا۔ یہاں سے ۱۳۵۲ھ میں لاہور چلے گئے۔ وہاں اورنٹیل کالج لاہور میں شعبہ عربی کے استاد مقرر ہوئے۔ ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۴ء تک اورنٹیل کالج لاہور میں تعلیم دیتے رہے۔ وہاں سے ریٹائر ہونے کے بعد جامعہ اشرفیہ لاہور کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ اور تادم آخر جامعہ اشرفیہ سے وابستہ رہے۔

حضرت مولانا رسول خان صاحب معقولات کے ساتھ منقولات میں بھی دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ کو طالب علم کی استعداد کے مطابق اس طرح سمجھاتے تھے کہ مسئلہ طالب علم کے ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ ان کا درس تفہیم کے لحاظ سے ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ درسی تقریر جامع اور پُرمغز ہوتی تھی۔ وجیہ اور پُروقار تھے۔ تقریر کے وقت چہرے پر وقار برستا تھا۔ طرز بیان صاف مؤثر ہوتا تھا۔ ہر علم و فن کی کتابیں گویا انہیں ازبر تھیں۔ طلباء شوق و ذوق سے ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز اساتذہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کی عمر کے تقریباً ستر سال درس و تدریس میں گذرے۔ آخر میں تصوف کا غلبہ ہو گیا تھا۔ حضرت تھانوی سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ ۴ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ کو ۱۰۳ سال کی عمر میں اپنے وطن اچھڑیاں میں وفات پائی۔ اور وہیں آسودہ خواب ہیں۔
(تاریخ دارالعلوم دیوبند)

حضرت مولانا قاضی غلام نبی صاحب ہزاروی

آپ اصلاً ذیشان تحصیل بٹ گرام ضلع ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ والد صاحب کا نام جناب شاکر اللہ تھا۔ سواتی پٹھان قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے علماء سے حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ موقوف علیہ کی تکمیل کے بعد ۱۳۲۰ھ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ فہرست فضلائے دیوبند ہزارہ میں ۲۶ ویں نمبر پر آپ کا نام موجود ہے۔ ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنّی اپنی کتاب تاریخ ہزارہ کے صفحہ ۶۷۳ پر لکھتے ہیں:-

"مولانا غلام نبی صاحب"۔ آپ گیدڑپور مانسہرہ کے مشہور عالم تھے۔ اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب کے خواص میں سے تھے۔ گلاوٹھی وصوبجات متحدہ ہند میں کافی مدت مدرس رہے۔

خوانین گیدڑپور کے شدید اصرار پر گلاوٹھی سے گیدڑپور تشریف لائے۔ منصب قضا کے ساتھ جامع کی خطابت اور زندگی کے آخری ایام تک تدریس کا سلسلہ جاری رکھا صوبہ سرحد کے علاوہ کابل، قندہار اور کشمیر کے طلباء بھی آپ کے ہاں آکر پڑھتے تھے۔ چالیس پچاس کے قریب ہمیشہ طلباء آپ کے پاس تحصیل علم کی خاطر موجود رہتے تھے۔ تصانیف میں حمد اللہ کا حاشیہ رفع الاشتباہ مطبوعہ ہے۔ ۱۸/ جنوری ۱۹۳۱ء کو آپ کا گیدڑ میں انتقال ہوا۔ اور وہیں دفن کئے گئے۔

(مشاہیر علماء دیوبند)

حضرت مولانا محمد علی اللہ جان صاحب

عرف صاحب حق صاحب صربخ

از- حافظ محمد ابراہیم فانی

مولانا محمد علی اللہ جان بن مولانا حبیب اللہ جان بن مولانا محمد مزمل شاہ صاحب بن مولانا فدا محمد صاحبؒ آپ کے جدامجد مولانا فدا محمد صاحب ضلع مردان کے موضع کالوخان سے ترک سکونت اختیار کرکے موضع صربخ علاقہ دوآبہ نزد شب قدر فورٹ تحصیل چارسدہ میں وارد ہوئے۔ آپ کا تعلق پٹھانوں کے مشہور قبیلہ یوسف زئی سے ہے۔ صدیوں سے اس علمی خاندان کا سلسلہ درس جاری تھا۔ اس لئے آپ نے یہاں پہنچ کر ۱۸۴۱ء میں درس کا سلسلہ شروع کیا۔ روز بروز آپ کا حلقہ درس وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ منطق ومعقول میں آپ علامۂ وقت کے لقب سے مشہور تھے۔ یہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد آپ اپنے صاحبزادے مولانا محمد مزمّل کو اپنی جگہ چھوڑ کر باجوڑ تشریف لے گئے۔ اور وہاں پر ہی ان کے انتقال پُر ملال کا واقعہ پیش آیا۔

مولانا محمد مزمل نے اپنے والد کی طرح تکمیل علوم کے بعد سلسلہ درس جاری رکھا۔ اور صوبہ سرحد و افغانستان ایران اور بنگالہ کے طلباء آپ کے درس میں شامل رہتے۔ اس حلقۂ درس نے بڑے بڑے نامور فضلا پیدا کئے۔ جن میں خصوصیت کے ساتھ صاحب حق صاحب رحمۃ اور علامہ قاضی عبدالحق کابلی کے نام زیادہ مشہور ہیں۔ قاضی عبدالحق کابلی کے متعلق مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنوی نزہۃ الخواطر ج ۸ میں رقمطراز ہیں۔

الشیخ العالم الکبیر العلامہ المفتی ثم القاضی عبدالحق بن محمد اعظم الحنفی الکابلی نزیل بھوپال و دفینہا ولد ونشاء بمدینۃ کابل وقرء القرآن وتعلم الخط واشتغل بالعلم زمانا فی بلدتہ۔ ثم سافر وقرء المنطق والحکمۃ وغیرھا علی ملا محمد مزمل شارح حاشیۃ سلم العلوم للقاضی

علوم معقول و منقول میں آپ یکساں مہارت کے حامل تھے۔ قاضی مبارک پر آپ کا حاشیہ جو کہ حاشیہ صریخ کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے علمی تفوق کی واضح دلیل ہے اس کے خطبہ میں آپ فرماتے ہیں:-

وبعد فیقول فالک العبد المذنب الذلیل المتوسل الی المولی الجلیل بالنبی المختار وافضل الرسل الابرار المفتقر الی حضرتہ الغنیۃ القدسیۃ فی المطالب والمقاصد الدینیۃ والدنیویۃ مزمل بن فدا محمد الیوسف زوی جدا والمیرو زوی مولداً والصریخوی مسکنا والسید العلی من الافاغنۃ محتداً غفر اللہ غفرانا عفینا لاسلافہ

اس حاشیہ کے آخر میں ان کے صاحبزادے مولانا حبیب اللہ صاحب فرماتے ہیں:-

به تقوا و ریاضت جاں فشاں بود   باخلاقِ کریمانہ نشاں بود
ز لفظ سورۂ مزمّل به ترتیب   مضاف الیہ جدا گیری بترکیب
همیں است اسم پاک حبر مذکور   چوں خورشید جہاں تاب ست مشہور
بیا بشنو که در فرخنده تاریخ   بشد مطبوع ایں حاشیہ صریخ
چوں تاریخ تمامش سال بنخود   ہزار و دو صد و پنج و نو بود
ہم از ماہ جمادی الاول آمد
بروز سیزدہم روز جمعہ بُد

اسی طرح سلم العلوم پر آپ نے پشتو زبان میں حاشیہ لکھا ہے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میں آپ صاحب سوات کے خلیفہ و ماذون تھے۔ ۱۸۷۵ء میں بعمر ۷۵ برس آپ انتقال ہوا۔ آپ کے سانحہ ارتحال کے بعد آپ کے فرزند مولانا حبیب اللہ جان صاحب نے خاندانی روش کے مطابق سلسلہ درس جاری رکھا اور اسی طرح انہوں نے اپنے پیش روؤں کی طرح علوم فنون میں کافی شہرت حاصل کی۔ اپنے گاؤں میں دن رات درس و تدریس میں مشغول رہتے۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد بھی کافی زیادہ ہے۔ سلسلہ قادریہ میں آپ شیخ نجم الدین هڈے ملا کے ماذون تھے۔ ۱۹۱۰ء میں آپ انتقال کر گئے۔

مولانا حبیب اللہ جان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد علی اللہ جان صاحب نے یہ علمی مسند سنبھالی۔ آپ ۱۲۹۹ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم و فنون کی تکمیل حضرت مولانا قطب الدین صاحب غورغشتوی میاں صاحب قاضی پورا اور علاقے کے دیگر علماء کے ہاں کی۔ تحصیل علوم کے بعد آپ نے بھی ایک وسیع علاقۂ درس پیدا کیا۔ جس میں آپ تفسیر و حدیث، منطق و معانی اور کلام وغیرہ کی کتابیں پڑھاتے تھے۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ تصنیف و تالیف کی طرف بھی توجہ دیتے تھے۔ چنانچہ شرح عقائد پر آپ نے حاشیہ لکھنا شروع کیا تھا۔ لیکن اس کی تکمیل نہ ہوسکی۔ فرقِ باطلہ کے خلاف جہاد

اسی طرح بندہ کے نام مولانا حمد اللہ جان صاحب کتوزوی فاضل دیوبند رقمطراز ہیں:-

برخوردارم جناب محمد ابراہیم فانی سلمہ

تسلیمات وتحفہ دعوات کے بعد المرام اینکہ بزرگوارم الحبر المحقق والبحر المدقق امام عقلیات علامۃ العصر برکۃ الدوران شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب زروبوی نور اللہ مرقدہ کے متعلق جہاں تک مجھے معلوم ہے تو مولانا مرحوم شارح قاضی مبارک مولانا امز مل بن فدا محمد کے نواسے مولانا علی اللہ جان صاحب مرحوم آف عمر زئی دو آبہ علاقہ شبقدر سے صدرا، مطول، قاضی مبارک، خیالی، مرزا قطبی وغیرہ پڑھ چکے تھے۔ مولانا علی اللہ جان صاحب، حضرت مولانا سید حبیب اللہ جان صاحب کے فرزند ارجمند اور نہایت ہی لائق دقائق عالم تھے۔

فقط والسلام

حمد اللہ جان (فاضل دیوبند) کتوزئی

تحصیل چارسدہ۔ ضلع پشاور

ف: یہ مضمون کی تیاری میں تذکرہ علماء و مشائخ سرحد جلد دوم سے مدد لی گئی ہے۔ فانی

میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ چنانچہ قادیانیت کے خلاف آپ نے جا بجا جلسے کئے اور ان کے ساتھ بحث ومناظرہ بھی کیا۔ علماء کی علاقائی تنظیم جمعیت العلماء افغان سرحد کے نائب صدر بھی تھے آپ ہی کی کوشش سے صوبہ سرحد میں شریعت بل نافذ ہوا۔ ۱۴ ذی القعدہ ۱۳۵۴ھ کو بعمر ۵۵ سال آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت صدر صاحب مولانا عبد الحلیم صاحب قدس سرہ نے آپ سے مرزا قطبی، مطول مختصر المعانی اور ملا حسن وغیرہ (دوران اقامت صرسیخ) کتابوں میں درس لیا۔ راقم السطور کے نام آپ کے فرزند مولانا سعید اللہ جان نقشبندی ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

مولانا عبد الحلیم صاحب مرحوم سلف صالحین کی روایات اور صفات کا حسین نمونہ نہایت ہی فصیح وبلیغ، فقیہ النفس، فاضل بے بدل ایک وسیع النظر انسان اور عبادت گذاری وزہد وتقوی میں اپنی مثال آپ تھے۔ والدم حضرت صاحب حق صاحب یعنی مولانا محمد علی اللہ جان مرحوم کے شاگرد رشید اور مدتوں حاضر باش رہے۔ مجھے کم سنی کے زمانہ میں آپ کی اقامت صرسیخ کے دوران آپ سے شرف ملاقات حاصل رہا۔ نہایت ہی کم گو خاموش طبع اور انتہائی ذہین وفطین، اپنے استاذ یعنی والدم مولانا محمد علی اللہ جان صاحب جو کچھ سنتے نوک بزبان یاد رہتا۔

یہاں صرسیخ میں آپ تقریباً دو ڈھائی سال اقامت پذیر رہے۔ اس دوران علم معانی اور علم منطق میں کئی کتابیں مثلاً مختصر المعانی، مطول، سلم اور ملا حسن وغیرہ پڑھے اس کے بعد سند فراغت کے حصول کے لئے دیوبند تشریف لے گئے۔ مشہور روحانی پیشوا شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد عبد المالک صاحب صدیقی نقشبندی کے تبلیغی دورہ کے دوران مولانا کی میرے ساتھ اکثر ملاقات ہوتی رہی اور بندہ کے ساتھ انتہائی مخلصانہ مشفقانہ اور محبت بھرے انداز سے پیش آتے۔

والسلام

سعید اللہ جان صرسیخ تحصیل چارسدہ۔

از محمد ابراہیم فانی

مولانا عبدالرؤف عُرف کڈی مولوی صاحبؒ

مولانا عبدالرؤف صاحب موضع کڈی تحصیل صوابی میں مولانا محمد شریف کے ہاں ہار اگست ۲۰۰۲ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا مولوی احمد شاہ سے حاصل کی ان کی وفات کے بعد مزید تعلیم کے لئے دامان علاقہ چھچھ گئے اور وہاں پر صَرف نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد پنجتار علاقہ بونیر تشریف لے گئے۔ اور وہاں پر قاضی صاحب سے فقہ کی کتابوں میں درس لیا۔ بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لئے عازم ہند ہوئے۔ اور ریاست ٹونک کے مدرسہ ناصریہ میں علم تفسیر و حدیث کی تکمیل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مہاجر کابل مولانا سیف الرحمٰن صاحبؒ اور مولانا شیخ الحدیث حیدر حسن خان صاحب قابلِ ذکر ہیں۔ دورہ حدیث میں امتیازی سند حاصل کرنے کے بعد وطن واپس تشریف لائے اور اپنے گاؤں کی مسجد ذکریا خیل میں درس کا آغاز کیا اور انتہائی قلیل عرصہ میں آپ کے درس کا شہرہ ہوا۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں حضرت صدر المدرسین مولانا عبدالحلیم صاحبؒ۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ۔ مولانا شفیع اللہ صاحبؒ سابق استاذ دارالعلوم حقانیہ۔ مولانا عبدالحکیم صاحب حیدر (چھچھ) شیخ الحدیث مولانا گلستان صاحب۔ مولانا فضل حسین صاحبؒ مولانا محمد طاہر صاحب پنج پیر اور مولانا عبدالوحید قاسمی زروبوی قابل ذکر ہیں۔

مانیری

جامع العلوم فاضل تھے۔ لیکن نحو اور منطق میں آپ اجتہادی فکر و نظر کے مالک

یوں تو آپ

تھے

تک مولانا خان بہادر صاحب آپ کے لئے ابن حاجب کا لقب

ہی وجہ سے علامہ مارتو

استعمال کرتے۔ اور فرماتے کہ میدانی علاقہ

مولانا عبدالرؤف صاحب مشہور عالم ہیں۔

آپ اپنے علاقے کے مشہور قاضی تھے اور شریعت کے مطابق فیصلے آپ فرماتے۔ ایسے مقدمات جو سالہا سال میں حل نہیں ہوتے آپ نے ان کا فیصلہ چند گھنٹوں میں فرمایا۔ والیٔ سوات جناب میاں گل اورنگ زیب نے جب اپنی ریاست میں افتاء اور قضا کے لئے کمیٹی تشکیل دی تو آپ اس کے رکن رکین اور امتیازی ممبر تھے اور سال میں دو تین بار آپ وہاں تشریف لے جاتے۔ آپ نے تقریباً پچپن سال حسبۃً للہ درس دیا۔ اور اس کے علاوہ عوام کے لئے بعد از نماز عشاء ترجمہ و تفسیر قرآن کا بھی آغاز کیا جس سے علاقہ کے عوام کو از حد فائدہ پہنچا۔ درس و تدریس کے علاوہ آپ مروجہ رسومات اور خلاف شریعت امور کی طرف بھی خصوصی طور سے توجہ فرماتے۔ چنانچہ بہت سے ایسے امور جو شریعت کے ساتھ متصادم تھے کا خاتمہ آپ ہی نے کیا۔ زندگی میں دو دفعہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ ۱۶ر اپریل ۱۹۶۰ء کو آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ رحمہ اللہ

حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب شاہ منصوری

عرف شاہ منصور لالا

از:محمد ابراہیم فانی

آپ ۱۸۸۴ء کو مولوی محمد ولی بن مولوی عبدالقادر کے گھر پیدا ہوئے۔ علمی خاندان سے تعلق کی بنا پر ان کے والد بزرگوار جو کہ خود بھی ایک جید عالم تھے نے بچپن ہی سے آپ کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دی۔ اپنے گاؤں میں ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد قریبی گاؤں موضع کڈی تشریف لے گئے۔ اور وہاں پر استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالرؤف قدس اللہ سرہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آپ نے ان سے صرف و نحو کی بعض کتابوں میں درس لیا۔ ان سے استفادہ کرنے کے بعد آپ موضع ورّہ (یہ گاؤں صوابی سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر جانب جنوب واقع ہے) چلے گئے۔ اور وہاں پر مشہور روحانی پیشوا حضرت لالہ جی صاحب کے حلقہ درس میں شمولیت اختیار کی۔ ان سے صرف و نحو کی مزید کتابیں پڑھنے کے بعد موضع ڈاگئی ضلع مردان تشریف لے گئے اور وہاں پر حضرت مولانا محمد صاحب ڈاگئی

صاحب[1] اور مولانا عبدالحکیم صاحب[2] کی خدمت میں رہ کر ان سے معقول و معانی، تفسیر و کلام ہیئت و ریاضی اور حکمت و فلسفہ۔ الغرض فنون کی اکثر کتابیں۔ شرح وقایہ اور فقہ کی دیگر کتب گڑھی کپورہ مردان میں وصو بیان مولوی صاحب سے پڑھیں۔

ایک سال کے لئے آپ طورو ضلع مردان تشریف لے گئے اور وہاں پر مولانا عبدالجلیل طوروی سے عروض و ادب میں درس لیا۔ اسی طرح ایک سال نوشہرہ میں گزار کر دورۂ حدیث کے لئے متھرا ضلع پشاور چلے گئے اور وہاں پر مولانا فضل ربانی[3] سے صحاح ستہ

---

[1] ۱۲۵۲ھ میں جناب مولوی رحمت اللہ صاحب کے گھر موضع ڈاگئی ضلع مردان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ پھر عازم ہند ہوئے۔ وہاں پر مدرسہ عالیہ رامپور میں کچھ کتابیں پڑھیں دورۂ حدیث و سند فراغ کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ہاں دورۂ حدیث مکمل کیا فراغت کے بعد وطن واپس آکر آپ نے تدریس کا آغاز کیا۔ تمام علوم و فنون کی کتب کے علاوہ کتب صحاح ستہ بھی پڑھاتے۔ شرح ہدایۃ الحکمت میبذی پر حاشیہ بنام صدیقیہ آپ نے تصنیف کی جو کہ مطبوعہ ہے۔ چالیس سال تک تدریسی خدمات سرانجام دینے کے بعد ۸۵ برس کی عمر میں ۱۳۳۷ھ کو انتقال فرمایا

[2] مولانا حمداللہ جان آف ڈاگئی کے والد مرحوم۔

[3] مولانا فضل ربانی صاحب موضع متھرا میں جناب مولانا احمد خان صاحب کے ہاں تقریباً ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوتے ابتدائی تعلیم اپنے والد اور علاقے کے دیگر علماء حاصل کی جن میں مولانا حبیب اللہ صاحب مرحوم ملاّ دوآبہ شبقدر زیادہ مشہور ہیں۔ دورہ حدیث مولانا گل محمد صاحب ترنگزئی سے مکمل کرکے سند حاصل کی۔ آپ علماء معاصرین میں محدث کبیر کے نام سے مشہور تھے۔ تمام علوم کا درس کرتے مگر خصوصیت کے ساتھ ہر سال احادیث اور تفسیر پڑھاتے۔ بخاری شریف تو اس طرح پڑھاتے گویا اس کے حافظ ہیں آپ کے تلامذہ میں مولانا شمس الحق افغانی بہت ممتاز ہیں تقریباً سو برس کی عمر میں مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۹۶۸ء میں انتقال کیا۔ ملخصاً از تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ص ۱۳۴ ج ۲۔

وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ دوبارہ دورۂ حدیث کے لئے آپ غورغشتی تشریف لائے۔ اور وہاں پر شیخ المشائخ محدث کبیر حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ سے سند فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد آپ نے تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے ہی گاؤں سے تدریسی سفر کا آغاز کیا۔ وہاں تین سال تدریس کی خدمت انجام دینے کے بعد آپ سکھڑ تشریف لے گئے۔ ادھر بھی تین سال کا عرصہ تدریس گزارنے کے بعد دارالعلوم رحیمیہ دہلی میں تین سال تک درس دیا۔ پھر ایک سال مردان میں مولانا سرفراز خان صاحب کے مدرسہ میں رہے۔ کچھ عرصہ کوہاٹ میں بھی آپ نے تدریس کی۔ اس کے بعد لاہور تشریف لے گئے۔ وہاں ایک سال تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد دوبارہ وطن واپس آئے۔ اور جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں سات سال تک مصروف تدریس رہے۔ اس کے بعد دس بارہ سال تک آپ نے یہ سلسلہ جاری رکھا۔

حضرت قبلہ گاہ مرحوم مولانا عبدالحلیم صاحب قدس سرہ العزیز نے آپ سے ابتدائی کتابوں میں درس لیا۔ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ دہلی[1] میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا جلسہ تھا۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگ جلسہ کے لئے آئے تھے۔ مولانا میرے پاس آئے اور کہا کہ جلسہ کے لئے میں اور آپ اکٹھے جائیں گے کوشش یہ کریں کہ سٹیج کے قریب ہمیں نشست مل جائے۔ کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ میری قوت سماعت کمزور ہے تاکہ میں اچھی طرح حضرت شاہ جیؒ کی تقریر سن سکوں۔

چنانچہ ہم جلسہ گاہ پہنچے اور وہاں پر سٹیج کے پاس ہی ہمیں نشست ملی۔ چونکہ آپ ایک مرد صاحب حال تھے۔ ہر وقت آپ پر عجیب کیفیت طاری رہتی۔ جونہی حضرت شاہ صاحب نے اپنی مخصوص لے میں کلام پاک کی تلاوت شروع کی۔ فضا پر سناٹا چھایا۔ ایک طرف کلام

[1] اس وقت حضرت قبلہ گاہ مرحوم دارالحدیث رحمانیہ دہلی اور آپ دارالعلوم رحیمیہ دہلی میں مدرس تھے

رب العلمین دوسری طرف شاہ جی کی سحر آفریں اور وجد آگیں آواز۔ مولانا کے پردۂ سماعت سے جب حضرت شاہ جی کی آواز کے زیر و بم ٹکرائے تو انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ مستانہ لگایا اور پھر کچھ دیر کے لئے مدہوش رہے۔ حضرت شاہ جی پر اس کا بہت اثر ہوا۔ بعد میں فرمایا اس جلسہ میں بہت سے اہل دل بھی آئے ہیں۔

آپ نے سب سے پہلے افغانستان کے روحانی پیشوا ملا شور بازار سے ڈیرہ اسمٰعیل خان میں بیعت کی۔ پھر اس کے بعد حضرت مولانا پیر عبد المالک صاحب صدیقی نقشبندی قدس سرہ سے بیعت ہوئے۔ انہوں نے آپ کو خلافت سے نوازا۔ اسی طرح مولانا فضل علی قریشی نے بھی آپ کو سلاسل طیبہ میں اجازت دی تھی۔

مورخہ ۴ شعبان المعظم کو آپ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا۔ اور اپنے گاؤں میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ حضرت صابر صاحب مولانا عبدالحلیم صاحب قدس سرہ کے علاوہ آپ کے دیگر ممتاز تلامذہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ العالی بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مینویؒ شہرت دوام کے مالک ہیں +

شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ

آپ کا تعلق پٹھانوں کے مشہور قبیلہ کاکڑ سے ہے۔ ۱۲۹۵ھ میں مولانا بہار الدین بن مولانا سعد الدین کے گھر غورغشتی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے بھائی مولانا شہاب الدین کے ہاں حاصل کی۔ اس کے بعد صرف و نحو کی کتابوں کا آغاز سرور بہ فتح جنگ سے کیا۔ اور ملتان کے ...حی گاؤں ملے میں تکمیل کی۔ بعد ازاں نوتھ میں مولانا غلام رسول صاحب عرف انہی بابا سے منطق معانی میں درس لیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے چکڑالہ ضلع میانوالی تشریف لے گئے۔ وہاں علامہ ...انی قمر الدین صاحب سے دورہ حدیث پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔ فراغت کے بعد رنگون سے تدریسی سفر کا آغاز کیا۔ اور اسی دوران حج بیت اللہ کی سعادت پائی۔ رنگون سے واپسی پر دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ اور حضرت شیخ الہندؒ سے ترمذی شریف اور چند دیگر کتب میں استفادہ کیا۔ دیوبند کی آب و ہوا راس نہ آنے کی وجہ سے واپس غورغشتی آئے۔ اور تادم واپسین مختلف علوم وفنون اور حدیث کی تدریس کرتے رہے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کا تعلق آپ کا حضرت مولانا حسین علی صاحب سے تھا۔ اور انہی کے خلیفہ مجاز تھے۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا۔ اور لاہور اور ساہیوال کی جیلوں میں قید کاٹی۔

مورخہ ۴ر ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۳ر جنوری ۱۹۶۹ء کو آپ کا انتقال ہوا رحمہ اللہ!

قطب الارشاد پیر طریقت

حضرت مولانا عبدالمالک صاحبؒ صدیقی نقشبندیؒ

آپ مورخہ ۱۴ر ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ کو مولوی نور محمد صاحب کے گھر بمقام ڈھکواں احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ریاست بہاولپور کے زمیندار خاندان سے تھا اس خاندان میں بکثرت اولیاء کرام گزرے ہیں۔ آپ اپنے والد کی دسویں اولاد ہیں اس سے قبل نو بھائی ولادت کے بعد فوت ہو گئے تھے۔

مولوی محمد دین کے ہاں نو ماہ میں ناظرہ قرآن کریم ختم کرنے کے بعد مولوی اللہ بخش اور مولوی بشیر احمد سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد باقاعدہ تعلیم کا آغاز مولوی عبدالعزیز کے ہاں کیا۔ اور ان سے مشکوٰۃ شریف تک کتابوں کی تکمیل کی۔ آپ کا تعلیمی سلسلہ ابھی شروع تھا کہ ایک دن حضرت مولانا فضل علی صاحب قریشیؒ احمد پور شرقیہ تشریف لائے۔ انہی کے دست حق پرست پر آپ نے بعمر سترہ سال بیعت کی۔ اپنے شیخ مرشد کی آپ کے ساتھ انتہائی محبت تھی۔ یہاں تک کہ آپ کو اولاد کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ سفر و حضر میں آپ اپنے شیخ و مرشد کے حاضر باش خادم تھے۔ اس لئے

ایک دن دوران سفر بمقام علی پور آپ سے شیخ نے پوچھا کہ آپ کا کونسا سبق ہے۔ تو آپ نے فرمایا مراقبہ معیت۔ اس کے جواب میں حضرت شیخ نے مراقبہ معیت کی تشریح اور بہت تعریف فرمائی۔ اور مزید کہا کہ ولی کی انتہاء مراقبہ معیت ہے۔ آگے انبیاء علیہم السلام کے مقامات ہیں۔ اور پھر اسی وقت آپ کو ماذون فرمایا۔

اس کے بعد آپ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان تشریف لے گئے۔ وہاں پر سجادہ نشین سے ملاقات کی۔ اور خواجہ عثمان دامانی اور مولانا دوست محمد قندھاریؒ کے مزارات پر حاضری دی۔ بمقام دربن جو کہ موسیٰ زئی شریف کے قریب ہے۔ شیخ نے آپ کو سلاسل سبعہ کی اجازت دی۔ بعدازاں آپ اپنے شیخ کے ساتھ اجمیر تشریف لے گئے۔ اجمیر میں قیام کے بعد اپنے شیخ کے حکم سے دہلی روانہ ہوئے۔ دہلی سے واپسی پر سکھر تشریف لائے کیونکہ آپ کے شیخ سندھ کے دورہ پر تھے۔ وہاں پر مولانا تاج محمودؒ سے ملاقات کی۔ پھر اپنے شیخ کی معیت میں دین پور تشریف لے گئے۔ وہاں پر حضرت دین پوریؒ سے ملے۔ اور ان کے صاحبزادے مولانا عبدالہادیؒ کو توجہ فرماتے ہوئے ان کو ذکر قلبی کی تلقین کی۔

بعدازاں آپ اپنے مرشد کے حسب الحکم کلیانہ مشرقی پنجاب بغرض تبلیغ روانہ ہوئے وہاں پر کافی عرصہ اثر پیدا کرنے کے بعد اپنے شیخ کو یہاں آنے کی دعوت دی۔ قیام ہند کے دوران ایک دفعہ آپ نے دیوبند میں ورود فرمایا۔ وہاں سے حضرت تھانویؒ کے ایک مرید کو رقعہ دیا جس میں ان کے ساتھ ملاقات کی درخواست تھی۔ اور تحریر فرمایا کہ ایک درویش نقشبندی آپ کے ساتھ ملاقات کا خواہشمند ہے۔ چنانچہ جب آپ دیوبند کے سٹیشن پر پہنچے تو حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند بھی وہاں تشریف لائے۔ قاری صاحب اور آپ دونوں ایک ہی ڈبہ میں سفر کر رہے تھے۔ راستے میں حضرت قاری صاحب اتر گئے۔ اور آپ سیدھے تھانہ بھون پہنچے۔ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ملاقات کی۔ اسی طرح قیام دہلی کے دوران آپ محدث عصر

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے ملے۔

۱۹۳۵ء میں آپ نے پہلی مرتبہ حج کے لئے رخت سفر باندھا۔ اس دوران جدّہ میں آپ کی ملاقات ایک ابدال سے ہوئی۔ اس کے بعد آپ ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتے ۱۳۹۰ھ میں آپ نے حج اکبر ادا کیا۔ اور جنت البقیع میں حضرت حلیمہ سعدیہ اور دوسرے صحابہ کرام کے مزارات پر حاضری دی۔

چونکہ آپ ابھی تک اولاد جیسی نعمت سے محروم تھے تو آپ کے ایک مرید مولوی محمد اکبر نے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ کے مزار پر مراقبہ کیا۔ جس میں ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شرف حاصل ہوا۔ حضورؐ نے ان کو فرمایا کہ آپ کے پیر کی اولاد فاطمہ، کلثوم، محمد عبدالماجد اور محمد عبدالواجد ہیں۔ چنانچہ آپ نے دوسرا عقد مولانا قمبر بابا صاحب (سوات) کی دختر نیک اختر سے کیا۔ اور ان سے آپ کی یہ اولاد ہوئی۔ اور حسب فرمان نبویؐ ان کے لئے یہی نام تجویز کئے۔ علاوہ ازیں اور بھی آپ کی صاحبزادیاں ہیں۔

آپ بدعات و رسوم اور خلاف شریعت کاموں سے از حد متنفر تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک سندھی خلیفہ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

واضح رہے کہ سندھ مجموعہ بدعات اور آدم پرستی کا مرکز ہے جن کا آپ کو علم ہے جب تک کہ بدعات سے تنفر قلبی نہ ہو گا۔ بدعات سے بچنا ناممکن ہو گا۔ خدا کی قسم ایک سندھ نہیں لاکھوں سندھ ایک آدمی کے مرید ہو جائیں۔ قیامت کے دن سوائے وبال کے کسی طرح چھٹکارا نہیں ہو گا لہٰذا اپنے اعمال کو بدعات سے پاک کرتے ہوئے سنّت کے تابع بنیں اور اللہ پرست انسانوں کے لئے کوشاں رہیں۔"

آپ کا سانحۂ ارتحال ۸، ۹ ستمبر ۱۹۷۳ء مطابق ۱۰، ۱۱ شعبان ۱۳۹۳ھ کی درمیانی شب ہرپور شرقیہ میں پیش آیا۔ وفات کے بعد بھی آپ کے دل کی حرکت جاری تھی۔ اس کرامت

کا مشاہدہ بہت سے لوگوں نے کیا۔ احمد پور شرقیہ میں نمازِ جنازہ پڑھانے کے بعد آپ کی میت خانیوال لائی گئی۔ یہاں پر سبزی منڈی میں آپ کی دوبارہ نمازِ جنازہ ادا کی گئی جس میں ہزارہا عقیدت مندوں نے شرکت کی۔ پھر رات دو بجکر پندرہ منٹ پر آپ کا جسم مبارک قبر میں اتارا گیا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

آپ کے حلقۂ مریداں میں اکثر علماء و صلحاء شامل ہیں۔ جن میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

حضرت مولانا عبدالرشید صاحب عرف قمبر بابا صاحبؒ۔
حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب عرف شاہ منصور لالا۔
حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔
حضرت مولانا عبدالغفور صاحب عرف شین مولوی صاحب۔
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ۔
حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب۔
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب۔
حضرت مولانا غلام حبیب صاحب نقشبندی۔ اور
حضرت مولانا محمد نذیر صاحب چکیسر وغیرہم

حضرت والد صاحب مولانا عبدالحلیم صاحب قدس سرہ العزیز نے آپ سے دارالعلوم حقانیہ میں اپنے مرشد حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتویؒ کی وفات کے بعد تجدیدِ بیعت کی۔ چنانچہ پہلے ہی مرحلہ میں آپ نے ان کو خلعت خلافت سے نوازا۔

(آپ کی تفصیلی سوانح کے لئے تجلّیات صدیقی ملاحظہ ہو)

ضیاء المشائخ حضرت مولانا محمد ابراہیم جان المجدّدیؒ

از :۔ حافظ محمد ابراہیم فانی

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ "کابل میں مجددی خاندان" کے زیرِ عنوان رقمطراز ہیں:۔

"دارالسلطنت اور اس کے مضافات میں قدیم علماء و مشائخ کے خانوادے کے کچھ لوگ اب بھی موجود ہیں۔ اور درس و تدریس اصلاح و ارشاد اور دعوت الی اللہ میں مشغول ہیں۔ کابل کے مضافات میں مجدّدی بزرگوں کی ایک خانقاہ قلعہ جوّاد کے نام سے مشہور رہی ہے اس کے بعض مشائخ کی شہرت افغانستان کے حدود سے باہر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس خانوادے کے ایک بزرگ نورالمشائخ شیخ فضل عمر مجددی تھے جو شیر آغا کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے مریدوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی جو پاکستان و ہندوستان تک پھیلے ہوئے تھے...... ہم نے قلعہ جوّاد کی بھی زیارت کی اور دیکھا کہ خانقاہ طالبین و معتقدین سے بھری پڑی ہے۔ مسجد نمازیوں سے آباد ہے۔ اور مدرسہ میں طلبہ کی کثیر تعداد تحصیلِ علم میں مصروف ہے۔ حضرت نورالمشائخ کے خلیفہ اور ان کے صاحبزادہ شیخ محمد ابراہیم مجددی کئی بار ہمارے ہوٹل میں تشریف لائے[1]

[1] دریائے کابل سے دریائے یرموک تک ص ۴۲

حضرت مجددیؒ اپنے بارے میں ایک سوالنامے کے جواب میں لکھتے ہیں :۔

میری زندگی سے وابستہ علمی چشموں سے سیرابی کی نسبت یہ ہے کہ میرا سب سے زیادہ تعلق دارالعلوم عربیہ کابل اور خانقاہ عالیہ مجددیہ عمریہ کابل کی درسگاہ سے ہے میرا علمی سرمایہ علم و معرفت کے ان دو مرکزوں سے مستفاد ہے۔ باطنی حالات اور ذوقی کیفیات بھی عرفان کے اس مقدس مرکز خانقاہ مجددی سے دستیاب ہوئے ہیں۔ اگر میرے جسم کے تمام بال زبان بن جائیں تو ان مراکز کے لامتناہی عنایات و احسانات کا حق سپاس و تشکر ادا نہیں کر سکتے۔ خاص کر باطنی و ظاہری اصلاح و تربیت جو حضور مقدس حضرت شیخ الاسلام مولانا و مرشدنا نور المشائخ قدس سرہ جو علوم ظاہری و باطنی میں میرا آقا و پیشوا ہے کی بدولت مجھے حاصل ہے۔ میرا قلب و دماغ یکسر اس قابل نہیں کہ ان کے بے پایاں نوازشات کا سپاس ادا کر سکوں۔ ہاں مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ کے مطابق مجھے یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ وہ علم و معرفت میں میرے استاد و پیشوا ہیں۔ میں ان کا مرید اور وہ میرے مرشد و آقا ہیں۔ میرے استاد بزرگوار شیخ الحدیث والتفسیر مولانا یار محمد وردکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو دارالعلوم عربیہ کے صدر مدرس تھے اور تفسیر موضح القرآن پشتو (جو پشتو میں لکھی گئی ہے) میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ میں ان کے علمی مقام کو کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا۔"

اپنے علمی اور مطالعاتی زندگی کے بارے میں اپنے تاثرات یوں ارقام فرماتے ہیں :۔

فن تفسیر میں ابن کثیر اور معالم التنزیل نے اطمینانِ قلب اور تقویت وجدان کے ثمرات بخشے۔ اور علم حدیث میں بخاری شریف اور مسلم شریف امام حاکم نیشاپوری کی مستدرک سے پوری وابستگی اور تعلق ہے اور علم فقہ میں ہدایہ، فتح القدیر فقاہت اور اسلامی حقوق کے اعتبار سے سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں اور علم معانی میں مطول کو تلخیص کے ساتھ پسند کرتا ہوں۔ اور اصولِ فقہ میں جو تشریع اسلامی کا فن ہے اس میں توضیح تلویح اور جدید تالیفات میں تاریخ تشریعِ اسلامی نے مجھے محظوظ کیا ہے جسے مصر کے تین مصنفوں نے مل کر تصنیف کیا ہے۔ اور علم تصوف میں جس میں دو مکتب ہیں۔ اول مکتب وجودی عشق میں ابن العربی کے فصوص الحکم اور مولانا روم کی مثنوی سے علاقہ رکھتا ہوں۔ اور دوسرا مکتب شہودی میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات گرامیہ کا شاگرد ہوں۔ اور ان سے شرفِ تلمذ پر فخر محسوس کرتا ہوں۔ اور فن تاریخ میں علامہ ابن خلدون کی تاریخ سے بہت ہی زیادہ محبت ہے۔ اور حق بات یہ ہے کہ یہ کتاب فن تاریخ میں استاذ کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور ادب عربی میں متقدین میں سے ابن مقفع اور امام بوصیری کو تمغہ امتیاز دیتا ہوں۔ اور دورِ حاضر میں مرحوم شوقی بیگ مصری کا ثنا خواں ہوں۔ اور ادب فارسی میں نظامی جامی ہروی واقف لاہوری اور عرفی کو ترجیح دیتا ہوں۔ اور ادبی مقام میں خصوصی طور پر مولانا عبدالقادر بیدل کا معترف ہوں۔ اور علم کلام و فلسفہ میں حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اور علامہ ابن رشد فلسفی کو پورے احترام کے ساتھ مدح سرائی اور خراجِ تحسین ادا کرتا ہوں[1]۔

حضرت صدر صاحب قدس سرہ نے آپ کو چند کتب بطورِ تحفہ ارسال فرمائے اور اس کے ساتھ ایک رقعہ بدست قاصد ارسال فرمایا۔ وہ رقعہ درج ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معارف و حقائق آگاہ زبدۃ المشائخ دامت فیوضہم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ! امید کہ آں عالیجناب مع ہمہ متعلقین بخیر و عافیت باشند۔ و از راہِ ذرہ نوازی ایں کمترین را در دعا مستجاب خود یاد دارند۔ و از توجہات قدسی محروم ندارند۔

---

[1] ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک بابت رجب ۱۳۹۲ھ

رسالہ المنقذ من الضلال للامام الغزالیؒ . و درالمعارف ملفوظات شیخ المشائخ معز شاہ غلام علی قدس اللہ سرہ العزیز وکتاب المنتخبات من المکتوبات . اہداء خدمت حضرت عالیہ است . بدست مولوی محمد عمر ترکستانی .

ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

والسلام

احقر العباد - عبد الحلیم عفی عنہ

از دار العلوم حقانیہ . اکوڑہ خٹک

اس رقعے کے جواب میں حضرت ضیاء المشائخ نے تحریر فرمایا .

هوالله

فضیلت ہمراہ مولوی عبد الحلیم دامت فیوضاتہ !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ . مکتوب آں عزیز رسید . اذہب عنا الحزن . الحمد للہ . کہ بعافیت اند احوال فقرای (؟) مستوجب حمد است جمعیت صوری و معنوی تان مطلوب است . امید است اوقات فضائل مآبی بتدریس علوم عالیہ اسلامی و تنویر و تزکیہ باطن مصروف است . بلے کار این است و غیر این ہمہ ہیچ . حق سبحانہ امثال شمارا بیشتر گرداند وما ذالک علی اللہ بعزیز . و مسلمین را توفق کامل باللباس اسلامی و محبت در راہ متابعت کلتور و ثقافت اسلام عطا فرماید . ہمہ دوستان و محبان را تحیہ مسنونہ رسانید . والسلام علیکم . ہدایا کتب رسید . و رسالہ مخزن الاسرار کہ تمام شفقات این سلسلہ در آں آمدہ تقدیم شد .

والسلام

فقیر محمد ابراہیم ابن عمر مجددی

۲۰ شوال المکرم ۹۷ ۱۳ھ

حضرت صدر صاحب قدس سرہ ایک دوسرے مراسلے میں اپنے مرشد کو یوں تحریر فرماتے ہیں .

باسمہ العظیم

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

بگرامی خدمت کاشفِ اسرار طریقت و شریعت واقف انوارِ حقیقت و معرفت جناب مرشد دامت برکاتہم .

بعد از تحیہ سلام مسنون عرض بحضور اقدس اینکہ ہرگاہ کہ ازاں عالیجناب مفارقت یافتم و بغریب خانۂ خود رسیدم . بعد از چند ایام استراحت نیاز نامہ متضمن احوال خود بخدمت آنجناب ارسال نمودم . بعد ازاں ہرگاہ کہ آں جناب بخانقاہ جلال آباد تشریف آوردند بار دیگر عرض حال پیشِ خدمت فرستادم مگر از واردین طلبہ معلوم شد . کہ ہیچ خط بندہ بحضور اقدس نرسیدہ . و بعد از عید الاضحیٰ تا آخر چہار ماہ بوجہ علالت صاحب فراش بودہ . شدت مرض و ضعف عام قوی فرصت اذکار و اشغال نداد بوجہ کثرت نفث الدم و شدت سعال و حرارت معالج علاج سل ٹی بی شروع کرد زاید از یک صد و پنجاہ انجکشن داد و جوہہائے بسیار روزانہ استعمال نمود و مشورہ داد کہ مشغلہ تدریس و مطالعہ بگذار . بفضلہ تعالیٰ بدعائے مستجاب آنجناب بعد از شش ماہ قدرے صحت یافتم . مگر علاج تاحال بہ ہنج سابق میکنم . البتہ انجکشن را ترک کردم کہ مرضِ دیگر پیدا کرد . یعنی ذیابیطس و دباؤ خون . امسال تدریس شروع کردہ ام . بعض طلبہ کہ از ارشاد آں حضرت فیض یافتہ اند . دعا و سلام از جنابش بایں کمترین رسانیدہ از یاد آنحضرت مسرت بیکراں رسیدہ . ہدیہ کتاب مستطاب اسرار طریقت ازاں مولوی بہم رسید .

زبانِ ایں ذرہ بے مقدار از شکریہ بندہ نوازی آں حقائق و معارف آگاہ قاصر است ؎

گر بگذرم بخاطرِ پاک تو باک نیست خاشاک نیز بر سر دریا گذر کنند

خصوصی توجہ آں کامل ومکمل ناقصاں را محتاج است کہ از گرداب ہائل ظلمات معصیات بدر آوردہ قلب قاسی را بنور معرفت منور سازند ۔ والسلام

احقر العباد عبدالحلیم عفی عنہ

از دارالعلوم حقانیہ ۔ اکوڑہ خٹک

۱۹۷۹ء میں روسی گماشتوں نے خانقاہ مجددیہ پر بھی حملہ کیا اور نادر و نایاب کتب کو تاراج کرنے کے ساتھ حضرت ضیاء المشائخ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے ۔ بعد ازاں آپ کی شہادت کی افواہ گشت کرنے لگی لیکن وہ غلط ثابت ہوئی ۔ مگر ابھی تک آپ کا صحیح پتہ نہیں لگا ۔

باب چہارم

کردار و شخصیت

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

میرے محبوب شیخ!

پیکرِ صدق و صفا ——— مجسمۂ علم و عمل

مولانا قاضی فضل اللہ جان حقانی ۔ ایڈوکیٹ

واجب الوجود نے ممکنات کی دنیا اپنی معرفت کے لئے تخلیق فرمائی ہے ۔ حدیث قدسی میں ہے "کنت کنزاً مخفیاً فاردت ان اُعرف فخلقت خلقاً لاُعرف" میری ذات ایک مخفی خزانے کی مانند تھی میں نے اپنی معرفت کا ارادہ فرمایا سو اس کے لئے مخلوقات کی تخلیق کی۔

اب انہی ممکنات کا وجود شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی کے نزدیک وجود نہیں بلکہ ظل الوجود ہے ۔ وہ ممکن کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ الممکنات ماتحت رائحۃ الوجود یعنی یہ کہ انہیں وجود کی صرف بُو لگی ہو دیگر علماء فرماتے ہیں کہ ممکن مستاوی الطرفین ہوا کرتا ہے ۔ یعنی اس کا وجود اور عدم برابر ہے جبکہ واجب الوجود کا وجود ضروری عدم محال اور شریک الباری کا عدم ضروری اور وجود ممتنع ہے ۔

انہی ممکنات میں زمین و آسمان اور اس میں موجود سب کچھ شامل ہیں ۔ لیکن ان کے انواع میں تفاوت ہے ۔ اور پھر انواع کے تحت افراد میں فرق ہے ۔ نوع کے اعتبار سے انسان کو مقام ارفع و اعلیٰ عطا کیا گیا ہے اور اسے خلیفۃ اللہ فی الارض کہا گیا ہے ۔ فرمایا

"واذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ"

سو اس کو مکرم و اشرف بنا دیا گیا ۔ بنسبت دیگر مخلوقات کے ۔ پھر اس نوع کے افراد میں فرق کا ہونا ایک لازمی اور منطقی امر ہے ۔

نہ ہر زن زن است نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نکرد

انہی افراد میں سے بعض افراد اپنی ذات کے اعتبار سے کئی سارے کمالات و صفات کے حامل ہوتے ہیں ۔ جن کا وجود رحمت اور عدم باعث نقصان عظیم ہوتا ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے باکمال افراد کی وفات کو عالم کی موت گردانا ہے ۔ فرمایا گیا ہے

" موت العالِم موت العالَم "

انہی باکمال افراد میں سے ایک ہمارے شیخ و آقا و مولا حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ تھے ۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب تحصیل صوابی کے موضع زروبی کے ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے ۔ دریائے سندھ کے کنارے تربیلہ ڈیم سے چند میل کے فاصلے پر یہ گاؤں مدتوں سے علم و فضل کا گہوارہ آ رہا ہے ۔ حضرت مولانا اپنے دور کے مشہور زمانہ اساتذہ سے مستفید ہو کر بالآخر علمی افق کے شمس نصف النہار دارالعلوم دیوبند پہنچ گئے اور وہاں کے مشائخ کبار بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا ابراہیم بلیاوی ؒ ۔ حضرت مولانا اعزاز علیؒ اور دیگر اکابر سے استفادہ کرتے رہے ۔ اپنے اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے بعد حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ سے زیادہ متاثر تھے ۔ اور اسی بنیاد پر اپنے بڑے اور قابل و ہونہار فرزند کا نام بھی محمد ابراہیم رکھا ۔ جو آج کل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ایک استاد، بہترین ادیب

ادیب اور اچھے شاعر ہونے کے ساتھ حضرت مولانا مرحوم کے علوم کے امین الولد سرٌّ لابیہ کے مصداق ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ اگرچہ زمانہ طالب علمی سے بیمار چلے آرہے تھے لیکن اس کے باوجود آپ نے دینی مشاغل میں کبھی اپنی بیماری کو حائل نہیں ہونے دیا۔

دارالعلوم حقانیہ میں زمانہ تلمذ کے دوران راقم الحروف کا یہ امتیاز رہا کہ صبح سویرے آپ کی رہائش گاہ واقع دارالعلوم حقانیہ جاکر آپ کے ساتھ کتاب لے کر آپ کی معیت میں دارالحدیث آتا۔ راستہ میں آپ کوئی علمی نکتہ بیان فرماتے اور کبھی کوئی سیاسی بات کرتے۔

سیاسی میدان میں حضرت مولانا السید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ صلاحیتوں کے معترف تھے۔ ایک بار راقم نے حضرت مفتی صاحب اور اس وقت کے وزیر اعظم بھٹو کے متعلق ان کی باہمی بات چیت کے متعلق کچھ عرض کیا۔ حضرت مولانا مرحوم نے پشتو کا ایک شعر پڑھا کہ ؎

هر قلندر ته سکندر د پچ وزر نه کاری
نادانه ته د لیو نو حقیقت خه پیژنې

دارالعلوم حقانیہ میں آپ کے رعب وجلال کی شان ہی امتیازی اور منفرد رہی۔ خود حضرت مولائی و سندی مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ العالی آپ سے نہایت عزت واحترام سے پیش آتے۔ طلبا کو جو کبھی کبھار دارالعلوم کے دارالحدیث کے سامنے والے برآمدے یا باغیچہ میں گھوم رہے ہوتے تو آپ کو آتے دیکھ کر فوراً ایک طرف کھڑے ہو جاتے۔ آپ دارالحدیث پہنچ کر مسند پر جلوہ افروز ہوتے ہی حاضر طلبہ پر ایک نظر دوڑا کر معصومانہ انداز میں فرماتے۔ کہ پڑھو۔ کوئی طالب علم جس کو اپنی عربیت پر اعتماد ہوتا وہ بھی جھجک محسوس کرتے ہوئے عبارت شروع کرتے۔ آپ قاری کو آواز دیئے بغیر فوراً متعلقہ عنوان پر کہنا شروع کر دیتے کہ اس باب میں حضرت امام مسلمؒ مثلاً حدیث المصراۃ کو مختلف طرق سے نقل فرماتے ہیں۔

آپ پہلے ان طرق کا اجمالی تذکرہ کرتے۔ بعد ازاں متن کے مسئلہ پر محدثانہ فقاہت کے انداز سے بحث کرتے۔ جملہ اختلافی اقوال ومذاہب کو ان کے دلائل سمیت ذکر کرتے اور پھر امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کو راجح انداز سے ثابت کرکے دیگر کے دلائل کے جوابات دیتے۔ فرماتے کہ حضرت امام العصر علامہ السید انور شاہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ بھائیو تجسس کرو۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے لئے دلائل نکالو اور اس کو اصوب المذاہب محتمل الخطاء ثابت کرو۔ مذاہب ائمہ اربعہ اور تقلید پر طعن کرنے والے لوگوں کا تذکرہ کبھی کبھار شتر بے مہار کے الفاظ سے کرتے اور فرماتے ان کو فقاہت سے کیا تعلق؟ الناس اعداء لما جهلوا۔

ایک دن راقم نے عرض کیا کہ حضرت! عصر حاضر میں "اجتہاد ایک اہم ضرورت" کے عنوان سے مقالے لکھے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس دور میں اجتہاد جزئی یعنی نو پید مسئلہ میں فقہا کرام کے وضع کردہ قوانین و قواعد کی روشنی میں واقعی دین کی خدمت ہوگی لیکن جو لوگ یہ مقالے لکھ رہے ہیں یہ تو خلوص نیت پر نہیں بلکہ اپنے لئے آسانی کے راستے نکال کر دین کو بازیچۂ اطفال بنانا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد دین کا حلیہ بگاڑنا ہے۔ فرمایا کہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ

ان رحی الاسلام دائرۃ فدوروا مع الاسلام حیث دار"

دین کی چکی گھومنے والی ہے۔ اسلام کی اس چکی کے اتباع میں آپ بھی گھومیں۔ لیکن یہ مفکرین دین کی چکی کے ساتھ پھرنے کی بجائے چکی کو اپنے گرد گھمانا چاہتے ہیں اور یوں اتنا عظیم قلب موضوع کر رہے ہیں کہ خطرہ ہے کہ قیامت بپا ہو جائے۔

قیامت کے ذکر کے ساتھ ساتھ آپ کی بات آئی۔ بخاری شریف کے جلد ثانی کے درس کے دوران آپ نے قیامت کے متعلق فرمایا کہ دیکھو۔ ڈرائیور جو سڑک پر گاڑی چلاتا ہے اس کے لئے کچھ رہنما اصول کہتے ہیں وہ اس کا پاس رکھے گا تو خطرات سے محفوظ رہے گا اور ان اصولوں کو پامال کرے گا تو مہلک حادثہ رونما ہوگا۔ نظام کائنات کو باقی رکھنے کے

لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے کچھ قواعد و ضوابط بناتے ہیں ان کو اپنائیں گے تو نہ صرف یہ کہ خود محفوظ رہیں گے بلکہ نظام کائنات چلتا رہے گا۔ اس کو پامال کریں گے تو قیامت کی شکل میں ایک عظیم حادثہ رونما ہوگا۔ اور فرمایا کہ یہی معنی ہے فرمانِ رسول ؐ کا کہ

لا تقوموا الساعۃ الا علی شرار الناس (الحدیث)

قیامت تب قائم ہوگی جب صرف قانون پامال کرنے والے رہ جائیں گے۔

مسلم شریف کی کتاب الایمان کے درس میں آپ پر وہ کیفیت طاری ہوتی جو کسی نے رازیؒ و غزالیؒ کے درس کے متعلق سنا ہو۔ بعض طلبا حضرتؒ کو وقت کے رازیؒ و غزالیؒ کہا کرتے۔ آپ کے الفاظ نہایت مختصر مگر جامع ہوتے۔ کبھی کبھار کوئی طالب علم آپ سے درس کے دوران آپ کے الفاظ مجمل کی تشریح طلب کرتے تو آپ جواب دیتے کہ بھائی مسلم شریف کا درس ہے۔ میری باتوں کا نہیں کہ میں اپنی ہی باتوں کی تشریح پر تشریح کرتا رہوں۔

کسی طالب علم نے ایک بار آپ سے حدیث کی ایک لغت کے متعلق پوچھا۔ آپ نے جواب دیا بھائی مسلم شریف ہے۔ دورہ حدیث ہے۔ مقامات اور متنبی کا درس نہیں ہو رہا۔

آپ کی کتاب الایمان کا درس نمایاں اور ممتاز خصوصیات کا حامل ہوا کرتا۔ علم کلام کے دقائق کو حیران کن انداز سے سلجھاتے۔ اشعریہ اور ماتریدیہ کے مسلک کو اس انداز سے ثابت کرتے کہ شبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ علما تصوف میں حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی کے اقوال کا اور شیخ نجم الدین کبریٰ کے فرامین کو استدلال میں پیش کرتے شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا نام نہایت عقیدت اور احترام سے لیتے اور فرماتے کہ ہو جبال العلم۔ راقم نے عرض کیا۔ حضرت! ہو جبل العلم۔ فرمایا نہیں۔ وہ تنہا کئی سارے جبال کی مانند تھے ع

وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے

مسئلہ تقدیر پر تقریر کرتے وقت فرمایا کہ تقدیر پر اتنی بحث جائز ہے جو کچھ ہم نے کیا اس کے سوا کج روی اور تمزندق ہوگا۔ اور وہ بحث شارعؑ نے منع فرمائی ہے۔ راقم نے عرض کیا یہ منع کیوں فرمایا ہے با تحقیق اور تدقیق کے دروازے کھلے رہنے چاہئیں۔ جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ دیکھئے ایک ہیں حواس خمسہ ظاہرہ اور اس کے علاوہ انسان کے دماغ میں ایک اور چیز ودیعت کی گئی ہے جس کی تعبیر فلاسفہ حواس خمسہ باطنہ سے کرتے ہیں اور اہل شرع ان تمام کو عقل و فکر سے تعبیر کرتے ہیں تو بعض چیزوں کا ادراک حواس خمسہ ظاہرہ سے ہوتا ہے۔ جیسے مبصرات مشمومات وغیرہ۔ اور ان کے ادراک سے ماوراء چیزوں کا ادراک عقل کرتا ہے۔ تو جس طرح حواس خمسہ ظاہرہ کے ادراک کا ایک مخصوص اور محدود میدان ہے جس سے اس پار نہیں تو اس طرح عقل کا بھی ایک محدود اور مخصوص میدان ہے جس سے اس پار عقل کی گاڑی نہیں چل سکتی۔ تو تقدیر کا مسئلہ از قبیل مدرکات حواس خمسہ ظاہرہ ہیں۔ تو اس کے لئے عقل سے استفادہ کیا جائے گا۔ حالاں کہ تقدیر کا مرحلہ عقل کے محدود میدان سے اس پار شروع ہوگا۔ اب جب کہ حواس خمسہ ظاہرہ اور عقل تمام بے بس ہیں تو لامحالہ ایک تیسری چیز کا سہارا لینا ہوگا اور وہ چیز شریعت اور شارع ہے تو آپ نے صرف وہی کچھ لینی ہے جو شارعؑ اور شریعت نے بتائی ہو۔

جبر و قدر پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان نہ تو بالکل بے بس ہے جیسا کہ جبریہ کہتے ہیں اور نہ مکمل مختار۔ اور خالق افعال ہے۔ جیسا کہ قدریہ کا مذہب ہے۔ بلکہ اس کے بین بین ہے۔ اس کے بارے میں حضرت علی کا ایک قول نقل فرمایا۔ کہ آپ سے ایک آدمی نے پوچھا کہ نہ مجبور نہ مختار اس کا بلکہ بین بین۔ اس کا تصور کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ اٹھ کے ایک پاؤں اٹھاؤ۔ اس آدمی نے ایسا ہی کیا۔ پھر کہا اسی حالت پہ قائم رہ کہ دوسرا پاؤں بھی اٹھاؤ۔ اس نے کہا یہ نہیں کر سکتا۔ اور ساتھ ہی کہا کہ بات سمجھ میں آگئی ــــ مسلم شریف کے

درس کے دوران نووی کی تحقیق پر فتح الملہم کی تحقیق کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے علمائے دیوبند وہی لوگ ہیں جنہوں نے دین کے لئے ہر میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ اور یہ ان تمام کی ولایت کی دلیل ہے۔ ہاں اگر ولایت دھندا اور کاروبار چلانے اور دین کے نام پر کاروبار سجانے کا نام ہے تو یہ وہ ولی نہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

کار شیطاں میکند نامش ولی

گر ولی این است لعنت بر ولی

فرماتے ہیں کہ ایک تصوف او رصفا سے ماخوذ صوفی ہے اور وہ وہی لوگ ہیں جو سنت نبوی کے تابع اور عشق رسول ﷺ سے سرشار ہیں۔ اور ایک وہ ہے جو صُوف (اُون) سے بنے بنائے قیمتی جبّے اور قبّے پہنتے ہیں اور سنّت نبوی سے کوسوں دُور۔ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں مولانا غلام اللہ خان مرحوم بہتر جہاد لڑتے ہیں۔ مولانا غلام اللہ خان صاحب خالص دینی اُمور میں جلالی اور مولانا غلام غوث ہزاروی خالص سیاسی امور میں جلالی ہیں۔

درس کے دوران کوئی طالب علم کوئی غیر موزوں اور کوئی غیر متعلقہ سوال یا مسئلہ پوچھتے تو اس کی طرف دیکھ کر اس کے ساتھ بیٹھنے والے ساتھی سے پوچھتے کہ دیکھو اس کے بغل میں کوئی درانتی وغیرہ تو نہیں۔ کبھی پُرجلال لہجہ میں فرماتے کہ بھیڑوں کا ریوڑ چھوڑ کے آئے ہو یا تبرک حاصل کرنے کے لئے بیٹھے ہو۔ سہ ماہی امتحان میں راقم کو مسلم شریف کے پرچہ میں ایک سو دو نمبر دیئے۔ میں نے خود حضرتؒ سے عرض کیا۔ حضرت یہ سو کے اوپر دو نمبر کس چیز کے ہیں۔ فرمایا۔ یہ حوصلہ افزائی کے نمبر ہیں۔

اگر کوئی طالب علم آپ سے کوئی سوال وغیرہ پوچھتے تو پہلے الزامی جواب دیتے۔ اس کے بعد اگر وہ سوال تحقیق طلب ہوتا تو پھر اس پر سیر حاصل بحث فرماتے۔ لیکن عموماً الزامی جواب دے کر سائل کو مطمئن کرتے۔ اور بے ہودہ سوالات کا سختی سے نوٹس لیتے۔ چنانچہ درس

بخاری شریف کے دوران ابوجہل کے متعلق فرمایا کہ
کان یلقب بابی الحکم۔ اس کی تشریح میں کہا کہ ابوالحکم اس لئے کہ اس کا فیصلہ اور قول آخری اور حتمی ہوتا۔ کسی کو اس کی بات رد کرنے کی جرأت نہ تھی۔ پھر فرمایا کہ فسماہ النبی اباجہل او راس لفظ ابوجہل پر مزید کچھ نہ کہا۔ ایک طالب علم نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو ابوجہل کے لقب سے کیوں ملقب کیا۔ آپ نے برجستہ جواب دیا۔ اس لئے کہ وہ بہت بڑا عالم تھا۔ اور یوں اس طالب علم کو الزامی اور مسکت جواب مل گیا۔

لاہور میں ہمارے مدرسے کا جلسہ تھا جس میں ہمارے چند ساتھیوں کی دستار بندی کا پروگرام بھی تھا۔ اکابر علمائے کرام تشریف لائے تھے۔ دستار بندی کے وقت چونکہ راقم نظامت جلسہ کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ اور راقم کا نمبر سب سے بعد میں آنا تھا۔ ہمارے ایک برادر مولوی فضل محمد صاحب کا نام راقم نے پکارا۔ اس کی دستار بندی ہوئی۔ اور پھر مائیک پر بندہ کا نام پکارا گیا۔ فضل اللہ۔ آپ نے فوراً فرمایا۔ کیا وجہ ہے کہ آج ترتیب ساقط ہے فضل محمد پہلے اور فضل اللہ بعد میں۔

اس جلسے میں آپ بیماری، نقاہت اور ضعف کے باوجود تشریف لائے تھے۔ جونہی آپ آئے بندہ نے مصافحہ کیا۔ آپ کو بخار تھا، نبض میں حدّت تھی۔ اور سارا بدن پسینہ ہی پسینہ تھا۔ میں نے عرض کیا حضرت آپ کو اتنی تکلیف ہو رہی تھی، آپ تشریف نہ لاتے تو........ آپ نے فرمایا۔ کہ بھائی حدیث شریف میں حقوق المسلم علی المسلم کا ذکر ہے اس میں ہے کہ اذا دُعی اجاب۔ اگر ہم صرف پڑھاتے رہیں اور عمل نہ کریں تو اس پر عمل کرنے والے فرشتے تو نہیں آئیں گے عمل تو ہم پڑھنے اور پڑھانے والوں نے کرنا ہے۔ اور پھر اوروں سے کروانا ہے۔

رات گذارنے کے بعد جب صبح یہی اکابر رخصت ہو رہے تھے۔ چونکہ مدرسہ گاؤں کے آخری حصہ میں تھا اور اڈہ جانے کے لئے گلیوں اور کوچوں میں سے گذرنا ہوتا تھا۔ آپ نے

فرمایا بفضل اللہ! میں نے کہا جی! فرمایا۔ نئے آنے والے طلبہ کے ساتھ تو آپ نے ایک مہینہ آنا جانا ہوگا۔ اس لئے کہ ان بھول بھلیوں کا تو راستہ تلاش کرنا آسان نہیں۔

بالاختصار حضرت الشیخ کی ہر ہر ادا بذات خود ایک مستقل عنوان ہے جس پر کچھ نہ کچھ لکھنا تو چاہئے ؎

زفرق تابقدم ہر کجا کہ مینگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا ایں جا است

اس مختصر مضمون کو ابو تمام کے ان دو اشعار پر ختم کرتا ہوں جو اس نے کسی کی موت پر بطور مرثیہ کہے ہیں ؎

راحت وفود الناس عن قبره   فارغة الایدی ملائی القلوب
قد راعها ما رزئت انما   یعرف فقد الشمس عند المغیب

کسی کی عظمت اور مرتبے کا احساس اس کے اٹھ جانے کے بعد کیا جاتا ہے ع

مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

رحمہ اللہ

ایک نابغۂ روزگار
قوس قزح ہفت رنگ

از حافظ محمد ابراہیم فانی

حضرت صدر صاحب قدس سرہٗ گوناگون صفات اور بوقلمون حیثیات کے مالک تھے۔ آپ کی مثال اس قوس قزح کی طرح تھی جس میں مختلف رنگوں کا حسین امتزاج ہر ناظر کو دعوتِ نظارہ دے رہا ہو۔ اگر آپ کی شخصیت سے ایک گلبن و گلزار ہزار لالہ وگل یکنار سے تعبیر کریں تو بے جا نہیں۔ ذیل میں ہم آپ کی شخصیت کی مختلف حیثیتوں کا جائزہ انتہائی اجمال و اختصار سے لیتے ہیں۔ ورنہ آپ کی یہ ہر حیثیت علیحدہ مضمون کا متقاضی ہے۔ ع

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر
ادائیں لاکھ اور بے تاب دل ایک

بحیثیت مفسر: آپ کا مقام بحیثیت مفسر انتہائی ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس لئے کہ جب سے آپ نے تدریسی زندگی کا آغاز کیا ہے۔ ابتدائی چند سالوں کے علاوہ تفسیر بیضاوی تادم واپسیں آپ ہی کے زیر درس رہی۔ اور جس جلالی شان و شکوہ سے آپ یہ تفسیر پڑھاتے۔ گویا آپ ہی اس کے پڑھانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس وجہ سے دور دراز سے طالب علم صرف آپ کے درسِ بیضاوی کے لئے مدرسہ میں داخلہ لینے کے لئے آتے۔ ہر مفسر کے مقام و مرتبہ سے آشنا اور اس کی تفسیر کے بارے میں اپنی صائب رائے کا اظہار فرمانے کے ساتھ ساتھ

اس کی خصوصیات و امتیازات کا ذکر کرتے چنانچہ متقدمین میں امام رازیؒ امام قرطبی۔ ابن کثیر اور علامہ آلوسی بغدادی کی تفاسیر کو ترجیح دیتے اور متاخرین میں تفسیر مظہری اور شاہ عبدالعزیز کی نامکمل تفسیر کے از حد مداح تھے۔ اس طرح تفسیر بیان القرآن از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ تفسیر حقانی۔ علامہ عثمانی کے تفسیری فوائد اور تفسیر معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کو پسند فرماتے۔ فرمایا کہ تفسیر معارف القرآن میں مولانا کاندھلوی کا متکلمانہ رنگ جھلکتا ہے [1]

---

[1] مقدمہ معارف القرآن میں مولانا کاندھلوی رقمطراز ہیں:-
تو اب ضرورت اس کی ہوئی کہ بیان القرآن کے طرز پر ایک ایسی تفسیر لکھی جائے کہ جو مطالب قرآنیہ کی توضیح و تشریح اور ربط آیات کے علاوہ قدرے احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہؓ و تابعین پر اور بقدر ضرورت لطائف و معارف اور نکات و مسائل مشکلہ کی تحقیقات اور ملاحدہ و زنادقہ کی تردید اور ان کے شبہات و اعتراضات کے جوابات پر بھی مشتمل ہو تاکہ کلام خداوندی کی عظمت و شوکت اور اس کی جامعیت اور اس کے اعجاز کا کچھ نمونہ نظروں کے سامنے آجائے۔ پھر یہ کہ وہ ترجمہ اور تفسیر سلف صالحین کے مسلک سے ذرہ برابر ہٹا ہوا نہ ہو۔ عہد نبوت اور عہد صحابہ و تابعین سے لے کر اس وقت تک امت کے علماء ربانیین اور راسخین فی العلم نے جس طرح قرآن حکیم کا مطلب سمجھا ہے اسی طرح امانت کو بلا کسی خیانت کے مسلمانوں تک پہنچا دیا جائے۔

اس فقیر و حقیر کی یہ تفسیر گداگر کی جھولی ہے کی طرح ہے کہ جو قسم قسم کے کھانوں اور طرح طرح کے نوالوں سے لبریز ہے کوئی اس گدائے بے نوا سے پوچھے کہ تیرے پاس یہ قسم قسم کے کھانے کہاں سے آئے تو وہ جواب میں یہ کہے گا کہ میں گدائے بے نوا ہوں مگر بادشاہوں اور امیروں کے دروازوں پر بھیک مانگتا ہوں اور وہاں سے جو ملتا ہے وہ سب کے سامنے لاکر رکھ دیتا ہوں جسے جو کھانا اچھا معلوم ہو وہ کھالے یہی حال علم کے اس گدائے بے نوا کا ہے۔ اس تفسیر میں جو کچھ بھی علم ہے وہ سب کا (باقی اگلے صفحہ پر)

بحیثیت متکلم | جس وصف نے آپ کی شہرت کو کمال اور اوج ثریا تک پہنچایا وہ آپ کی شان تکلم ہے۔ آپ کو دیکھ کر امام ابوالحسن اشعری امام ماتریدی۔ علامہ تفتازانی قاضی عضد الدین ایجی میر سید سند شریف اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کا نقشہ چشم تصور کے سامنے آجاتا۔ اسی شان تکلم کو دیکھ کر ان متکلمین اسلام کی عظمت اور جلال دلوں میں جاگزیں ہو جاتی اور بے ساختہ زبان پکار اٹھتی ع

وہ دریا کیسا ہو گا جس کے قطرے یہ سمندر ہیں

بخاری شریف میں جب آپ کتاب الرد علی الجہمیہ جیسی مباحث کی تشریح فرماتے تو عجیب کیفیت سے طلبہ سرشار ہو جاتے اور انسان حیران رہ جاتا کہ یہ کسب استعداد کی کرشمہ سازی ہے یا وہبی لطائف غیبی۔ اسی طرح مسلم شریف میں مسئلہ تقدیر مسئلہ رویت باری تعالیٰ اور مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام میں جو داد تحقیق دیتے۔ اور ان مسائل میں اہل سنت والجماعت اور معتزلہ وغیرہ کے مسالک میں عجیب انداز سے امتیاز فرماتے۔ اہل ذوق اس سے پوری طرح لطف اندوز ہوتے۔

بیضاوی شریف کے درس کے دوران مسئلہ تکلیف بمالایطاق میں اشاعرہ و ماتریدیہ اور اسی طرح معتزلہ و خوارج کے اختلافات اور ان کی آراء کی تشریح فرماتے اور پھر اپنی فصاحت و بلاغت سے ان ادق مسائل کو انتہائی سادہ و دلنشیں انداز میں پیش کرتے۔

اسی طرح بیضاوی شریف میں قاضی بیضاوی پر سوال وارد ہوتا تھا کہ آپ نے یہ

بقیہ حاشیہ: سب خسروان علم و حکمت کے دستر خوانوں کی بھیک ہے۔ میں نے ان دروازوں کے نام بھی ظاہر کر دے ہیں۔ جہاں سے یہ بھیک ملی ہے۔ تاکہ اگر کسی کو اور کچھ مانگنا ہو تو براہ راست مانگ لے!

کہا ہے "وبعدُ فان اعظم العلوم مقداراً وارفعها شرفاً ومناراً علم التفسیر الذی هو رئیس العلوم الدینیة ورأسها ومبنی قواعد الشرع واساسها الخ"

قاضی صاحب آپ کا یہ دعویٰ صحیح نہیں اس لئے کہ تمام علوم میں اہم علم علم التفسیر نہیں بلکہ علم کلام ہے۔ اس لئے کہ علم کلام میں وجود باری، اللہ تعالیٰ کے لئے تکلیم کے اثبات اور ارسال رسل ووحی کی بات ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے لئے وجود اس کے لئے صفت تکلیم اور ارسال رسل ووحی ثابت ہو جائے تب کہا جائے گا کہ القرآن کلام اللہ بعد میں تفسیر و علم تفسیر کا درجہ ہے۔ اس سوال کے جواب میں آپ اپنے مخصوص جلال وجبروت کے ساتھ ضرورت و اہمیت علم کلام پر بحث فرماتے۔ فرمایا کہ بعض ائمہ سے یہ بات منقول ہے کہ من تکلم فقد تزندق یہ اس زمانے کی بات ہے جب لوگوں کے عقائد صحیح تھے اور بغیر کسی دلیل وحجت کے بات مانتے لیکن اب زمانہ بدل چکا ہے۔ ایک ایک بات کے لئے آپ کو دس دس دلائل دینے پڑیں گے۔ اس لئے آج کل اس علم کی اشد ضرورت ہے۔

تلویح وتوضیح اور مسلم الثبوت کے مسائل کلامیہ میں ان کا جوش وجذبہ دیدنی ہوتا تلویح میں حسن وقبح کے شرعی وعقلی میں اشاعرہ وماتریدیہ اور معتزلہ کے مذاہب کے بیان وتشریح میں تحقیق کا حق ادا کرتے اور وما کنا معذبین حتّٰی نبعث رسولا میں اسی اختلاف کی طرف اشارہ فرماتے۔ باقی رہی بات شرح عقائد نسفی وجلالی اور خیالی کی۔ تو یہ تو اس فن کی کتابیں ہیں چنانچہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمہ اللہ کے بارے میں یہ شعر مشہور ہے ؎

نعم عبدالحکیم از فکر عالی بحل آرد خیالات خیالی

اگر اس شعر میں (شاعر کی روح سے معذرت کے ساتھ) یوں ترمیم کی جائے تو بے جا نہیں ؎

نعم عبدالحلیم از فکر عالی بحل آرد خیالات خیالی

بحیثیت محدث | مسلم شریف اور بخاری شریف جیسی عظیم کتابوں کی تدریس کے دوران

آپ کا محدثانہ رنگ اپنی پوری جلوہ طرازیوں کے ساتھ سامنے آتا۔ کیونکہ وہ نہ صرف ایک بہترین محدث بلکہ علم حدیث کے عظیم الشان ناقد محقق اور شارح بھی تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ان تمام اوصاف وخصوصیات سے متصف تھے۔ جو کہ ایک عالی مرتبت محدث کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ چنانچہ درس حدیث کے دوران جہاں آپ جرح وتعدیل اور اسماء الرجال سے بحث فرماتے۔ وہاں پر روایت کے ساتھ ساتھ درایت وتدبر کی بھی پوری رعایت ملحوظ رکھتے اسماء الرجال سے تو اس لئے بحث فرماتے۔ کہ اس علم کے بغیر احادیث کی تدریس کما حقہ نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ مولانا انظر شاہ، صاحب کشمیری نقش دوام صہ ۲۹۲ پر رقمطراز ہے۔

" نہ جاننے والوں سے تو کیا عرض کیا جائے۔ جو جانتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ حدیث کا نصف علم رجال سے متعلق ہے۔ حدیث کی قبولیت وعدم قبولیت، صحت وضعف اور اسی قبیل کے دوسرے فیصلے داخلی پہلو سے ہٹ کر خارج میں رجال ہی پر موقوف ہیں کس درجہ کی ہے وہ شخصیت جو سلسلہ سند میں موجود ہے اس کا پایہ علمی ثقاہت حفظ وذکار، احتیاط و ورع تقویٰ ودیانت اور حدیث کے قبول کرنے کی وہ تمام شرائط جو ان میں ہونی چاہئیں۔ کیا اس میں موجود ہیں یا نہیں۔ فن رجال کی روح ہے"

علاوہ ازیں تحقیق مناط تخریج مناط اور تنقیح مناط جیسے غامض مصطلحات کا ذکر آتا۔ اس کا بھی بھرپور حق ادا کرتے۔ روایت کے ساتھ ساتھ تدبر ودرایت کو بھی بروئے کار لاتے۔ چنانچہ کتاب البیوع میں المتبایعان بالخیار مالم یتفرقا میں حضرات شوافع کے مستدل کے تقریباً دس گیارہ دلائل منقولہ وروایتی سے جواب دیتے وہاں پر بطور درایت یہ بھی فرماتے۔ کہ اگر شوافع دیگر ائمہ کے نزدیک خیار مجلس کی صورت میں اگر بیع کی حقیقت و ماہیت متحقق ہوتی ہے۔ جو کہ مبادلة المال بالمال بالتراضی ہے۔ تو پھر مسئلہ ختم ہے اس لئے جب بیع کی حقیقت متحقق ہوئی تو لا محالہ بیع کو منعقد مانیں گے۔ اور اگر کسی دوسری چیز مثلاً مجلس کے اختتام تک اس کو موقوف رکھیں —— —— تو اس صورت میں

مجبولیت ذاتی لازم آتی ہے[1] اور وہ باطل ہے۔

بحیثیت ماہر اصول الفقہ ظاہر ہے کہ جس ہستی نے اپنی تدریسی زندگی کا بیشتر حصہ تلویح و توضیح اور مسلم الثبوت جیسی مغلق کتابوں کی تدریس میں گذارا ہو وہ کیوں اصول الفقہ میں ماہر نہ ہوگا۔

مزے کی بات یہ ہے کہ اصولِ فقہ علم الکلام کے طرز پر پڑھاتے اور بادی النظر میں طالب علم کو اشتباہ ہوتا کہ آپ شرح عقائد پڑھا رہے ہیں یا اصول فقہ کی کوئی کتاب، تلویح توضیح میں جب اشاعرہ کا ذکر آیا تو آپ نے امام اشعری کے تعارف کے ساتھ امام ابومنصور ماتریدی کا بھی ایسا ہی جامع تعارف فرمایا۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی وضاحت فرمائی کہ علم الکلام میں احناف امام ماتریدی کے معتقد اور مقلد ہیں۔ پھر فرمایا۔ کہ امام ماتریدی کے نام کو بنسبت امام اشعری اس وجہ سے شیوع حاصل نہ ہوا۔ کہ علم الکلام میں اکثر تصانیف شوافع کی ہیں۔ اور وہ عقائد میں امام اشعری کے مقلد ہیں اس کے بعد پھر وہ اہم مقامات بتائے اور ان کی نشاندہی کی جن میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کا آپس میں اختلاف ہے۔

بحیثیت فقیہہ امام حسن بصریؒ کے نزدیک حقیقی فقیہہ کی تعریف سے تعبیر صاحب در مختار نے یوں کیا ہے:۔

وعند اهل الحقيقة الجمع بين العلم والعمل لقول الحسن البصرى انما الفقيه المعرض عن الدنيا الزاهد فيها الراغب فى الآخرة البصير بعيوب نفسه

اور اصطلاح فقہا میں فقیہہ اس شخص کو کہتے ہیں:۔

وعند الفقهاء حفظ الفروع واقله ثلاث انتهى وفى التحرير كما فى

---

[1] مجبولیت ذاتی منطقیین مي تخلل الجعل بين الذات والذاتيات او الملزوم واللوازم (فاقی)

الشامی نقلا عنه ان الشائع اطلاقه على من يحفظ الفروع مطلقا يعنى سواء كانت بدلائل اولا۔

حضرت صدر صاحب قدس سرہٗ ان دونوں تعریفین کے جامع تھے۔ ہزارہا مسائل فرعیہ جزئیہ فقہیہ آپ کے حافظہ میں محفوظ تھے۔ اس طرح فتاوٰی کی کتابوں میں معتبر فتاوٰی اور فقہاء کے مختلف طبقات اور ان کے مقام و مرتبہ سے آشنا تھے۔ نہ صرف فقہ حنفی میں آپ کی نظر اجتہادی تھی۔ بلکہ دیگر مذاہب کے فتاوٰی اور ان کے فقہاء کے مرتبہ شناس تھے۔

بحیثیت امام المعقول جس طرح کہ آپ علوم نقلیہ و شرعیہ اور عربیہ میں ایک خاص منفرد مقام کے حامل تھے اسی طرح علوم معقول میں بھی آپ اجتہادی فکر و نظر کے مالک تھے اور دوران تدریس منطق کے مغلق اصطلاحات سے آسان الفاظ میں تعبیر فرماتے۔ یہ ایک ایسے عالم کا کام ہے جو ماہر فی الفن ہو منطق کی اکثر کتابیں آپ کے زیر درس رہی ہیں مثلاً سلم العلوم۔ میرزاہد۔ قاضی وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ سلم العلوم کا اکثر حصہ آپ کو حفظ اکثر اور علوم عربیہ نقلیہ میں اکثر اس کے اصطلاحات استعمال فرماتے۔ جس سے کتاب کی حیثیت اور درس کی لذت دو آتشہ ہو جاتی۔ چنانچہ آپ ان علماء کو جو منطق کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے اور اس فن کو موجودہ دور میں بالکل ایک مہمل فن سے تعبیر کرتے تھے ان کے سخت خلاف تھے۔

بحیثیت مؤرخ علم تاریخ کے ساتھ آپ کو خصوصی شغف رہا اور ہزارہا تاریخی وقائع و نوادر آپ کو یاد تھے۔ تاریخ ابن کثیر ابن اثیر النہایہ۔ تاریخ بغداد وغیرہ کتب کا اکثر مطالعہ فرماتے۔ حضرات خلفائے راشدین اور دیگر خلفاء بنی امیہ و بنی عباس اور دیگر مسلمان ملوک و سلاطین کے بارے میں آپ بہت جانتے تھے۔ دور حاضر کے مسائل اور محاضرات پر بھی آپ کی نظر تھی چنانچہ مجھے ہمارے ایک رشتہ دار جو کہ اب مرحوم ہو چکے ہیں۔ انہوں نے واقعہ بیان کیا کہ میں نے کسی کتاب میں دیکھا تھا کہ قاضی کے لئے شقی ہونا ضروری ہے۔ اس نے

کہا کہ میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ شقی کا متعارف مفہوم میرے ذہن میں تھا۔ میں نے اکثر علماء سے اس بارے میں پوچھا۔ پہلے تو وہ کہتے بات ایسی نہ ہوگی۔ آپ نے غلط سمجھا ہوگا۔ میں پھر مجبوراً کتاب کا حوالہ دیتا (افسوس مجھے اس کتاب کا نام اب یاد نہیں رہا۔ خانی)

ایک دن حضرت صدر صاحب مرحوم سے میں نے پوچھا۔ انہوں نے فوراً فرمایا۔ کہ ہاں یہ صحیح ہے۔ اگر وہ شقی نہ ہو تو پھر وہ مجرموں پر مثلاً قصاص۔ رجم اور دُرّے کا حکم کیسے لگائے گا فوراً ہی میرے دل میں بات آگئی۔ کہ اصل غلطی اس لفظ کے مفہوم میں ہے۔

فرمایا۔ کہ شقی کا معنی وہ بھی ہے جو متعارف ہے یعنی بدبخت اور یہ بھی ہے کہ سخت گیر اور سنگدل۔ پھر اس پر یہ واقعہ سنایا کہ برطانیہ کی ملکہ نے اپنی مملکت میں پھانسی کی سزا منسوخ کی تھی۔ وہ تاریخ دن اور سن بھی آپ نے ذکر کیا۔ اس نے مجھے کہا کہ جس شخص کی تمام زندگی قال اللہ اور قال الرسولؐ میں گذری ہو وہ اس طرح حالاتِ حاضرہ اور تاریخ پر بھی گہری نظر رکھتا ہے۔

بحیثیت محقق صرف ونحو چونکہ علم صرف ونحو کا دیگر علوم عربیہ کے ساتھ چولی دامن کا تعلق ہے اس لئے ہر علم میں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ یا بحیثیت اعراب یا بحیثیت صیغہ وباب۔ اس بارے میں حضرت مرحوم ایک منفرد حیثیت اور مقام کے مالک تھے۔ چنانچہ آئندہ مضامین میں جا بجا اس کی جھلکیاں دی گئی ہیں۔

ایک لطیفہ۔ یہاں ہمارے علاقے میں جب مدارس اسلامیہ کا رواج نہ تھا اور صرف مساجد میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا۔ تو طالب علموں کا یہ معمول ہوتا کہ جب طلباء کا اجتماع یا اور کوئی تقریب منعقد ہوتی۔ جس میں طالب علم جمع ہوتے تو اس میں جو ذہین طالب علم ہوتا وہ کوئی صرفی نحوی یا منطقی اشکال ان کے سامنے پیش کرتا۔ یہ ایک قسم کا مناظرہ مناظرہ کے لئے چیلنج ہوتا۔ چنانچہ اسی طرح آپ کی طالب علمی کے دوران ایک طالب علم نے جس کو اس قسم کی مناظرہ بازی کا از حد شوق تھا۔ نے کافیہ میں ایک اشکال کے بارے میں سوال کیا۔

حضرت صدر صاحب مرحوم ابتدا ہی سے جلالی شان اور طبیعت کے مالک تھے آپ نے اس کو اس اشکال کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ اس پر ایسے اشکالات کی بوچھاڑ کر دی کہ آئندہ کے لئے اس نے کبھی بھی ایسی حرکت نہیں کی۔

بحیثیت ادیب ان تمام اوصاف کے ساتھ ساتھ آپ ایک بہترین ادیب بھی تھے عربی اور فارسی میں آپ کی تحریر انتہائی شستہ اور استعارات وتشبیہات سے مرصع ہوتی۔ اسی طرح فارسی مضمون بھی تلمیحات اور اشعار وغیرہ سے اس کی دلکشی دو آتشہ ہو جاتی عربی طرز تحریر میں آپ گویا قدامت پسند تھے۔ اور جدید عربی اور اس کے انداز نگارش کو بنظر استحسان نہیں دیکھتے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جدید عربی میں صرفی نحوی قواعد کا اتنا پاس لحاظ نہیں رکھا جاتا جتنا کہ پرانے وضع اور طرز تحریر میں۔ چنانچہ ایک صاحب نے بندہ کو اپنی طرف سے ایک عربی کتاب پر تقریظ کے لئے کہا۔ میں نے ایک صفحہ پر مشتمل تقریظ لکھی۔ اتفاقاً حضرت صاحب نے اس کو دیکھا، تو فرمایا :-

یہ صفحہ آپ نے لکھا ہے۔ میں نے کہا۔ کہ ہاں۔ فرمایا۔ کہ یہ آپ نے کیا لکھا ہے۔ یہ صفحہ تو تمام غلط ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ان غلطیوں کی نشان دہی فرمائیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اس میں مبتدا اور خبر کا کوئی پتہ نہیں۔ اور یہ دیکھ کر صفت اور موصوف کے درمیان پورے ایک جملے کا فاصلہ ہے میں نے عرض کیا کہ یہ کتاب جدید عربی طرز پر تحریر کی گئی ہے۔ اس لئے اسی طرز پر بندہ نے یہ تقریظ لکھی۔

علم ہندسہ وہیئت دیگر علوم کی طرح ان علوم میں بھی آپ کو کافی درک حاصل تھا اقلیدس وغیرہ کے اشکال میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اسی طرح علم ہیئت میں بھی اپنے دور کے امام تھے مسلم شریف میں مستقر شمس کے بارے میں جو اشکال وارد ہوتا ہے۔ اس پر تحقیق علاوہ نظام شمسی اور اجرام فلکی وغیرہ سے محققانہ بحث فرماتے۔ اور جس زمانے میں صعود قمر (تسخیر قمر) کا واقعہ پیش آیا تھا اور اس پر بعض علماء نے جو فتویٰ صادر کیا تھا کہ صعود

الی القمر ممکن نہیں۔ اس دوران آپ نے سختی سے اس فتویٰ پر تنقید کی۔ پھر فلک اور سما کے مابین بیان فرق کے ساتھ شمس و قمر کی ہیئت و ماہیت کی بھی وضاحت کی۔

بحیثیت حکیم حاذق تادم واپسیں آپ صغر سنی ہی سے مختلف امراض کے شکار تھے۔ اور گویا مرض آپ کے بدن کا لازمہ تھا۔ اس لئے مختلف امراض کے لئے آپ نے نسخے حاصل کئے۔ اور کبھی کبھی از راہ مزاح فرمایا کرتے کہ پرانا مریض نئے حکیم سے بہتر ہوتا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد جب آپ اپنے وطن اور گاؤں تشریف لائے تو کچھ عرصہ تک اپنی مسجد میں درس دیتے رہے۔ اور ساتھ ساتھ طب حکمت بھی فرماتے رہے۔ پھر اس کے بعد کچھ عرصہ تک مختلف مدارس میں تدریس کی۔ اور جب بیمار ہو کر دوبارہ گاؤں آئے۔ تو آپ نے مستقل مطب کھول دیا چنانچہ آپ کے پاس بہت سے امراض کے مجرب نسخے موجود تھے۔

بحیثیت عامل ان تمام اوصاف و کمالات میں سے جن سے آپ متصف تھے۔ ایک صفت یہ بھی تھی کہ آپ ایک بہترین عامل تھے۔ چنانچہ آپ جب جمعرات کو گاؤں تشریف لے جاتے تو آپ کی یہ چھٹی تقریباً تعویذات و عملیات میں گزرتی۔ لیکن آپ اکثر اس صفت کو اخفا میں رکھتے۔ خاص خاص افراد کو اس کا علم تھا۔ دفع جنات، دفع سحر، دفع قرض۔ عمل برائے فراخیٔ رزق اور اسی طرح دیگر بہت سے عملیات کے لئے آپ کے پاس لوگ آتے۔ خصوصاً دفع سحر اور جنات کے لئے تو آپ کے پاس بہت ہی مجرب عمل تھا۔ جس کی وجہ سے بہت سے بندگانِ خدا کو اس مرض سے نجات ملی۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنْ

مادرِ علمی حقّانیہ کے دامن میں

جلال و جمال کا حسین امتزاج

استاذ محترم مولانا عبدالحلیمؒ کی یاد میں چند آنسو

مولانا قاضی عبدالحلیم صاحب نجم المدارس کلاچی

آج سے کوئی ۱۸، ۲۰ سال قبل جب احقر نے دارالعلوم حقانیہ میں دورۂ حدیث شریف کے لئے داخلہ لیا تو امیر المومنین فی الحدیث حضرت شیخ مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی محبوب علمی شخصیت کے بعد مادر علمی حقانیہ کے آفتاب و ماہتاب اساتذہ میں جس شخصیت نے علمی طور پر مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ حضرت شیخ مولانا عبدالحلیم صاحب زروبیؒ کی بابرکت ذات تھی لیکن ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

کے اصول کے ماتحت حضرت شیخ اول مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ پر جمال کا غلبہ تھا اور شیخ ثانی زروبیؒ پر جلال کا رنگ چھایا ہوا تھا اور یوں حقانیہ کے دامن میں ہمیں ان دونوں شیخین کی صورت میں جمال و جلال کا حسین امتزاج بار بار دیکھنے میں آتا تھا۔ یعنی حقانیہ ع

یار ما ایں دارد و آں نیز ہم

ایک حسین مرقع تھا

ہمہ پہلو شخصیت۔ حضرت الاستاد مولانا زروبیؒ کی شخصیت ان گنے چنے اصحاب علم و

میں تھی جن کے متعلق عربی شاعر نے کہا ہے کہ ع

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی الواحد

اور جن کی وفات پر بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ؎

وما کان قیس ہلکہ ہلک واحد

ولکنہ بنیان قوم تہدما

لیکن یہ واقعہ ہے کہ حضرت کی وسیع علمی شخصیت پر یا تو کوئی لائق و فائق شاگرد لکھ سکتا ہے یا پھر حضرت" کا نسبی یا علمی جانشین برادر محترم حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب فانی مدرس دار العلوم حقانیہ ہی لکھ سکتا ہے۔ احقر نابکار اس قابل کہاں کہ حضرت کے مقام پر جامعیت کے ساتھ لکھ سکے۔ یہ تو صرف اور صرف برادر محترم مولانا فانی کے حکم پر نہایت تاخیر کے ساتھ قلم برداشتہ چند چیزیں جو اس وقت ذہن میں آ رہی ہیں غیر مربوط اور منتشر انداز سے حوالۂ قرطاس کر رہا ہوں اس خیال سے کہ حضرت شیخ" کے ذکر پر مشتمل یہ چند سطور شاید آخرت میں کام آ جائیں اور ممکن ہے بعض قارئین اور حضرت" کے تلامذہ اپنی زندگی کی بنیادوں میں ان جواہر پاروں کو رکھ لیں اور میرے لئے دوہری سعادت کا ذریعہ بن جائے فرب مبلغ اوعی من سامع!

حضرتؒ کی جلالت علمی کا ایک حسین نقش!

حضرت شیخ مولانا زروبیؒ خود ایک جید عالم تھے۔ لائق ترین مدرس علمی ماحول کے تمام نشیب و فراز سے خوب واقف، تدریس کے مشکلات اور اُن مشکلات پر قابو پانے کے اصولوں سے آشنا اور وہ یہ چاہتے تھے کہ میری جلالت علمی کی یہ امانت میرے شاگردوں تک اچھی طریق سے منتقل ہو جائے اس کے لئے ان کا پہلا مرحلہ یہ تھا کہ عبارت کی صحت پر خاص زور دیتے تھے۔ اور نحوی و صرفی قواعد ملحوظ نہ رکھنے والے طالب علم کی خوب خبر لیا کرتے تھے۔ فرماتے، عبارت سے پتہ چلتا ہے

کہ طالب علم نے رات کو کس حد تک محنت کی ہے۔ حضرتؒ کی اس ادا پر طلبہ کو بہت تکلیف ہوتی اور وہ دوسرے اساتذہ کی کتب کی عبارت خوانی تو خوشی سے کرتے تھے بلکہ اس پر سبقت حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے جھگڑتے بھی تھے یہاں تک کہ ہمارے دورۂ حدیث کے سال میں عبارت کے مسئلہ پر بعض ساتھیوں کی ایک دوسرے کے ساتھ تو تو میں میں ہوئی کہ نوبت بہ پستول رسید۔ اور ایک دن جذبات اتنے مشتعل ہوئے کہ ایک استاد حدیث کے سامنے ہی دار الحدیث کے ہال میں ہاتھا پائی ہوئی۔ لیکن حضرت مولانا زروبی صاحبؒ کی علمی جلالت کا یہ حال تھا کہ باوجود اس قدر اشتیاق عبارت کے آپ کی کتب کی عبارت کے لئے کوئی حامی نہیں بھرتا تھا۔ چنانچہ جب دورۂ حدیث شریف کے کتب کی عبارت خوانی کا مسئلہ آیا تو احقر نے بھی حضرتؒ کے رعب کی وجہ سے حضرت شیخ مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ، حضرت الاستاد مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ اور بہت شفیق و مہربان استاد مولانا محمد علی صاحب کے کتب کی عبارت خوانی تو قبول کر لی لیکن حضرت مولانا زروبی صاحبؒ کی کتاب مسلم شریف کی عبارت خوانی سے صاف انکار کر دیا۔

لیکن عجیب اتفاق کی بات ہوئی کہ جب پہلے دن مسلم شریف کے لئے حضرتؒ کے درس میں ایک صد سے زائد طلبہ نے زانوئے تلمذ تہہ کئے اور حضرتؒ نے مخصوص انداز سے فرمایا کہ چلو۔ تو عبارتوں کے لئے جھگڑنے والے اور مر مٹنے والے طلبہ پر ایک قسم کا سکوت مرگ طاری ہو گیا کوئی یہ جرأت نہیں کر رہا تھا کہ عبارت شروع کرے۔ اِدھر حضرت کا بار بار ارشاد کہ چلئے۔ اور ادھر ہم طلبہ کی جانب سے طویل سکوت ایک سنگین جرم کی صورت اختیار کر رہا تھا میں خود بھی سوچ رہا تھا اور پیچھے سے ایک رفیق نے مجھے اس انداز سے فرمائش کی کہ مجھے تعمیل کئے بغیر چارہ کار نہیں رہا۔ چنانچہ ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم کے اصول پر چلتے ہوئے میں نے عبارت شروع کر دی اور یوں حضرت کی عبارت خوانی کا یہ عظیم معرکہ پہلے دن احقر ناچیز کے ذریعہ سر ہوا اور میں نہایت مسرت کے ساتھ اس کہنے میں حق بجانب تھا کہ ع

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

حضرتؒ کے امتحان میں کامیابی

چند دن تو مسلم شریف کی عبارت خوانی میں میرے اوپر حد سے زیادہ رعب تھا اور میری یہ کوشش تھی کہ اب بھی یہ عبارت کوئی اور صاحب قرأت کرے اور میں ساتھیوں سے زبان حال کہتا تھا کہ ع

گوئے میداں سعادت درمیاں افگندہ اند

کس بمیداں درنمی آید سواراں راچہ شد

لیکن بہت ہی جلد حضرت سے مانوس ہو گیا۔ اس دوران حضرت نے میری عبارت کا امتحان بھی لے لیا کئی بار فاعل و مفعول وغیرہ صرفی و نحوی قواعد کی چھان پھٹک بھی کر لی اور ایک دن تو بہت مشکل لفظ تھا جو کسی طالب علم نے حضرت سے سبق کے درمیان استفسار کیا تو حضرت نے پوری شانِ علم کے ساتھ عینک کو آنکھوں سے اوپر کرتے ہوئے احقر کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا کہ :-

ہاں قاری صاحب" تم بتاؤ اس کا معنی، دوڑ کر جاتو رہے ہو ساتھیوں کو معنی بھی تو بتاؤ" او کما قال؛

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ معنی مجھے اللہ کے فضل سے آگیا۔ اور حضرت نے میرے بتاتے ہوئے معنی کی تصدیق فرمائی۔

بے نوری اور بنوری

دنیا جانتی ہے کہ چونکہ مادر علمی حقانیہ علوم و معارف کا مرکز ہے اور حضرت شیخ مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی عجیب شخصیت کی وجہ سے حقانیہ میں ایک تاریخی مقناطیسی کشش پیدا ہو گئی ہے۔ مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی کے ایک مخلص نے نجم المدارس کلاچی سے عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے ایک طویل قصیدہ لکھا تھا جس کا ایک شعر یہ تھا کہ ؎

جذب مقناطیس بخشیدت غفور　　　طالباں را مے کشی از دور دور

میں یہی شعر دوسرے مصرع کی ترمیم کے ساتھ اس طرح حقانیہ کے نذر کرتا ہوں کہ ؎

جذب مقناطیس بخشیدت غفور

عالماں را میکشی از دور دور

اور اس طرح یہ کہنا بھی صحیح ہو گا کہ عارفاں را میکشی از دور دور تو حقانیہ کی اس کشش کی وجہ سے روزمرہ حقانیہ میں عالموں اور عارفوں بلکہ ملک و ملت کی اہم شخصیات (جنہیں بیرون ملک شخصیات بھی ہوتے تھے) کا ورود ایک معمول کی بات بن گئی تھی۔ لیکن دیکھا یہ گیا کہ حضرت ان محافل و مجالس سے عام طور پر مجتنب رہتے تھے اس وقت تو یہ بات کچھ نامناسب سی لگتی لیکن اب پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت کی نظر کتنی وسیع تھی وہ یہ سمجھ چکے تھے کہ ع

آں مراکہ در سرائے نگاریست فارغ است

از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

یوں محسوس ہوتا ہے کہ حضرت کی عارفانہ شان کے آگے ہر وقت یہ کیفیت مستحضر تھی کہ ؎

ستم است گر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درآ

تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا بہ چمن درآ

اور اب تو یہ یقین آنے لگا ہے کہ حضرت اس مقام پر فائز تھے کہ بزبان حال محبوب حقیقی جل مجدہٗ سے اس طرح گویا ہے کہ ؎

اے خیالِ دوست اے بیگانہ ساز ماسوا

اس بھری دنیا میں تو نے مجھ کو تنہا کر دیا

لیکن ہر قاعدہ کلیہ میں استثناء بھی ایک قاعدہ کلیہ ہے بعض مشاہیر اہل علم جو شریعت و طریقت کے جامع ہوتے تھے ان کی تشریف آوری پر حضرت بھی خصوصیت سے خوشی کا اظہار فرماتے اور ان کی مجلس میں شریک ہوتے ایسے ہی ایک دلچسپ مجلس کا نقشہ دل و دماغ میں بدستور موجود ہے۔

حضرت الاستاذ مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ جب ایک مرتبہ حقانیہ تشریف لاکر دفتر میں موجود ہوتے (حضرت شیخ مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ غالباً بیماری یا کسی اور عذر کی وجہ سے تشریف نہیں لا سکے تھے) تو حضرت الاستاذ اپنی رہائش گاہ سے دفتر حقانیہ آئے اور آتے ہوئے کہا کہ :-

"حضرت میری طبیعت خراب تھی مگر طلبہ نے بتلایا کہ حضرت بنوری صاحب تشریف لائے ہیں۔ حضرت بنوریؒ نے زیر لب مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ہاں بے نوری آیا ہے تو حضرت نے فوراً فرمایا نہیں یہ تو بنظر بنوری کے قبیلہ سے ہے۔ دفتر حقانیہ میں قران السعدین کا منظر اور پھر یہ دلچسپ مکالمہ میری زندگی کے یادگاروں میں ایک عظیم یادگار ہے۔ ع

اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

رہائش گاہ کی صفائی

حضرت الاستاذؒ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے اور خود ہر سال حقانیہ میں ہزار کے لگ بھگ طلبہ کا اجتماع (تمام درجات میں) ہوتا رہتا ہے۔ حقانیہ کے مدرس اور پھر مدرس اعلیٰ کی حیثیت سے آپ سب کے استاد ہوتے تھے اور آپ کی رہائش گاہ کے بغلی کمرہ میں آپ کی خدمت ہی کے خیال سے حضرت کی رہائش گاہ میں آنا جانا رکھتے تھے۔ لیکن باہمہ جلالت علمی میں نے حضرت کو خود اپنی رہائش گاہ کی بلا تکلف صفائی کے لئے جھاڑو استعمال کرتے ہوئے دیکھا ہے یہ کام وہ عالم ہی کر سکتا ہے کہ جس کو ماوشما کی طرح دو چار ظاہری الفاظ کے معلومات نہیں بلکہ وہ علم عطا ہوتا ہے کہ جسے نور من نور اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور علم رابر جاں زنی کا معاملہ ہوتا ہے اور علم مارے ہونے کا کام نہیں کرتا۔ بلکہ یارے ہونے کا فریضہ سر انجام دیتا ہے۔ اور ان کے ہاں یہ حقیقت ہمہ وقت ظاہر و باہر رہتی ہے کہ ؎

بیخ جملہ علمہا این درست این
تا بدانی من کیم در یوم دین

حسنِ لقا حضرت کا ایک خاص وصف

ملاقات کے وقت طلاقت وجہ ایک دینی امر ہے اور حدیث پاک میں اسے نیکی سے تعبیر کیا گیا ہے من البر ان تلق اخاک بوجہ طلق لیکن اس وصف سے علم سے تعلق رکھنے والوں کی اکثریت محروم ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ بلکہ ان کے غلط زعم میں ان کی بڑائی کا امتیاز اسی میں ہے کہ وہ اپنے طبقہ اور ہم جنسوں یعنی علماء و طلبہ سے عموماً اور دیگر عام لوگوں سے خصوصاً ناک بھوں چڑھا کر اور رخ پھیر کر بات کریں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے ہاں علم نام کی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ تو انسانیت سے بھی دوری کی ایک دلیل ہے اور معاملہ یہ ہے کہ ؎

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے
حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

بہت سے حضرات ملاقات کے وقت دل کی اس بیماری کو چھپا کر مصنوعی خوشی کے اظہار کی ہزار کوشش کرتے ہیں مگر مصنوعیت کا یہ پردہ تھوڑی سی عقل رکھنے والے کے ہاں جلدی چاک ہو جاتا ہے ؎

برستی ہے نگاہوں سے ٹپکتی ہے اداؤں سے
محبت کون کہتا ہے کہ پہچانی نہیں جاتی

لیکن حضرت کے متعلق میرا دل شہادت دیتا ہے کہ آپ کو جب کسی سے ملاقات کرتے اور لے دیکھا (قطع نظر اس کے کہ ملنے والا کون ہے) تو یوں محسوس ہوتا کہ آپ اس کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کر رہے ہیں۔ ملنے والے بہت دفعہ آپ کے ہاں ایسی حالت میں گئے کہ آپ سخت مصروفیات کے عالم میں ہوتے تھے لیکن مجال ہے کہ آپ نے ان کو یہ محسوس ہونے دیا ہو کہ اس وقت تو آپ کا آنا ہمارے کام میں حرج کا ذریعہ ہوا بلکہ آنے والے کو آپ اپنی شفقت و محبت سے نہال کر لیتے۔ حضرت کا یہ حسن لقا ایک ایسا وصف ہے جس میں آپ کے ساتھ آج کے دور میں بہت ہی کم لوگ شریک ہوں گے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دولت خانہ پر حاضری

احقر کو کم وبیش حضرت الاستاذ کی چار سال کی معیت حاصل رہی۔ ایک سال تو دورۂ حدیث کے طلبہ میں شرکت کے عنوان سے اور پھر چند سالوں کے وقفہ کے بعد تقریباً تین سال حقانیہ میں درس و رفقاء کے معمولی خدمت کے حوالہ سے اس عرصہ میں خصوصی تعلق کی بناء پر حضرت کے دولت کدہ پر بارہا حاضری کا شرف بھی حاصل ہوتا رہا۔ حضرت کے گاؤں میں کوئی خاص تقریب ہوتی تو حضرت مجھے حاضری کا حکم فرماتے۔ اور میں بلا لیت ولعل اس کو سعادت سمجھتے ہوئے فوراً تیار ہو جاتا۔ وہاں حاضری کے دوران حضرت کا ہم جیسے خدام کے لئے نشست گاہ اور اکل و شرب کا اہتمام دیدنی ہوتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے حضرت کے ہاں کوئی بڑے لوگ آ گئے ہیں۔ ہم شرم سے پسینہ پسینہ ہوتے اور حضرت سے بار بار عرض کرتے کہ حضرت یہ تو ہمارا اپنا گھر ہے۔ ہم تو آپ کے خدام ہیں یہ تکلف چہ معنی؟

لیکن حضرت نے اکرام ضیف کا مسئلہ صرف علم کے حوالہ سے نہیں پڑھا تھا بلکہ یہ بھی دوسرے مامورات کی حضرت کی زندگی کا ایک عظیم عملی مسئلہ بن چکا تھا اس لئے ہمارے بار بار اصرار کے باوجود حضرت اپنے اس عمل میں کبھی کوئی فرق نہیں لائے۔

نجم المدارس کلاچی میں حاضری

ایک دفعہ جب کہ حقانیہ کی خدمات سے احقر سبکدوش ہو چکا تھا اور مدرسہ نجم المدارس کلاچی سے ہی اپنے والد ماجد مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کے حکم پر برادر محترم مولانا حافظ گلاب نور صاحب حقانی کی معیت میں نجم المدارس سے متعلق کسی مشورہ کے لئے حضرت کے ہاں زروبی حاضر ہوا۔ تو اس دفعہ آپ نے جس شفقت محبت اور جن نوازشات سے نوازا اس کی یادیں میرے دل سے محو نہیں ہو سکتیں۔

حضرت نے کھانے پینے اور نشست گاہ و قیام گاہ کے سلسلہ میں خاص تکلف فرمایا اور اس کے ساتھ ساتھ بار بار یہ بھی فرماتے جاتے کہ:۔

آپ نے نجم المدارس کلاچی سے میرے لئے دور دراز کا یہ سفر اختیار فرما کر میرے اوپر عظیم احسان کیا ہے خاص کر جب کہ زروبی میں سیر و سیاحت کی اور دوسری کشش کی کوئی چیز موجود نہیں۔

حضرت یہ تقریر فرماتے اور میرے اوپر اور رفیق سفر مولانا حافظ گلاب نور صاحب پر گھڑوں پانی پڑ جاتا اور دل میں ہم کہنے لگتے کہ:۔

یا اللہ یہ کتنا عظیم انسان ہے۔ ہم حضرت کے خدام میں سے ہیں اور اپنی ہی غرض سے حضرت کی خدمت میں یہ سفر کیا ہے اور حضرت ہیں کہ ان کی مسرت کا ٹھکانا نہیں۔

آج اپنے ہی کام سے کسی کے پاس جانے والا بہت بڑا ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اس طرف سے ایسی ہی قلبی پذیرائی ہونا ممکن الوجود نہیں تو نادر الوجود ضرور ہے۔

قد قامت الصلوٰۃ

دینی مدارس کسی وقت صرف تعلیم گاہیں نہیں ہوتی تھیں بلکہ خانقاہیں لیکن اب ایک عرصہ سے دینی مدارس میں بھی اساتذہ وطلبہ کا تعلق ایک رسم کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ گھنٹہ کے دوران استاذی اور شاگردی ہوتی ہے اور بس بلکہ اب تو عین تدریس و تعلیم کے دوران بھی استاذ اور شاگرد کا صرف اتنا ہی فرق ہوتا ہے کہ استاذ استاذی کے لئے دری ہو اور طالب علم کے لئے ٹاٹ ہو۔ اس بے تعلقی نے اساتذہ کو بھی اس حد تک مجبور کر دیا ہے کہ وہ تعلیم کے علاوہ طالب علم سے تہذیب اخلاق وغیرہ کی کوئی بات نہیں کر سکتے۔ بلکہ تعلیمی گھنٹہ کے علاوہ اگر کسی طالب علم کو تعلیم کا بھی خون کرتے دیکھے تب بھی اس کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ حضرت کے زمانے میں ایسے حالات نہ تھے۔ میں نے بہت دفعہ حضرت کو تعلیم کے علاوہ طلبہ کی سخت انداز سے بھی تربیت کرتے دیکھا۔ ایک طالب علم اقامت کا بڑا شوقین تھا لیکن تلفظ غلط کرتا تھا خاص کر قد قامت الصلوٰۃ میں دال کو خوب مشدد کر کے پڑھتا تھا۔ حضرت ایک دن اس کی اقامت کے دوران ہی عجیب انداز سے دال کو مشدد پڑھنے

پڑھتے ہوئے اس کی نقل اتارنے لگے اور اس کے اقامت کے دوران ہی چند بار بڑے جلال سے فرمایا قدقامت الصلوٰۃ۔ قدقامت الصلوٰۃ۔ قدقامت الصلوٰۃ۔ ظاہر ہے اس تنبیہ سے آئندہ کے لئے اس کا یہ تلفظ صحیح ہو گیا۔

چھوٹوں کے آرام کا خیال

دارالعلوم حقانیہ میں قیام کے دوران جب کہ احقر کا نام اساتذہ کی فہرست میں تو شامل تھا۔ لیکن احقر اور حضرت کے درمیان نسبت استاذ اور شاگرد کی تھی خادم اور مخدوم کی تھی ذرہ اور آفتاب کی تھی زمین اور آسمان کی تھی اس بیّن تفاوت اور فرق کے ہونے کے باوجود بہت سے مواقع ایسے آئے کہ حضرت نے احقر کی انتہائی حوصلہ افزائی فرمائی بعض اوقات جب کہ حضرت کو احقر سے خدمت لینے کی ضرورت بھی ہوتی لیکن میرے آرام کے خیال سے خدمت کا ارادہ ترک فرما لیتے۔ چنانچہ ایسے ہی ایک موقعہ پر جب کہ حقانیہ کے تعلیمی سال کا داخلہ ہو رہا تھا طلبہ اور اساتذہ آجا رہے تھے اور حضرت کے کمرہ کے خدام ابھی نہیں آئے تھے۔ احقر ایک دن ۹، ۱۰ بجے کے قریب حضرت کے مکان میں دریافت خیریت کے لئے حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا۔

"قاضی صاحب اچھا ہوا آپ آگئے میرے کمرے کا کوئی ساتھی ابھی نہیں آیا۔ معاملہ نیا نیا ہے داخلے شروع ہیں۔ میں صبح جب آپ کے کمرے پر گذرا تو خیال آیا کہ قاضی صاحب کو آواز دے دوں کہ کوئی ساتھی آپ کے پاس ہے تو میری چائے بھی بنا دے۔ لیکن پھر ارادہ ترک کر دیا کہ شاید آپ آرام کر رہے ہوں گے اور آپ کے کمرہ کے ساتھی بھی نہیں آئے ہوں گے۔ بہر حال میں نے ابھی تک صبح کی چائے نہیں پی، اب انتظام کر دو۔"

میں نے اپنی اور حضرت کی نسبت عرض کر دی ہے۔ حضرت تو کسی بھی وقت مجھے جیسے ہی مشکل کام کا حکم فرماتے میرے لئے سعادت ہوتی۔ مگر حضرت کا کمال دیکھئے کہ ایک خادم ایک ذرہ کے ہوتے ہوئے بھی اس کو اپنی ضرورت کا حکم نہیں فرماتے۔ اور اس کے آرام کا خیال فرماتے ہیں۔ یہی بڑائی ہے اور یہی سرداری ہے اور یہی سونا ہے اور یہی شاعر کے اس شعر کا مصداق

ھجان، الحیّ کا الذھب المصفّٰی

صبیحۃ دیمۃ یجنیہ جان

نجم المدارس کے سالانہ جلسہ پر حاضری

مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی میں تعلیم و تعلّم کے ساتھ سال میں ایک بار عام تبلیغ کے لئے ایک عظیم الشان جلسہ بھی ہوا کرتا ہے جس میں علاقہ بھر کے علماء و صلحاء کا ایک نہایت مبارک نورانی اجتماع ہوا رہتا ہے۔ اس اجتماع میں ملک بھر کے ممتاز واعظین، مقررین اور مشائخ و اولیاء کی تشریف آوری ہوتی ہے جو حضرات ایک بار یہاں آئیں اور ان کی یاد ہر صفحۂ دل سے نہیں مٹتی ان میں حضرت الاستاذ مولانا عبد الحلیم صاحب زروبی بھی ہیں۔

جس سال برادر عزیز حافظ مولوی محمد نسیم سلمہٗ دارالعلوم حقانیہ میں دورۂ حدیث شریف میں شریک تھے اسی سال ہم نے حضرت کو بھی جلسہ کی بہ اصرار دعوت دی۔ احقر حاضر ہوا۔ اور حضرت نے بہ کمال شفقت منظوری عنایت فرمائی اور وہ منظر عجیب تھا کہ جب حضرت الاستاذ اور مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ اور حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق صاحب ڈیرہ اسمٰعیل خان کے ہوائی اڈہ پر اترے۔ احقر کو وہاں موجود پا کر ان حضرات نے نہایت مسرت کا اظہار فرمایا۔ پھر احقر ایک کار کے ذریعہ نجم المدارس کلاچی ان حضرات کو لے گیا۔

کلاچی کے نجم المدارس میں ان کو تعلیمی خوشی ہوئی اور وہ لی راولی می شناسمد کے محاورہ کے مطابق عرض کروں کہ حضرت قبلہ والد صاحب قاضی عبد الکریم مدظلہ حضرت کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئے۔ اور رات کی نشست میں جلسہ گاہ میں لوگوں کو صرف ان کی زیارت کرائی۔ جہاں تک بارے تقریر صرف مولانا سمیع الحق صاحب کی ہوئی۔ حضرت مولانا زروبیؒ اور حضرت مفتی محمد فرید صاحب کو تقریر کی تکلیف نہیں دی گئی۔

نجم المدارس کے اسی سالانہ جلسہ میں چالیس فضلاء حقانیہ (جنہوں نے موقوف علیہ تک تمام کتب نجم المدارس میں پڑھے تھے) کی دستار بندی بھی کی گئی۔ اور اسی سالانہ جلسہ کے موقعہ

پر فضلاء حقانیہ کی جانب سے ان حضرات کو ایک خصوصی استقبالیہ بھی دیا گیا۔

برادر عزیز حافظ قاضی محمد نسیم صاحب چونکہ اسی سال حقانیہ میں دورۂ حدیث شریف میں شریک تھے۔ اور سالانہ امتحان ابھی نہیں ہوا تھا اگرچہ تعلیمی سال اور دورۂ حدیث کے کتب تعلیم کے لحاظ سے ختم ہو گئے تھے یا قریب الختم تھے۔ کیونکہ جلسہ رجب میں ہو رہا تھا، اس لئے حضرت والد صاحب نے برادر عزیز کو فضلائے حقانیہ کی فہرست میں شمار نہیں کیا تھا اور ان کا نام پگڑی باندھنے والوں میں نہیں رکھا تھا لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت نے والد صاحب سے فرمایا قاضی محمد نسیم صاحب کی دستار بندی ہونی چاہیئے۔ تعلیم تو انہوں نے مکمل کر لی ہے صرف رسمی امتحان باقی ہے۔

چنانچہ حضرت نے اس خصوصی عنایت پر برادر عزیز بھی اس اعزاز سے نوازے گئے۔ اور حضرت کے مبارک ہاتھوں سمیت اکابرین حقانیہ نے ان کی دستار بندھوائی۔

حضرت کے دو اہم خطوط

حضرت کے خصوصی تعلق کا اندازہ اس سے لگتا ہے کہ حضرت کے مکاتیب کا ایک ذخیرہ احقر کے پاس موجود ہے۔ سر دست دو خطوط کا عکس دیا جا رہا ہے ایک وہ خط ہے کہ جب احقر دار العلوم حقانیہ کی خدمات سے سبکدوش ہوا اور حضرت شیخ مدظلہ اور حضرت اور مادر علمی کی جدائی طبعاً ناگوار گذری تو کلاچی پہنچنے کے بعد نجم المدارس سے اس قسم کے تاثرات پر مشتمل عریضہ لکھا۔ حضرت نے جواب میں جو طرز اختیار فرمایا ہے اس سے حقانیہ سے جدائی کا اثر بہت کم ہو جاتا ہے۔ دوسرا مکتوب میرے اس عریضہ کے جواب میں ہے جس میں احقر نے حضرت کی بیمار پرسی کی تھی۔ حضرت نے اس میں برادر عزیز مولانا محمد ابراہیم صاحب فانی کی شادی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ دونوں مکاتیب گرامی مضمون نویسی اور مضمون نگاری کے ساتھ ادائے فرض کی طرف توجہ اور رضا بالقضاء کی ایک زندہ یادگار ہیں ٭

وقار و سنجیدگی کا پیکر مجسم

جناب مولانا الطاف الرحمٰن بنوی

ہر انسان کو ہوش سنبھالنے کے بعد سے زندگی کے مختلف میدانوں میں بے شمار لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ان لوگوں سے تعلقات کی نوعیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ تاہم اس کا ذہن ہر تعلق سے اس کے حسب نوعیت کوئی نہ کوئی اچھا یا بُرا تاثر لے لیتا ہے۔ عام لوگوں کے بارے میں عام طور پر اس تاثر کا احساس انسان کے تحت الشعور میں ہوتا تو ضرور ہے لیکن شعور کی سطح پر وضاحت کے ساتھ نمودار جب ہوتا ہے جب کہ ان کے ساتھ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آجائے۔

لیکن خاص تعلق کی صورت میں اس تاثر کا ادراک نسبتاً جلدی ہوتا ہے اور اس میں بھی مزید زُودی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ کوئی انسان کسی ایک انسانی خصلت سے کسی وجہ سے خصوصی دلچسپی رکھتا ہو اور ہر ملنے والے کو اسی نقطۂ نگاہ سے دیکھنے اور پرکھنے کا عادی ہو۔ اور یا کوئی وصف کسی آدمی میں اس حد تک نمایاں ہو کہ کم از کم دیکھنے والے کی معروف دنیا میں اس کی نظیر موجود نہ ہو بالفاظِ دیگر مؤثر کی اثر اندازی

یا متاثر کی اثر پذیری اس ماحول یا زمانے کی عمومی مقدار سے خاصی زائد اور متجاوز ہو۔

احقر پہلی دفعہ ۱۹۶۵ء کے موسم بہار میں دار العلوم حقانیہ آیا اور تعلیمی سال کے آغاز ہی سے اس کا باقاعدہ طالب علم بنا۔ منطق میں قطبی، نحو میں شرح جامی، فقہ میں کنز الدقائق، ادب میں مقامات اور اصولِ فقہ میں نور الانوار شروع کی۔ جن میں بالترتیب پہلی کتاب میں مولانا شفیع اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ۔ دوسری میں مولانا محمد ہاروت صاحب۔ تیسری اور چوتھی میں مولانا شیر علی صاحب اور پانچویں میں مولانا سمیع الحق صاحب مد اللہ تعالیٰ اظلالہم کے تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔ چنانچہ اس سال استاد مرحوم برد اللہ مضجعہ کے شاگردی کا وہ تعلق تو پیدا نہ ہوا جس کے ذریعے سے ان کی شخصیت کے کمالات کا کچھ زیادہ واضح اور تفصیلی علم ہو جاتا تاہم طلبہ کی متعلقہ جماعتوں کو فنون کی اونچی اونچی کتابوں اور مسلم شریف کا درس دیتے ہوئے یا نمازوں کے اوقات میں مسجد میں تشریف لاتے یا لے جاتے ہوئے یا کسی بھی بات پر کوئی ردعمل ظاہر کرتے ہوئے جب بھی دیکھا میرے دل پر ان کی وضع قطع میں انتہائی وقار اور گفتگو میں انتہائی متانت و سنجیدگی کا بہت گہرا نقش کندہ ہوا۔

اس کے بعد دو سال تک معارج العلوم بنوں میں رہ کر ۱۹۶۸ء میں دوبارہ دار العلوم حقانیہ میں داخلہ لیا۔ اس سال قسمت نے خوب یاوری کی۔ چنانچہ نئے اساتذہ میں مولانا محمد فرید صاحب، مولانا عبد الغنی صاحب، مولانا فضل مولا صاحب دامت برکاتہم اور مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ساتھ استاد مرحوم کی شاگردی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ ان پانچوں سے بالترتیب شرح عقائد، تصریح، مطول، ہدایہ آخرین اور تلویح توضیح پڑھیں۔

حضرت استاد مغفور کے اس قرب سے مجھ پر یہ بات پوری طرح منکشف ہو گئی کہ وقار، متانت اور سنجیدگی آپ کے مصنوعی کمالات نہیں بلکہ ان کی خمیر میں

گوندھے ہوئے وہ راسخ صفات اور ملکات ہیں جن میں تکلف اور تصنع کا ادنیٰ شائبہ نہیں نیز دار العلوم میں اپنی طالب علمی کے پہلے سال ان کو دور دور سے دیکھ دیکھ کر جو کچھ میں نے محسوس کیا تھا اس کا منشا میری سریع الانفعالی نہیں بلکہ فی الواقع موصوف کی خوبیوں کی قوت تاثیر تھی کہ بلاشبہ یہ اوصاف اس پیمانے پر ان کی ذات کے سوا کہیں اور موجود نہیں۔

احقر کے خیال میں یہ صفات خود تو نتیجہ تھے نبی علیہ السلام کے اس ارشادِ گرامی پر سختی سے عمل کرنے کا کہ "من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ" چنانچہ غیر ضروری امور میں کبھی مشغول نہیں دیکھے گئے۔ اور پھر انہی کی کوکھ سے برآمد ہوئی وہ کم گوئی اور اختصار پسندی کہ ہر موقعہ پر اظہار مافی الضمیر کے لئے خیر الکلام ماقل و دل پر اکتفا کرنا آپ کا مشہور شعار رہا۔

یہ کارہ اپنی انتہائی حرماں نصیبی اور سیاہ بختی سمجھتا ہے کہ دوسرے سال بھی استاد مرحوم کے ساتھ تقریباً تقریباً حلقۂ درس تک ہی محدود رہا۔ جس کی زیادہ تر وجہ ان کی عظمت و ہیبت کا وہ حجاب تھا جو اکثر تلامذہ کو ان کے بے تکلفانہ اختلاط سے مانع تھا اس لئے آپ کے نجی محافل کا رنگ آخیر تک اپنی آنکھوں سے تو نہ دیکھ سکا لیکن اولاً تو یہ مجالس انتہائی قلت کی بدولت نہ ہونے کے برابر اور ثانیاً ان کی رہائش گاہ کے حاضر باش خدام طلبہ کا بھی ان کے سامنے جو حال ہوتا اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا تھا کہ ان کی خلوت کا انداز بھی جلوت سے کچھ زیادہ متمائز نہیں ہوتا تھا۔ اسی لئے میں نے اپنے تاثر اور تجربے میں کسی تخصیص اور استثناء کی ضرورت نہ سمجھی۔

تعلیم و تدریس کے سلسلے میں استاد مرحوم کی یہ مشہور و معروف خصوصیت تھی کہ نپے تلے اور ہر فن کے ٹھیٹھ اصطلاحی الفاظ کے استعمال کی وجہ سے استفادے کے لئے طالب کے ذی استعداد ہونے کے ساتھ ساتھ ہمہ تن گوش رہنا بھی ضروری ہوتا تھا ان کی تقریر میں تھوڑی سی توجہ بھی ہٹ جاتی تو ان کا مربوط و متناسق کلام فہم کی گرفت

سے چھوٹ جاتا ہے چنانچہ خود احقر کے ساتھ یہی ہوا کہ اپنی کم استعدادی اور اس اچھوتے طرزِ تخاطب سے مستفید ہونے کے آداب و لوازم سے نا آشنائی کی بدولت سہ ماہی امتحان تک تلویح کے مشکل مباحث کو کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہوا کہ مولوی جلال الدین (حال کمانڈان مجاہدین صوبہ پکتیا و رہنمائے حزب اسلامی (یونس خالص گروپ) افغانستان) جیسے فہیم و خلیق ساتھی شریک درس رہے جو بعد میں خواندہ اسباق کے تکرار و اعادے سے اس کوڑ مغز کے ایک ایک سطر کے مضمرات زبانی یاد کرا دیتے جس کی وجہ سے یہ عجیب و غریب واقعہ بھی پیش آیا۔ کہ سہ ماہی امتحان میں نہ صرف تلویح کے دوسرے شرکاء سے سبقت لے گیا بلکہ خود رفیق محترم جلال الدین صاحب سے بھی غالباً زیادہ یا اس کے برابر نمبر حاصل کئے۔

سہ ماہی امتحان تک پہنچتے پہنچتے ایک طرف تو برادر مکرّم مولوی جلال الدین صاحب کی خیر خواہی و جانکاہی سے میرے ذہن پر غباوت کی چھائی ہوئی تاریکیوں میں روشنی کے شگاف پڑنے لگے تھے۔ اور دوسری طرف استاد مرحوم کے اسلوب بیان سے مانوس ہو کر تحصل کی بند راہیں کھل رہی تھیں۔ چنانچہ امتحانی وقفہ کے بعد اسباق کا ٹوٹا ہوا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا۔ تو میں نے محسوس کیا کہ میرے اصل تلمذ کا اب آغاز ہو گیا ہے۔

ایجاز و اختصار کے باوجود آپ کی تقریر کس قدر جامع اور موضوع کا احاطہ کرنے والی ہوتی اور حق تفہیم ادا کرنے کے لئے وصل و فصل کا ایک عجب اہتمام ہوتا۔ اب اس کا اندازہ ہونے لگا تھا۔ دار العلوم میں رہ کر کوئی سبق ناغہ کرنے کی تو الحمد للہ ویسے بھی عادت نہ تھی لیکن اس لذت آشنائی کے بعد تو پورے ذوق شوق سے اپنی مدّت قیام کے آخری دن تک تلویح کے ہر درس میں بڑی باقاعدگی کے ساتھ شریک ہوتا رہا۔ اور مقدور بھر فائدہ اٹھایا۔

دوران درس کسی بھی تقریب سے کسی دوسرے فن کا بہت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ

ضمنی طور پر بھی آجاتا تو چند جملوں میں اس کی ایسی دلنشین تشریح فرما دیتے کہ اگر کوئی طالب علم اس سے پہلے اس کا سامنا نہ کر پاتا تو سرے سے یہ تسلیم کرنے کے لئے آمادہ ہی نہ ہوتا کہ یہ بھی علمی دنیا کا کوئی قابل فکر مغلق مسئلہ ہے۔ لیکن اگر پہلے سے یہ گتھی کما حقہ، سلجھانے سے عاجز ہو جاتا تو اب استاد مرحوم کی بالغ نظری اور قادر الکلامی کا دل و جان سے قائل ہو جاتا۔ چنانچہ اس کا تجربہ بھی خود احقر کو کئی مرتبہ ہوا۔ مغالطہ عامۃ الورود اور موجود رابطی جیسے ذہن پر بوجھ ڈالنے والے منطقی مسائل اپنی اپنی جگہوں پر پوری طرح سے الم نشرح نہیں ہو سکے تھے۔ لیکن استاد مرحوم سے ایک ایک بار سُن کر دل منجلی ہو گیا تھا۔

انسانی سیرت و کردار ایک ایسی مالا ہے جس کی ایک گرہ کھل جانے سے سارے موتی بکھر جاتے ہیں۔ چنانچہ ذہنی طور پر کسی بھی شخص میں کئی اخلاقی قدروں کا کئی دوسری اخلاقی قدروں کے بغیر بھی فرض ممتنع کے درجے میں تصور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن خارج میں تمام انسانی محاسن کا ایک دوسرے کے ساتھ بہت گہرا ربط و تعلق ہوتا ہے۔ لہذا ان یاہمی طور پر فی الجملہ کمی بیشی تو ہو سکتی ہے لیکن بالکلیہ وجود و عدم کا تفاوت ہرگز ممکن نہیں سطور بالا میں استاد مرحوم کی بعض صفات کا اختصاص بالذکر ان کی شخصیت میں ان صفات کا انتہائی نمایانی کی وجہ سے ہے۔ نہیں تو آپ کے گلدستۂ مکارم کا ہر پھول دل آویزی کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور رکھتا تھا۔ دار العلوم کے دو سالہ طالب علمانہ عرصے میں آپ کی شفقت و مہربانی، جرأت و مردانگی، غیرت و مروت اور دینی صلابت و استقامت کی ایسی ایسی جھلکیاں بھی دیکھیں جن کا ادراک لطف ع

ذوق ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی

کے قبیل سے ہے بیان کرنے کی چیز ہرگز نہیں۔

بلا ریب دار العلوم حقانیہ پاکستان کا دار العلوم دیوبند کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ یہاں

ہر دور میں معقول و منقول کے چوٹی کے اساتذہ جمع ہوتے آئے ہیں لیکن اپنی دانست کی حد تک یہ کہنے میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں سمجھتا ہوں کہ تمام علوم متداولہ میں بالعموم اور منطق و معقول فقہ میں بالخصوص استاد مرحوم کو جو دسترس حاصل تھی وہ انہی کا حصہ تھا۔ آپ دارالعلوم کے ساتھ کب سے منسلک تھے اس کا احقر کو علم نہیں۔ لیکن خود احقر کے دارالعلوم اور استاد مرحوم کے ساتھ تعلق کے روز اول سے لے کر آپ کے یوم وصال تک تو انہی کو دارالعلوم کی چار دانگ علمی شہرت کا مرکزی کردار قرار دیا جاتا رہا۔

بحمداللہ دارالعلوم کا کوئی استاد بے کمال نہیں۔ لیکن ع

"ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"

کے بمصداق اس بوڑھے مردِ مؤمن کے نحیف و نزار بدن میں علم و عمل کا جو حسین امتزاج جھلکتا تھا اس کا نظارہ تو اب قیامت سے پہلے نصیب نہ ہوگا۔ طویل ترین تدریسی زندگی میں نہ جانے کتنوں کو اپنے گرمیٔ نفس سے سرشار کیا۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں اور خاص کر کے ان ہزاروں یتیم تلامذہ کی جانب سے ان کو اپنی شان کریمی کے مطابق بہترین جزا عطا کرے اور اپنی رضا و خوشنودی سے ان کا کلیجہ ٹھنڈا فرما دے۔

آمین یارب العالمین

چمنستانِ حلیمی کے گلہائے رنگ رنگ

از مولانا حافظ ابن امین فاضل دارالعلوم حقانیہ
مہتمم دارالعلوم تعلیم القرآن تختی نصرتی۔ ضلع کرک

۹ شوال ۱۳۸۲ھ بندہ کے لئے انتہائی خوش قسمتی کا دن تھا جس میں بندہ نے تحصیل علوم کے لئے پاکستان کی مایۂ ناز دینی یونیورسٹی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ میں داخلہ لیا۔ رفتہ رفتہ اساتذہ کرام کا تعارف ہوا۔ اور ان کی وقعت دل میں جاگزیں ہوئی۔ ناظمِ اعلیٰ صاحب کی شفقت سے بندہ کو حضرت شیخ الحدیث کی مسجد میں سکونت کے لئے جگہ ملی۔ اور بفضل اللہ میں نے دو سال میں کتابوں کے ساتھ ساتھ حفظِ قرآن مکمل کیا۔ ابھی تک میں حضرت صدر صاحب مرحوم کے ساتھ متعارف نہیں ہوا تھا۔ البتہ دوسرے ساتھیوں سے حضرت صدر صاحب کے اوصاف و امتیازات سنے تھے۔ جن میں نمایاں وصف آپ کی ہیبت اور شخصی وجاہت تھی۔ بندہ نے حفظ قرآن کی خوشی میں دارالعلوم کے اساتذہ کرام کے لئے ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ باری باری ہر ایک استاد کی رہائش گاہ کو جاتا۔ اور ان کو دعوت دیتا۔ جب حضرت مولانا شفیع اللہ صاحب مرحوم کی رہائش گاہ میں داخل ہوا تو وہاں پر حضرت صدر صاحب مرحوم بھی موجود تھے۔ اور دونوں

شیوخ آپس میں مزاحیہ انداز میں مصروفِ گفتگو تھے۔ جب میں نے حضرت صدر صاحب کو اس انداز میں دیکھا تو میں حیران رہ گیا۔ اس لئے کہ ان کے بارے میں مَیں نے جو تصور قائم کیا وہ یوں تھا۔ کہ آپ کسی بھی وقت اسی انداز میں نہیں ہوں گے۔ پھر میں نے ان دونوں حضرات کو دعوت میں شمولیت کی اپیل کی۔ تو حضرت صدر صاحب نے نہایت مشفقانہ انداز میں فرمایا۔ بہت خوب ضرور شرکت کریں گے۔ آپ تو بڑے خوش نصیب ہیں۔ پھر کچھ تعارفی سوالات پوچھے پھر مولانا شفیع اللہ کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کی مسجد میں تشریف لائے اور اس حفظِ قرآن کریم تقریب میں شرکت کی۔ یہ تھی آپ کے ساتھ میری پہلی ملاقات اور گفتگو۔ جس نے مجھے ان کے الفاظِ سخن کا گرویدہ بنا لیا۔

شرفِ تلمذ بندہ نے آپ سے توضیح وتلویح۔ مسلم الثبوت۔ بیضاوی شریف مثنوی مولانا روم۔ مسلم شریف۔ اور بخاری شریف جلد ثانی میں شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ طرزِ تدریس کی عجیب خصوصیات تھیں۔ انتہائی باادب طریقے سے خود تشریف رکھتے اور طلبہ کو بھی باادب بیٹھنے کی ترغیب دیتے۔ اگرچہ اکثر بیمار رہتے تاہم ان کا درس ایسے پرجوش انداز میں ہوتا کہ کسی طالب علم کو بھی سبق سے توجہ ہٹانے کی جرأت نہ ہوتی۔ درس میں ایسا مسحور کن تسلسل تھا کہ اگر ایک سیکنڈ کے لئے بھی کوئی طالب علم توجہ ہٹاتا تو اس کا سارا سبق ضائع ہو جاتا۔ آپ کے تمہیدی جملے مشکل ترین مقامات کو حل کر دیتے۔ اور آپ کے درس کی خصوصی برکت یہ تھی۔ کہ ابتداء میں ایسا لگتا تھا کہ یہ کتاب مقررہ وقت تک مشکل سے ختم ہو جائے گا۔ لیکن پھر مشاہدہ اس خیال کو غلط ثابت کرتا۔ آپ کی کتاب میں طالب علم اور کتابوں کی بہ نسبت زیادہ محنت کرتے۔ اور محنت کی خصوصی وجہ یہ تھی کہ آپ طلبہ سے کبھی کبھی دورانِ درس سوالات پوچھا کرتے اور جواب نہ دینے یا غلط دینے سے موت بہتر ہوتی۔

عجیب واقعات تلویح توضیح کی کتاب اکثر آپ ہی کے زیرِ درس رہتی۔ چنانچہ جب میں نے یہ کتاب لی۔ اور اس پیریڈ میں حضرت کے سامنے بیٹھ گیا، تو

فرمایا۔ حافظ عبارت پڑھو۔ میں نے پڑھنا شروع کیا۔ خطبہ دیباچہ میں یہ الفاظ آئے۔

معرضا عن شرح المواضع اللتي من لم يحلها بغير اطناب لا يحل له النظر في ذالك الكتاب۔ اور میرے بغیر مطالعہ کی عبارت تھی۔ چنانچہ اکثر غلط پڑھا۔ فوراً بولے۔ کہ مصنف رح آپ ہی کے لئے یہ عبارت فرماتے ہیں۔ چونکہ میرے ساتھ آپ کی شفقت تھی۔ اس لئے میں نے عرض کیا۔ حضرت دوسرا تو کوئی پڑھنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

ایک دفعہ مجھے آپ کے درس کے دوران نیند آئی۔ آپ نے دیکھا تو دوسرے طالب علم کو کہا کہ مار دا سے۔ یہاں اس کی آنکھ لگ گئی۔ پھر چوکنا رہتا تھا۔

تلویح توضیح میں جب علامہ تفتازانی حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف کوئی اشارا سا کرتے تو آپ جواب پر جواب دینے شروع فرماتے۔ اور جلال آمیز لہجہ میں اس طرح تقریر فرماتے کہ گویا علامہ صاحب آپ کے مخاطب ہیں۔ مسلم الثبوت جیسے مغلق متن کی مجمل عبارات کی ایسی دلنشین انداز میں تشریح فرماتے۔ کہ مسلم الثبوت جیسی کتاب کا رعب دل سے ختم ہو جاتا اور مسلم شریف میں عقائد اور کلامی بحث کچھ اس طرح فرماتے کہ ساری شرح عقائد مستحضر ہو جاتی۔ مسلم شریف کے درس کے دوران آپ کی متکلمانہ شان روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی۔ اور علم کلام کے ساتھ آپ کا والہانہ ذوق تھا۔

بخاری شریف ج ۲ میں تفصیل نہیں فرمایا کرتے۔ فرماتے۔ کہ اس کے مباحث مکرر ہیں۔ البتہ آخری ابواب میں آپ دادِ تحقیق دیتے۔ مثلاً کتاب الرد علی الجهمية وغیرہ میں۔

نازک طبیعت استادِ محترم کی طبیعت انتہائی نازک تھی۔ طبیعت میں طہارت اور نفاست کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اگرچہ سینہ پر اکثر بلغم کی تکلیف رہتی تاہم بڑی پاکیزگی سے وقت گذارتے تھے۔ جو ایک بیمار شخص کے لئے انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ قطب الاولیاء مرزا مظہر جان جاناں کے متعلق اساتذہ سے سنا تھا۔ اپنے استاذِ محترم کو ان اوصاف کا مظہرِ اتم پایا۔

جرأت حضرت استاذ محترم جرأت و بے باکی میں بے مثال تھے بلکہ علامہ اقبال کے بقول؎

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اس حق گوئی کی پاداش میں آپ کو ناقابل بیان مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ جب کبھی حکومت کی طرف سے کوئی خلاف شرع کام یا بات سرزد ہو جاتی تو سراپا احتجاج بن جاتے۔ جب کسی نظریہ پر آپ تنقید فرماتے۔ تو مناظرانہ رنگ غالب رہتا۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں گستاخی ہرگز ہرگز برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس سلسلے میں مودودی صاحب کی خلافت و ملوکیت کو اکثر تنقید کا نشانہ بناتے۔

سخاوت آپ کی سخاوت بھی عجیب تھی۔ بندہ کے ہاتھ سے چند طلبہ کو صدقات دیا کرتے تھے۔ اور مہمان نوازی کی تو یہ شان تھی کہ جو بھی فاضل حقانیہ دعا کے لئے حاضر ہوتا تو بغیر چائے و تناول طعام کے اس کے لئے جانا مشکل ہو جاتا۔ اگرچہ دارالعلوم کے اساتذہ میں یہ وصف نمایاں ہے۔ لیکن آپ کی بات کچھ اور تھی۔ بندہ کو چند بار آپ کے ساتھ سفر کی رفاقت نصیب ہوئی۔ اپنی کوشش کے باوجود کھانے یا کرائے کی رقم نہ دے سکا۔ ایک دفعہ تنخواہ لے لی۔ فرمایا گھر جا رہا ہوں۔ ایک پڑوسی کو رقم کی ضرورت ہے۔ راستے میں وہ رقم جیب کترے نے بٹور لی۔ پھر اس پڑوسی سے معذرت کر لی۔

ایثار و ہمدردی قریبی صحبت کی وجہ سے حضرت صدر صاحب میں ایثار و ہمدردی کا وصف نمایاں پایا۔ ایک رات آپ کے کمرے میں رہنے والے طالب علم فتح الرحمٰن بیمار ہوئے۔ چونکہ اس وقت کوئی طالب علم کمرے میں موجود نہیں تھا۔ اس لئے آپ خود دوائی کے لئے لالٹین لئے بازار جا رہے تھے۔ بندہ سامنے آیا اور ان سے واپسی کا اصرار کیا۔ لیکن فرمایا کہ اس تاریکی میں آپ کو تکلیف مجھے مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ بیمار طلبہ

کی اکثر خبر گیری فرماتے اور ان کے ساتھ مالی تعاون بھی فرماتے۔ چونکہ آپ حکیم حاذق بھی تھے اس لئے آپ کو اکثر نسخے (بیماریوں کے) یاد تھے۔ کوئی مظلوم طالب علم جب آپ کو اپنی شکایت پہنچا دیتا تو آپ انتہائی غصے کے عالم میں اس کی دادرسی پر تل جاتے تھے۔ مجرم کے لئے کسی رعایت کے روادار نہ تھے۔ چند بار حضرت مہتمم صاحب سے فرمایا کہ ہر جگہ عفو و درگزر نہیں چاہئے۔ ایسے شخص کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں حدود مقرر کئے ہیں۔ چونکہ حضرت مہتمم صاحب تو عفو و درگذر کے مجسمہ ہیں۔ اس لئے حضرت صدر صاحب ان کو اس قسم کی تلقین فرماتے۔

اسی طرح ایک دفعہ میں آپ کے ساتھ ترناب فارم پشاور میں ان کے ایک رشتہ دار کے ہاں گیا۔ بندہ بیٹھک میں بیٹھا تھا۔ تو حضرت صدر صاحب بار بار میرے پاس تشریف لاتے اور کچھ دیر کے لئے میرے پاس بیٹھتے اور فرماتے کہ آپ کو کسی قسم کی تکلیف تو نہیں۔ دوران سفر اپنے شاگرد کو یہ احساس تک نہیں دلاتے۔ کہ ایک استاد اور شاگرد ہمسفر ہیں۔

امانت آپ انتہائی امین اور عہد و ذمہ کے سختی سے پابند تھے۔ چنانچہ اسی وصف امانت کی وجہ سے غیر مستعد طالب علم کو دارالعلوم کی سند دینے کے سخت مخالف تھے۔ اور اس کو خیانت سے تعبیر فرماتے۔ دورہ حدیث کے اختتام پر بھی احادیث کی مشروط اجازت دیتے۔ تاکہ احادیث کے حقوق میں خیانت نہ ہو۔

ترحّم دنیا بھر کے مسلمانوں کی حالت زار پر انتہائی ملول اور غمگین رہتے۔ مسلمانوں کے بارے میں جب کوئی غم انگیز خبر سنتے تو لرزتے تھے۔ اور کئی وقت کھانا نہیں کھا سکتے تھے۔ سقوط ڈھاکہ اور ہندو کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کا آپ کے دل پر از حد اثر ہوا۔ اور فرمایا کہ جب ملک کا سربراہ عیش پرست، شراب و شباب کا دلدادہ اور غداری کا مرتکب ہو جائے تو پھر اس ملک کا خدا ہی حافظ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے دل درد آشنا سے نوازا تھا کہ کسی کو بھی غمزدہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

جب کوئی عالم وفات پاتے تو ازحد کبیدہ خاطر ہو جاتے۔ اور فرماتے کہ علماء جا رہے ہیں۔ پھر مبسوط کتابیں کتب خانوں میں نمونے کے طور پر رکھی جائیں گی۔

دینی تعلیم کی ترغیب آپ دینی تعلیم کی اکثر ترغیب دیا کرتے اور فرماتے کہ سعادت مند ہیں وہ لوگ جو اس مادہ پرستی کے دور میں دینی تعلیم کے حصول کے لئے مدارس میں پڑھتے ہیں۔ اپنی اولاد کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے میں کوشاں رہتے۔ چنانچہ آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی آپ ہی کی زندگی میں فارغ التحصیل ہوئے اور منصب تدریس پر فائز۔ آپ نے دو صاحبزادوں مولانا ابراہیم فانی اور عبدالحفیظ کو حفظ القرآن کے لئے بندہ کے حوالے کئے تھے۔ بڑا تو ماشاء اللہ حافظ القرآن بنا اور دوسرا چند پارے حفظ کر کے باقی رہ گیا۔ بندہ کے ساتھ خصوصی شفقت کی وجہ آپ کی اولاد کے اسباق و تربیت تھی۔

دینی تڑپ دارالعلوم حقانیہ کا جو بھی فاضل حاضر خدمت ہوتا تو سب سے پہلے اس سے دینی مشاغل کے بارے میں دریافت فرماتے۔ پس جو فاضل درس و تدریس کا شغل بتلا دیتا تو آپ خوشی کا اظہار فرماتے۔ اور حوصلہ افزائی کے کلمات سے نوازتے دینی خدمت کی تڑپ آپ میں بالکل نمایاں تھی۔ اور آخری دم تک باوجود ضعف و نقاہت اور بیماری کے تدریس کا مشغلہ نہ چھوڑا۔ حتیٰ کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

اُستاذ محترمؒ قدس سرہٗ

حضرت مولانا الحاج الحافظ محمد انوار الحق صاحب ایم اے
مدرس دارالعلوم حقانیہ۔ ابن حضرت الشیخ مدظلہ

مادہ پرستی کے اس ہمہ گیر دور میں جب کہ پوری دنیا کے لوگ اپنے اپنے مذہبی عقائد، روایات و رسومات سے بیگانہ ہو کر صرف مادی ترقیوں، گہما گہمیوں اور دنیا پرستی میں سرگرداں ہیں۔ شومئ قسمت سے سید الانبیاء، ختم الرسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نہاد پرستاروں اور نام لیواؤں نے بھی انہی کا وطیرہ اختیار کرتے ہوئے دین حقہ سے بے راہ روی اور بے اعتنائی کے ساتھ ساتھ اس دین مبین کے مبلغین، محققین اور علماء کو بھی فراموش کر دیا۔ یہاں تک کہ اکابر علماء، محدثین و مفسرین جن کو وارث انبیاء کے پرلطف لقب سے نوازا گیا ہے اور جو ہمہ تن اشاعت دین میں معروف رہے، کی خدمات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ان کی قدر و منزلت کے جاننے کی سعی بھی نہ ہوئی۔ حالاں کہ صرف ہمارے اس اپنے خطے برصغیر میں بے شمار حوادث و سانحات اور انقلابات، اغیار کے تسلط اور ان کے نظریات اور ثقافت کے یلغار کے باوجود ابھی تک اسلام کے نام لیوا، شیدائی اور اشاعت دین کے جو مراکز و مدارس موجود ہیں وہ اللہ کے فضل و کرم اور انہی معدودے چند اکابر علماء و صلحاء کی خدمات اور مرہون منت ہے جو بظاہر تو بوریہ نشین دنیاوی ٹھاٹھ باٹ سے عاری مصنوعی رعب و دبدبہ سے بے نیاز

تھے۔ مگر عنداللہ "یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات" اور العلماء ورثۃ الانبیاء کے مراتب عالیہ سے نوازے گئے تھے۔ نیز ہر دور میں نیابت نبوت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے حق تعالیٰ نے اکابر عالم میں ان سے حفاظت دین و تبلیغ اسلام اور ملت کی خدمت کا اہم ترین کام لیا۔ مسلمانوں کے مد مقابل ادیان باطلہ کے پیروکار اپنے معمولی محقق و سکالر کے کارناموں اور قدو کاٹھ کو بڑھانے کے لئے ان کے نام پر بڑے بڑے ریسرچ کے ادارے قائم کر دیتے ہیں ان کی مداح سرائی میں زمین و آسمان کی قلابیں ملا دیتے ہیں اور مسلمان اپنے ان محدثین اور اکابر کی زندگیوں، کارناموں اور علمی خدمات سے بے خبر رہتے ہیں جن کے ذریعہ کبھی تو مسند درس کو رونق نصیب ہوتی ہے اور کبھی علوم دینیہ کے مراکز ان کے قال اللہ اور قال الرسول ﷺ کی صداؤں سے معطر ہوتے۔

ایسے ہی نائبین ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء امت جو کہ حضور سرور کائنات کے علم ہدایت اور مذہب و شریعت کے میراث کے مبلغ اور اشاعت کنندگان میں ہیں دارالعلوم حقانیہ کے استاذ الحدیث و استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نور اللہ مرقدہ و برد اللہ مضجعہ کا شمار ہوتا تھا جو ایک طویل عرصہ مسند تدریس پر جلوہ افروز ہو کر بلا کسی شوق شہرت بلغوا عنی ولو آیۃ اور نضر اللہ امرءا سمع مقالتی فوعاها واداها کما سمعها الحدیث کا فریضہ سر انجام دیتے رہے اور پھر خاموشی سے علماء طلباء اور اپنے وابستگان و متعلقین کو داغ مفارقت دے کر العلماء ورثۃ الانبیاء کا یہ مصداق اتم دار فنا سے دار بقا کی جانب چل بسے۔ اور علمی و دینی انحطاط کے اس پُر فتن دور میں کہ بڑے بڑے اکابر اور خزینہ ہائے علوم چلے جانے کے بعد ان کے نائبین و ابدال کا ملنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہو گیا ہے۔ علمی و دینی دنیا میں ایک اور خلا کو چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اور شاعر کے اس شعر ؎

وما کنت ادری ما فواضل کفہ — علی الناس حتی غیبتہ الصفائح

ترجمہ۔ اور میں نہیں جانتا تھا کہ لوگوں پر اس کے ہاتھ کے احسانات کس قدر ہیں یہاں تک کہ قبر کی سلوں نے اس کو چھپا لیا۔

کے مطابق اب احساس ہوتا ہے کہ اس عالم جلیل کی رحلت سے مسلمانان عموماً اور زمرہ علماء و طلباء ان کے کن علمی و روحانی احسانات اور رموز و نکات سے محروم ہوئے۔

استاذی المحترم حضرت مولانا مرحوم مدت مدید تک مسند درس حدیث پر تشریف فرما ہو کر سینکڑوں طلباء کو احادیث کے اسناد و روایات کے سلسلۃ الذہب کو حضور صلعم تک پہنچانے میں ایک بیش بہا کڑی کے کردار ادا کرتے رہے۔ اپنے اسباق انتہائی محنت اور جانفشانی سے پڑھاتے حتی کہ اپنی صحت و آرام سب سے بے پرواہ ہو کر درس دیتے۔ ابتدائی دور میں بدن میں طاقت تھی تو تسلسل سے کئی کئی گھنٹے تدریسی سلسلہ جاری رہتا جب عارضہ قلب و دیگر امراض میں ابتلاء و اضافہ کی وجہ سے ضعف و نقاہت میں اضافہ ہوا پھر بھی دو تین گھنٹے تدریسی سلسلہ جاری رکھتے۔

حضرت مرحوم کا طرز تدریس اتنا سلیس اور نفیس تھا کہ جو طالب العلم چند اسباق بھی ان سے پڑھ لیتا تو اس کی تسلی و تشفی ہو جاتی جس کا اس سے پہلے تصور کرنا بھی مشکل تھا۔ ان کی ساری تقریر کے دوران درس اتنا عام فہم، بالترتیب و سہل ہوتا کہ مشکل سے مشکل مضامین بھی طلباء کے لئے پانی کی مانند ہو جاتے۔ اور آسانی سے ذہن نشین ہو جاتے یہی وجہ تھی کہ طلباء ذوق و شوق سے ان کے حلقہ درس میں شمولیت کرتے۔

مولانا مرحوم کو جیسے اللہ تعالیٰ نے فن حدیث میں مہارت خاصہ سے نوازا تھا اسی طرح فن تفسیر، عقائد، اصول فقہ میں بھی یگانہ روزگار تھے اور ان فنون پر بھی امتیازی دسترس حاصل تھی۔ درس میں بھی ان کا خاص تحقیقی اسلوب تھا۔ ان فنون کی اعلیٰ کتب کو طلباء تدریسی نقطہ نظر سے انہی کا طرۂ امتیاز سمجھتے تھے۔ منقولات کے ساتھ معقولات میں بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو خاص دستگاہ کامل حاصل تھی۔ سال کے آخر میں دورۂ حدیث کے طلباء کو

درس حدیث کی اجازت دینے میں بے حد احتیاط برتتے تھے اور طلباء کو عمیق مطالعہ اور اپنے اندر تبحر علمی پیدا کرنے کی بار بار تلقین فرماتے۔

عام مجالس میں سلسلۂ کلام انتہائی مختصر رہتا تھا مگر جو بات زبان سے نکلتی انتہائی پرمغز حکمت و دانائی سے لبریز ہوتی۔ چہرے پر ہر وقت متانت و سنجیدگی۔ اور علمی و روحانی رعب دبدبہ اور وقار کی کیفیات طاری رہتے۔ شخصیت کی بناوٹ و تخلیق میں دیوبند کا ماحول، وہاں کے اساتذہ بالخصوص اپنے شیخ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کا خصوصی فیض شامل رہا۔

روحانی اور تقویٰ کے لحاظ سے ان اہل اللہ اور خاصانِ خدا اور عاشقانِ رسول ﷺ میں سے ایک تھے۔ جو شعائر اللہ کی طرح ہوتے ہیں اور جن کو دیکھ کر "اذا رأوا ذکر اللہ" یعنی خدا یاد آجاتا ہے۔ اور دین و ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ جن کی مجلس میں بیٹھنے سے صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اور توجہ سے عقائد ایمانی میں جوش و ولولہ پیدا ہوتا۔

مولانا مرحوم کو ہر اس بات سے شدید کوفت و اذیت ہوتی جیسے وہ دین اور شریعت حقہ کے لئے مضر سمجھتے خواہ وہ فتنہ قادیان تھا یا پرویزی شر انگیزی یا ناموس صحابہ پر حملہ کرنے والوں کا گروہ تھا۔ اظہارِ حق کے معاملہ میں نہ کسی لومۃ لائم کی پرواہ کرتے اور نہ کسی مخالفت کو خاطر میں لاتے اور نہ کسی مصلحت ذاتی کو رکاوٹ سمجھتے بلکہ ہر موقع بالخصوص درس و خطبہ و تقاریر کے دوران ان پر صحیح رد و کد دلائل کے ذریعے کرتے۔ ایسے علم و تقویٰ کے میناروں کی مثالیں تاریخ میں بہت کم شاذ و نادر ملتی ہیں۔

سیاسی لحاظ سے اگرچہ عملی بکھیڑوں میں حصہ لینے سے ہمیشہ کنارہ کش رہے مگر نظریاتی طور پر صمیم قلب سے اپنے اکابر علماء دیوبند بالخصوص حضرت مدنیؒ کے افکار و نظریات کے امین و مداح رہے۔ خصوصاً افغانستان میں جب روسی الحاد نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا اسی روز سے انتہائی متفکر اور رنجیدہ رہتے اور مجاہدین کی مختلف ٹولیوں اور جماعتوں

میں منقسم ہونے کی صورتِ حال پر متاسف ہو کر ان کے اتحاد اور یک جان ہونے پر مجاہدین کو ہمیشہ تلقین کرتے رہے۔

ہمارے بچپنے کا دور تھا جب کہ دارالعلوم حقانیہ اپنے ابتدائی ادوار میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے گھر ملحق قدیم مسجد میں قائم تھا اور اس وقت تک موجودہ جگہ ادارہ کی منتقلی کی کوئی صورت نہ تھی یعنی حضرت مرحوم مسجد سے ملحق ہمارے ایک مکان جو گودام کے نام سے اب بھی موسوم ہے کی ڈیوڑھی کے اوپر ایک خستہ حال چوبارے میں اقامت پذیر تھے۔ کہ کبھی کبھی اطلاع ملتی کہ حضرت مرحوم کو خون کی قے آئی ہے۔ جس سے حضرت والد صاحب مدظلہ اور والدہ ماجدہ ادام اللہ ظلہما اور سارے اہل خانہ سب پریشان ہو جاتے۔ اضطراب و بے چینی کی حالت میں ہم پہنچ کر دیکھتے کہ کئی جام خون کے زمین پر پڑے ہیں۔ کمزوری میں اضافہ ہے دل دھڑکتے کہ شاید وقت موعود قریب ہے۔ مگر یہ دیکھ کر حیران ہو جاتے کہ یہ نحیف مرد قلندر دوسرے روز مسند درس پر جلوہ افروز ہے۔ یہ سلسلہ قریباً بیس پچیس سال جاری رہا۔

ان کے رخصت ہو جانے سے صرف دارالعلوم حقانیہ کا نقصان نہیں ہوا بلکہ شاعر کے اس شعر کے مطابق ؎

وما کان قیس ھلکہ ھلك واحد　　ولکنہ بنیان قوم تھدما

پوری علمی و دینی دنیا ایک بہت بڑے سپوت و فرزند روحانی سے محروم ہو گئی ؏

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

وصلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم

آسمانِ علم و رُشد کا ایک درخشندہ ستارہ

(جناب مولانا سیف اللہ صاحب حقانی بنوی)

۱۹۶۵ء میں راقم دارالعلوم حقانیہ کا طالب علم بنا۔ اور اسی سال آپ سے تعارف حاصل ہوا۔ اس زمانہ میں چونکہ میں اصول شاشی وغیرہ ابتدائی کتب کا طالب علم تھا۔ اس لئے ابتدائی سالوں میں آپ سے شرفِ تلمذ حاصل نہ ہوسکا۔ مگر یوں سننے اور دیکھنے سے یہ عقیدہ بن گیا تھا کہ حضرت ہر علم میں مہارت اور امام کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور درسگاہ میں جلالی اور اقامت گاہ میں پورے جمالی ہوتے تھے۔ چنانچہ تعلیم کے آخری سالوں میں یہ صفات خود بھی مشاہدہ میں آئیں۔ کیونکہ میری پہلی کتاب جو آپ کے ساتھ آئی وہ تلویح و توضیح تھی۔ تلویح و توضیح میں تقریباً ہم پچاس ساتھی شریک تھے۔

حضرت کی درسگاہی جلال کی وجہ سے ہر طالب علم ان کے سامنے عبارت پڑھنے سے کانپتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی طالب علم نے عبارت پڑھنی شروع کی آپ خاموشی سے سن رہے تھے کہ درمیان میں قاری نے غلطی کی۔ آپ قریب کی نظر کی عینک استعمال فرماتے تھے تو عینک اٹھا کر (یہی آپ کی عادت شریفہ تھی) قاری کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

"چہ نہ درحی نومہ وایہ" جب پڑھنا نہیں آتا تو نہ پڑھو۔

بڑی کتب میں حضرت دامت برکاتہم کی عام عادت تھی کہ لفظی ترجمہ کو چھوڑ کر صرف

مطالب بیان کرنے پر اکتفا فرمایا کرتے۔ چنانچہ تلویح و توضیح اور مسلم الثبوت اور بعد میں بیضاوی شریف اور مسلم شریف اور بخاری جلد دوم میں حضرت کی یہ شان میں نے خود دیکھی۔ ایک مرتبہ مسلم میں کسی ساتھی نے کسی حدیث شریف کے لفظی ترجمہ کرنے کی درخواست کی تو حضرت نے عینک اٹھا کر اس طالب علم کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"چہ تہ پہ لفظی ترجمہ نہ پوھیزے نو دورہ دِ ثحہ لہ اغستلے"

یعنی جب کہ ابھی تک لفظی ترجمہ نہیں سمجھتے تو دورہ حدیث کیوں شروع کیا ہے۔

آپ کے اس جلال کا یہ عالم تھا کہ جب آپ پڑھاتے تو طلبہ میں پوری خاموشی ہوتی۔ بے جا اور بے ڈھنگے سوال کوئی طالب علم نہ کر سکتا تھا۔ اور جب اقامت گاہ پر کوئی آپ کو دیکھتا تو اقامت گاہی جمال کی وجہ سے دیکھنے والا یوں توہم کرنے لگتا کہ شاید یہ وہ نہیں ہیں جو درسگاہ میں پورے جلال اور متانت و وقار کے ساتھ علمی نکات بیان فرما رہے تھے۔

آپ کی علمی مہارت اور پختگی اور کمال کا یہ عالم تھا۔ کہ تلویح و توضیح وغیرہ کتب کا حل ہمیشہ اپنی تحقیق ہی سے فرمایا کرتے۔ کسی محشی کی تقلید کرنا یہ آپ کی شان نہ تھی۔ خداداد علمی کمال اتنا تھا کہ تفتازانی جیسے متبحر عالم سے بھی آپ متاثر نہ تھے۔ اور ان کے اعتراضات سے اس طرز سے جوابات دیا کرتے جیسے ایک مساوی دوسرے مساوی کو۔ چنانچہ ایک مرتبہ تلویح میں تفتازانی کے چند اعتراضات کی تشریح کرنے کے بعد فرمایا کہ دیکھو لوگ اس کو علامہ کہتے ہیں اور یہ اعتراضات کیسے بے جا کئے ہیں۔ یعنی علامہ کے شایانِ شان یہ مناسب نہیں کہ ایسے بے محل و بے موقع اعتراضات کر بیٹھے۔ اس کے بعد تفتازانی کے اعتراضات کے جوابات دے دئے۔ بے شمار بیماریوں کے باوجود اور حضرت قدس سرہ کے بیان کے مطابق ڈاکٹروں کو یہ رائے دینے کے باوجود کہ آپ کی بیماری ایسی ہے کہ آپ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتے۔

آپ نے علوم دینیہ کی جو طویل اور گراں قدر اور بے مثال خدمت کی یہ اس امر کا شاہد

عدل ہے کہ خداوند قدوس اور رب ذوالجلال نے اس خدمت کو آپ سے لینا ہی تھا۔ اس لئے زندگی کے یہ لمحات آپ کو بخشے۔ جو مادی اسباب کے لحاظ سے ممکن الحصول نہ تھے

آپ علم اور علماء کے بے حد قدردان تھے۔ علم اور علماء کی بے قدری کرنے والوں پر سخت گرفت کرتے تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جمعہ کے دن کہیں چلا گیا تو وہاں جمعہ کی نماز کے لئے ایک مسجد گیا خطیب صاحب سے میرا تعارف نہ تھا۔ جمعہ ادا کرنے کے بعد وہاں کے ایک رئیس نے خطیب صاحب سے کہا کہ مولوی صاحب الٓمٓ کا کیا ترجمہ ہے؟

خطیب صاحب نے الٓمٓ کے متعلق بیان کیا مگر وہ مطمئن نہ ہوئے۔ ان کے سوال کرنے کا مقصد تو صرف ایک عالم دین کو پریشان کرنا تھا تو خطیب صاحب نے کہا کہ میرا علم تو اتنا ہی ہے۔ زیادہ پوچھنا ہو تو یہ مولوی صاحب بیٹھے ہیں ان سے پوچھ لیجئے۔

خطیب صاحب کا مجھ سے کوئی تعارف نہ تھا محض حلیہ و شکل سے اندازہ لگایا کہ یہ کوئی مولوی صاحب ہیں۔ اس پر وہ رئیس میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ مولوی صاحب الٓمٓ کے کیا معنی ہیں؟

میں نے کہا! خان صاحب یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اول و آخر سے پورے قرآن پاک کا علم ہے صرف الٓمٓ کا ترجمہ آپ کو معلوم نہیں۔ لہذا آپ ایسا کیجئے کہ اول آپ صرف الحمد کا تا آخر ترجمہ کیجئے۔ پھر الٓمٓ کا ترجمہ میں کر دوں گا۔ لہذا سائل بے حد شرمندہ ہوا اور خاموشی اختیار کرلی۔

یہ حضرت کی اس گرفت شدید کا نتیجہ تھا۔ مَن اور شُما ہوتے تو خان صاحب کو جی جی کہہ کر مطمئن کرنے کی کوشش کرتے۔

آخر میں مَیں وہ تاثر سپرد قلم کرتا ہوں جو ماہنامہ الحق کے سوالنامے کے جواب میں میں نے ۱۹۷۲ء میں حضرت دامت برکاتہم کے متعلق لکھا ہے (اور اس وقت آپ بقید

حیات تھے) اور اس پر میں مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ حضرت کو جنت الفردوس میں مقامات عالیہ نصیب فرماکر قبر کو روضۃ من ریاض الجنۃ بنائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ میرے تاثر کا عنوان اور مضمون درج ذیل ہے۔

حضرت الاستاذ مولانا عبدالحلیم صاحب مردانی ادام اللہ تعالیٰ اظلال رافۃ

آپ سے تلویح و توضیح، مسلم الثبوت، بیضاوی شریف، مسلم شریف، بخاری شریف کتاب التفسیر جلد ۲ وغیرہ کتابیں پڑھ چکا ہوں۔ آپ تمام علوم کے حافظ اور ماہر ہیں۔ آپ کے دروس جلالی ہوتے ہیں اور تقریر فصاحت و بلاغت سے بھرپور ہوتی ہے اور زیادہ اوقع فی الذہن ہوتی ہے۔ آپ بڑے متقی اور طلبہ پہ ماں باپ جیسے مہربان ہیں اور دارالعلوم حقانیہ کی رونق اور انتقان علم و عمل میں اکابر رحمہم اللہ کا جیتا جاگتا نمونہ ہیں۔

کی محمد سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

حضرت الشیخ دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں

مولانا حافظ عبد الخالق صاحب رحمانی کراچی

مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ جماعت اہل حدیث کی پورے غیر منقسم ہندوستان میں ایک ممتاز اور اپنی نوعیت کی بے مثال درس گاہ تھی۔ ویسے تو سارے مدرسین ہی خصوصی قابلیت رکھتے تھے۔ جن کا مقابلہ کرنا دشوار تھا۔ بالخصوص شیخ الحدیث اور شیخ المعقول کی جگہ جو ہستی نامزد ہوتی تھی وہ پورے ملک سے منتخب ہو کر بڑی مشکل سے اس مسند تک پہنچ سکتی تھی۔ ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی کہ وہ ان دونوں سیٹوں کا تصور بھی کر سکے۔ میرے طالب علمی کے دور میں شیخ المعقول مولانا سکندر خان صاحب تھے۔ جو ایک تجربہ کار، کہنہ مشق اور دار العلوم دیوبند جیسے اداروں میں مقبولیت کے ساتھ کام کر چکے تھے۔ اچانک ان کی وفات ہونے سے یہ جگہ خالی ہوئی۔ اس کو پُر کرنے کے لئے کئی ماہر اساتذہ آئے اور باوجود اپنی شہرت کے کام نہ چلا سکے۔ اور ان کو مستعفی ہو جانا پڑا۔ آخر میں حضرت الاستاذ مولانا عبد الحلیم صاحب تشریف لائے اور ہم میں سے اکثر طلباء نے اطمینان کا سانس لیا اور آہستہ آہستہ بہت جلد سارے طلباء مطمئن ہو گئے۔ اور پھر برسہا برس نہایت خوبیوں کے ساتھ اس مسند پر فائز رہے۔

باوجود سرحدی پٹھان ہونے کے فصیح و بلیغ اور سلیس اردو میں جامع ومانع تقریر فرماتے۔ اور افہام و تفہیم کے اپنے اچھوتے انداز سے علم کے موتی بکھیرتے اور ہم لوگ اپنے

دامن میں سمیٹتے۔ وہ دور علمی دور تھا۔ اور فن کی ساری کتب داخل نصاب تھیں۔ حضرت موصوف کے پاس سلم العلوم سے لے کر قاضی مبارک تک اور صدرا۔ امور عامہ۔ شرح چغمینی جیسی اونچی سے اونچی کتب زیر درس تھیں۔ ساری کتابیں نہایت بے تکلفی سے پڑھاتے۔ اور ہر کتاب کے درس سے قبل اس انداز سے درس کا خلاصہ اور مفہوم بیان فرماتے کہ کتاب پانی پانی ہو جاتی۔ بہترین مدرس اور خدد رجہ شفیق استاد، کم سخن اور باوقار متقی و پرہیز گار، نماز باجماعت کے پابند اور نوافل سے محبت رکھنے والے، بے حد شرمیلے، لہو ولعب سے دور و نفور۔ لغو کلامی اور غیبت سے سخت نفرت کرنے والے۔ بزرگان دین اور علماء کرام سے عقیدت و محبت آپ کا شعار تھا۔ بزرگوں اور علماء کے اکثر واقعات بیان فرماتے اور بھی متاثر ہوتے اور اپنے تلامذہ کو متاثر فرماتے۔ جذبہ جہاد سے ہمیشہ سرشار رہتے اور اپنے شاگردوں میں بھی یہ جذبہ فرمانے کے سعی بلیغ کرتے۔

سرحدی مجاہدین جنہوں نے انگریزوں سے مقابلہ کیا اور محیر العقول طور پر خدا کے دشمنوں کو شکست فاش دی۔ ان کے تاریخی واقعات جھوم جھوم کر بیان فرماتے۔ خود بھی مست ہو جاتے اور تلامذہ پر عجیب کیفیات طاری ہو جاتی تھیں۔ کہ آپس میں عہد و پیمان کرنے لگ جاتے کہ ہم دینی علم حاصل کر کے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ساری عمر علم جہاد بلند رکھیں گے۔ مزید برآں جہاد کے موضوع پر خاص خاص نصوص قرآنی و حدیثی بیان فرماتے۔ جو سونے پر سہاگہ کا کام کرتے تھے۔ اچانک اگر کوئی دیکھتا تو سرحدی لباس دیکھ کر عام سرحدی عالم خیال کرتا مگر جب پاس آکر گفتگو کرتا تو حیران رہ جاتا کہ یہ تو ایسی عمدہ و فصیح اردو زبان بولتے ہیں جیسے کوثر و تسنیم میں دُھلی ہو۔ اور ان کے اخلاق، انداز و آداب، خصائل مومنانہ، علم کی گہرائی وغیرہ ایسی چیزیں ہیں یہ تو کچھ دوسری شے ہے۔ قناعت کی دولت فراوانی سے عطا ہوئی تھی۔ صبر و شکر آپ کی پہچان تھی۔ ہر حال میں اپنے رب کے شکر گذار اور ممنون کرم رہتے۔ لباس سادہ اور صاف زیب تن فرماتے تھے۔ تواضع و انکساری جو ایک سچے

مومن کی شان ہے اس میں کوئی کمی نہ تھی۔ اہل وعیال سے خاص لگاؤ تھا دور رہ کر بھی ہر وقت خیال لگا رہتا۔ بال بچوں کی تشویشناک معمولی خبر سے بھی پریشان ہو جاتے۔ اور خصوصی تلامذہ سے اس کا ذکر بھی فرما دیتے تھے۔ خیر کم خیر کم لاھلہ کا حقیقی معنوں میں مرقع تھے۔ اپنے مسلک میں مضبوط و قائم رہے۔ مگر تعصب اور بیجا ضد اور ہٹ دھرمی سے کوسوں دور تھے۔

احقر مسلک اہلحدیث کا پابند ہے اور حضرت الاستاد مسلک حنفی رکھتے تھے مگر آپ کا خلوص اور محبت و شفقت اور اخلاق کریمانہ ایسے تھے کہ شیخ الحدیث (جو اہلحدیث تھے) اور شیخ المعقول میں ذرہ برابر فرق اور تمیز کا احساس تک کسی مرحلہ میں کبھی نہ ہوا۔ اور غالباً یہ درسگاہ کی برکت تھی جہاں نصف اساتذہ اہلحدیث اور نصف حنفی اور نصف تلامذہ اہلحدیث اور نصف حنفی ہمیشہ رہے اور کبھی کسی قسم کا کوئی تصادم یا اختلاف یا کشیدگی آپس میں کبھی نہ ہوئی۔

میرے مربّی میرے شیخ

روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

مولانا عبد المتین صاحب حقّانی بنوی

اپنے محبوب ترین شیخ اور مشفق مربی حضرت صدر المدرسین علامہ عبد الحلیم صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے بارے میں بار بار قلم اٹھانے کا ارادہ کیا۔ لیکن ایک طرف فن مضمون نگاری سے ناواقفی آڑے آتی۔ دوسری طرف اس خوف سے گریزاں ہو جاتا کہ ایسا نہ ہو۔ میں ان کی شان کے مناسب کچھ نہ لکھ سکوں۔ اور میری تحریر ان کی تنقیص شان کا موجب ہو۔ لیکن برادرم مولانا محمد ابراہیم فانی کی دو بار یاد دہانی پر شیرازۂ افکار کو سمیٹنے کے لئے بیٹھ گیا اگرچہ میرے ساتھ اس بات کا احساس ہے کہ میں اپنے جذبات و احساسات کو دیدہ زیب جامۂ الفاظ نہیں پہنا سکتا۔ لیکن پھر بھی بقول کسے ؎

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

جہاں تک حضرت صدر صاحب مرحوم کے ساتھ میرے تعلق کا معاملہ ہے تو میرے خیال میں حضرت کی جو خصوصی محبت اور امتیازی شفقت میرے ساتھ تھی۔ میرے

ہم عصروں میں کسی کم ہی کو نصیب ہوئی ہوگی۔ اور ایں سعادت بزور بازو نیست کے مصداق بندہ اپنے آپ کو نہایت ہی خوش قسمت ترین تصور کرتا ہے بقول غالب

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرا ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

آج جب ان تبرکات جو حضرت مرحوم نے مجھے مرحمت فرمائے ہیں۔ پر نظر پڑتی ہے تو حضرت کی نورانی جبین اور ان کا پر عظمت سراپا میری آنکھوں اور دیدۂ تصور کے سامنے گردش کرنے لگتا ہے۔ مرحوم نے مجھے اپنے دست مبارک سے دو عدد سواتی چغے ایک عدد شیردانی ایک واسکٹ مع ٹوپی جائے نماز اور ایک جوڑا کپڑے مع پگڑی کے عنایت فرمائے تھے۔

میری خانہ آبادی کے موقع پر چونکہ حضرت خود بیمار تھے اور ضعف و نقاہت اور کمزوری کے باعث تشریف نہ لا سکے۔ تو اپنے جانشین فرزند ارجمند حافظ محمد ابراہیم فانی کو ایک عدد لنگی عطا فرما کر شادی میں شرکت کے واسطے بھیجا۔ حضرت مرحوم مجھے از خود تبرکات عطا فرماتے جب کہ اکثر طلبہ آپ سے ان کا تقاضا کرتے۔ لیکن مجھے کبھی بھی اس کی نوبت نہ آئی۔

راقم نے ۱۹۷۱ء میں دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ لیا۔ تین سال تک حضرت کے ساتھ تعلقات نہ تھے کیونکہ اس وقت تک میری کوئی کتاب حضرت مرحوم کے ساتھ نہ تھی۔
۱۹۷۴ء میں بندہ نے تلویح توضیح اور بیضاوی شریف فارم میں لئے۔ اس سال حضرت مرحوم نے یہ ہدایت کی تھی کہ جس طالب علم نے جلالین شریف نہ پڑھی ہو تو بیضاوی شریف نہیں پڑھ سکتا۔ اس وجہ سے بہت سے طلباء نے فارم داخلہ سے بیضاوی شریف خارج کردی۔ بندہ بھی اس زمرے میں آتا تھا کیونکہ میں نے ابھی جلالین شریف نہیں پڑھی تھی۔ لیکن اتفاقاً میرے داخلہ کے وقت حضرت صدر صاحب مرحوم دفتر میں موجود تھے۔ پہلے دن جب

حضرت مرحوم درسگاہ تشریف لائے اور اپنی مسند پر براجمان ہوئے تو درسگاہ میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ ہم تقریباً پچاس ساتھی شریک درس تھے۔ مرحوم نے افتتاح کیا۔ لفظ بیضاوی کی تشریح کے دوران حرف یاء کے متعلق فرمایا کہ یہ یاء یاء نسبتی ہے۔ ضمن کلام میں مولوی ... سے پوچھا۔ کہ مولی کونسا صیغہ ہے۔ میں چونکہ دوسری صف میں بیٹھا تھا۔ اور ... دامن گیر تھا۔ کہ ایسا نہ ہو حضرت مجھ سے استفسار فرمائیں۔ کہ آپ نے ... پڑھی ہے یا نہیں۔ اسی وجہ سے میں جواب نہ دے سکا۔ حضرت نے باری باری تین ... سے پوچھا۔ وہ اپنی مرعوبیت کی بنا پر صحیح جواب نہ دے سکے۔ ان تینوں طالب علموں ... سے ایک وہ بھی تھا جس کو حضرت صدر صاحب نے فرمایا تھا۔ کہ چونکہ آپ نے ... شریف نہیں پڑھی اس لئے تم بیضاوی شریف میں شریک نہیں ہو سکتے۔ لیکن ... طور پر آیا تھا۔ بہر حال حضرت ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور متبسمانہ لہجہ میں فرمایا ... تینوں کی مثال ایسی ہے کہ ایک "عالم" قبر پر وعظ کر رہا تھا۔ تو اس نے کہا کہ ... کو دفن کرنے کے بعد اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں ایک کا نام جبرائیل اور دوسرے ... میکائیل ہے۔ اس موقع پر دو عالم اور بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایک نے اعتراض ... دونوں کے نام جبرائیل اور میکائیل کے بجائے ہابیل اور قابیل ہیں۔ تیسرے عالم سے نہ ... اس نے کہا کہ آپ دونوں غلطی پر ہیں۔ ان کے نام ہاروت اور ماروت ہیں۔

حضرت مرحوم عبارت کی غلطی پر سخت ترین مواخذہ کرنے میں بے نظیر اور اپنی مثال آپ تھے۔

راقم کی عادت یہ تھی کہ تمام کتابوں میں صف اول میں بیٹھتا۔ لیکن بیضاوی شریف میں ... کے خوف سے دوسری صف میں سر جھکائے بیٹھا رہتا۔ جس پر مجھے ضمیر ملامت ... چند دن کے بعد یہ سوچا کہ یہ حجاب اور یہ دوری تا بکے۔ صف اول میں بیٹھنے کی ... اور نہ عبارت پڑھنے کی طاقت۔ ضرور حضرت مرحوم کے ساتھ تعلقات

پیدا ہونے چاہئیں لیکن آپ کے رعب دبدبہ آپ کی شانِ جلالی اور کیفِ تمکین و وقار کو دیکھ کر پھر یہ ارادہ ترک کر دیتا۔ ایک دن سبق کے بعد لرزیدہ دل اور ترسیدہ نگاہوں سے حضرت مرحوم سے عرض کی کہ جناب عالی! میں چائے لے آتا ہوں اگر آپ منظور فرما دیں تو ذرہ نوازی ہوگی۔

ارشاد فرمایا۔ کہ اچھا۔ پھر اس کے بعد تعلقات کا سلسلہ قائم ہوا۔ اور یوں مجھے صفِ اول میں بیٹھنے اور عبارت پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ قرأت بیضاوی شریف کے دوران اگر کسی لفظ کو صحیح ادا نہ کرتا تو حضرت مرحوم خلاصۂ تفسیر اور تحقیق کے دوران اس لفظ پر زور دیتے۔ بندہ سمجھتا کہ یہ میرے تنبیہ کے لئے حضرت نے اس لفظ کو پرزور انداز میں فرمایا۔ دورانِ درس موقعہ کی مناسبت سے بہترین اشعار سناتے۔ یہ دو اشعار ابھی تک آپ کی زبانِ مبارک سے مجھے یاد ہیں۔

در فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

بندہ نے موقوف علیہ پڑھنے سے ایک سال پہلے نصف شعبان سے لے کر بیس رمضان المبارک تک کا زمانہ حضرت کے گاؤں زروبی میں ان کی مسجد میں گزارا۔ میرے ساتھ میرے ساتھی مولانا کلیم اللہ بھی تھے۔ سحری کے وقت کا اعلان بندہ لاؤڈ سپیکر پر کرتا۔ اعلان کے بعد ایک سورت یا چند آیتوں کی تلاوت کرتا۔

ایک دفعہ اسی طرح اعلان کے بعد میں نے سورت بینۃ کی تلاوت کی۔ لیکن آخری آیت غلط پڑھی۔ لاؤڈ سپیکر بند کر کے صحن میں آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت وہاں پہ کھڑے ہیں اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ آپ نے یہ آیتیں کیسے پڑھیں؟ عرض کیا۔ حضرت مجھ سے غلطی ہوئی۔ سبحان اللہ! کتنے شفیق اور کتنے حساس۔ آہ وہ نگاہیں وہ شفقت آگیں نظریں ع

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تُو

افطاری کے وقت ہمارے ہاں تشریف لاتے اور ہماری دلجوئی کی خاطر ہمارے ساتھ ہی افطار فرماتے۔ چونکہ آپ کو چائے نوشی کی عادت تھی اس لئے ایک آدھ کھجور تناول فرمانے کے بعد چائے کے ایک دو گھونٹ نوش فرماتے۔ بقیہ پیالی پر پرچ رکھ کر نماز میں مشغول ہو جاتے۔ قیام زروبی کے دوران ہمیں احساس تک بھی نہ تھا کہ ہم مسافر ہیں یا مقیم۔ حضرت مرحوم ہمیں کسی قسم کی تکلیف میں دیکھنا گوارا نہ فرماتے تھے۔ انہوں نے ایک معزز مہمان کی طرح ہماری قدردانی کی۔ اور اہلِ محلہ نے ہماری خوب عزت افزائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ اور حضرت مرحوم کی قبر پر رحمتوں کی بارش برسائے۔ آمین ؎

لطف و احسان آپ کا ہے مہربانی آپ کی
بندہ کس لائق ہے صاحب قدردانی آپ کی

زروبی میں ہم کچھ کتابیں حضرت مرحوم اور استاذِ محترم مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ سے سراجی اور شریفیہ پڑھتے تھے۔

۱۹۷۵ء میں بندہ حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب قدس سرہٗ کے پاس دورۂ تفسیر کی غرض سے راولپنڈی گیا۔ حضرت مرحوم نے وہاں خط ارسال فرمایا کہ گھر کو واپسی پر یہاں آجاؤ کوئی ضروری مشورہ کرنا ہے آپ کے ساتھ۔ تعمیلِ حکم کے طور پر بندہ حاضرِ خدمت ہوا۔ جس مشورہ کے لئے بلایا تھا۔ اس کے متعلق باتیں ہوئیں۔ حضرت نے بندہ کا مشورہ پسند فرمایا۔

سحری کے وقت حضرت مرحوم نے اپنے برخوردار کو حکم دیا کہ دیسی گھی گڑ ملا ہوا لاؤ

میں نے عرض کی کہ مجھے کھانسی کی شکایت ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ اس کے بعد پانی نہ پیو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں۔ (یہ اس علاقے میں معزز مہمان کے لئے پیش کرتے ہیں) حضرت کی ہدایت پر عمل کیا تو واقعی کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچی۔ صبح کو حضرت نے خصوصی دعاؤں سے نواز کر رخصت کیا۔

کوہاٹ میں تدریس کے دوران بندہ کے ذمہ توضیح وتلویح کی تدریس تھی جو اصول الفقہ کی مشکل ترین کتاب ہے۔ اس میں اجماع مفرد اور مرکب کی بحث میں کچھ اشکالات پیش آئے چونکہ ارادہ تو پہلے ہی سے یہ تھا کہ حضرت کی ملاقات کے لئے حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔ تو ساتھ یہ بھی سوچا کہ اس بحث کے متعلق بھی عرض کروں گا۔ عشاء کی نماز کے بعد ہم حضرت کی بابرکت محفل کی لطف اندوزیوں میں مصروف تھے کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بارے میں بات چھیڑ دی اس ضمن میں اجماع مفرد اور اجماع مرکب پہ۔ ایک نفیس بحث کا آغاز فرمایا۔ حضرت ایسی محویت اور فنائیت کے ساتھ مصروف تھے گویا درسگاہ میں درس دے رہے ہیں۔ بندہ دل میں ازحد خوش تھا کہ چلو پوچھنے کی نوبت ہی نہ آئی ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

جب حضرت نے مسئلہ کی خوب وضاحت فرمائی اور میرا مقصد مکمل طور پر حل ہو گیا تو میں نے عرض کیا۔ حضرت میں تو اسی مسئلہ کے پوچھنے کے لئے آیا تھا۔ اچھا ہوا۔ میرے پوچھے بغیر آپ نے اس کو سلجھا دیا۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور کہا کہ پھر تو آپ صاحب کرامت ہیں میں نے عرض کیا۔ یہ میری کرامت نہیں بلکہ آں جناب کی ہے ؎

نہیں ہے پیرِ میخانہ مگر فیضان باقی ہے
ابھی تک میکدے سے بوئے عرفانی نہیں جاتی

پھر فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ یقبض العلم بقبض العلماء

اس کا مطلب یہ ہے کہ علماء راسخین اور کتاب سمجھنے والے علماء نہ ہوں گے۔ یعنی جب ایسے علماء ختم ہو جائیں تو علم ختم ہو جائے گا۔ ویسے تو سفید پگڑیوں والے زیادہ ہوں گے۔ لیکن ان کا علم کے ساتھ کیا تعلق؟

پھر ارشاد فرمایا کہ اب آپ کی جوانی ہے جتنی مشکل کتابیں ہوں، لے لیا کریں۔ یہ کسب کا زمانہ ہے اس وقت اگر کچھ حاصل کیا تو فبہا ورنہ بعد میں کچھ نہیں ہوگا۔ اور فرمایا کہ حتی الامکان کوشش کرو کہ نماز خود پڑھاؤ۔ دوسرے امام کے بارے میں علم نہیں ہوتا اور اسی طرح امامت پر اجرت بھی نہ لیا کرو۔ ہاں اگر کسی نے از خود کچھ رقم دے دی تو اس سے انکار نہ کریں البتہ خود نہ مانگیں۔

جس سال بندہ یہاں دارالعلوم حقانیہ میں موقوف علیہ پڑھ رہا تھا تو جمعیت طلباء کی نظامت کا بوجھ بھی طالب علم ساتھیوں نے بندہ کے کندھوں پر ڈالا۔ میں نے ازحد کوشش کی۔ اور ساتھیوں کو معذرت پیش کی۔ کہ میں اس بارِ گراں کا متحمل نہیں ہو سکتا لیکن انہوں نے مجبور کیا۔ چنانچہ بادلِ نخواستہ مجھے ایک عظیم آزمائش میں مبتلا ہونا پڑا۔ چونکہ طالب علمی کا زمانہ تھا ہوش کے بجائے جوش اور دوراندیشی کی جگہ عجلت پسندی مزاج میں کارفرما تھی۔ اس لئے طالب علم ساتھیوں کے ایک مطالبہ پر مدرسہ میں ہڑتال کی نوبت آپہنچی۔ نظامت چونکہ میرے ذمہ تھی میں ہی ان تمام امور کا ذمہ دار اور جوابدہ تھا۔ اس لئے میں سب سے آگے رہا۔ جس کی وجہ سے کارپردازانِ مدرسہ کا مجھ سے ناراض ہونا ایک فطری امر تھا میرے ساتھ ازحد فکر دامنگیر تھی۔ کہ ایسا نہ ہو اس حرکت پر حرماں نصیب ہو جاؤں۔ چنانچہ دورہ کلان کے وقت بندہ نے حضرت شیخ الحدیث استاذی المکرم مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ العالی سے معافی مانگی۔ لیکن فراغت کے بعد دل ہی دل میں یہی وسوسہ تھا کہ حضرت الشیخ مجھ سے بدستور ناراض ہیں۔ تحصیل علوم کے بعد بندہ میراں شاہ میں مدرسہ حسینیہ نورک میں تدریس پر مامور ہوا۔ دوسرے سال دارالعلوم عربیہ میں تقرر ہوا۔

وہاں سے بندہ نے حضرت مرحوم کے نام ایک خط ارسال کیا کہ میرے دل میں حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کی ناراضگی کے بارے میں سخت تشویش ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ آں محترم حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کے پاس جانے کی زحمت گوارا کریں تاکہ میں ان سے اپنی گستاخی کی معافی مانگوں۔ لہٰذا آپ تاریخ مقرر فرماویں کہ فلاں تاریخ پر تم یہاں آجاؤ۔

مرحوم نے جواباً تحریر فرمایا:۔ کہ فلاں تاریخ کو آؤ۔ تاریخ مقررہ پر بندہ حاضر خدمت ہوا۔ ظہر کے بعد حضرت نے فرمایا کہ حضرت مولانا صاحب مدظلہ کے لئے آپ نے کوئی تحفہ لایا ہے یا نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ از خود میں نے کچھ لانا پسند نہیں کیا۔ یہ میں آں جناب کی صوابدید پر چھوڑتا ہوں۔ جو چیز آپ پسند فرمادیں۔ میں وہی چیز بازار سے لاؤں گا۔ اور اس کو حضرت کی خدمت اقدس میں پیش کریں گے۔ بازار کو اکٹھے جا کر ہم نے ایک سفید پگڑی اور ایک رومال خریدا۔

عصر کا وقت قریب تھا چونکہ اس وقت حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ اپنے دولت کدہ کے قریب مسجد میں تشریف لاتے ہیں۔ اس لئے ہم مسجد کو چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ بھی تشریف لائے۔ انہوں نے حضرت مرحوم کو دیکھا تو نہایت ہی متفکر ہوئے۔ کیونکہ حضرت مرحوم بلا کسی سخت ضرورت یا حضرت الشیخ مدظلہ کی طرف سے بلاوے کی صورت میں وہاں تشریف نہیں لے جاتے۔

نماز کا وقت تھا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے حضرت مرحوم سے فرمایا کہ امامت فرمادیں۔ چنانچہ حضرت مرحوم نے نماز پڑھائی۔ دعا کے بعد حضرت الشیخ حضرت کے قریب ہوئے اور فرمایا کیسے تشریف آوری فرمائی؟

حضرت مرحوم نے فرمایا کہ ایک بات ہے مگر تخلیہ میں آپ سے عرض کرتے ہیں۔ چنانچہ دونوں حضرات مسجد کے اندر تشریف لے گئے۔ بندہ، مولانا محمد امین حقانی۔ اور مولانا

عبدالمجید صاحب قندہاری ہم بھی اندر چلے گئے۔

مرحوم نے مولانا صاحب کو فرمایا کہ عبدالمتین ہمارا فاضل ہے۔ ٹل میں مدرس ہے اور وہاں پر اونچے درجے کی کتابیں پڑھا رہا ہے۔ آں جناب کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوا ہے۔

میں نے سوچا کہ مسئلہ تو صاف نہیں ہوا ہے پس عرض کیا کہ جناب عالی! میں نے موقوف علیہ کے سال گستاخی کی تھی، ہڑتال کی تھی۔ اس لئے یہاں اپنے ساتھ حضرت کو تکلیف دے کر حاضر ہوا ہوں۔

حضرت الشیخ مدظلہ از حد خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ بیٹا! وہ اس سال کے ساتھ وہ بات ختم ہوئی۔ اس وقت ہم نے آپ کو معاف کیا تھا۔ یہ ہمارا اور آپ کا تو گھر کا معاملہ ہے گھر میں اسی طرح باتیں آتی رہتی ہیں۔

پھر میں نے پگڑی اور رومال پیش کیا۔ حضرت الشیخ مدظلہ مدظلہ کے کندھے پر ایک رومال تھا۔ بندہ نے مرحمت فرمانے کی عرض کی۔ حضرت الشیخ نے فرمایا۔ قریب آجاؤ۔ چنانچہ میں قریب ہوگیا۔ پھر فرمایا کہ اپنی پگڑی سر سے اتار دو۔ بعد ازاں حضرت مدظلہ نے اپنے رومال مبارک سے میری دستار بندی فرمائی۔ اس کے بعد دونوں شیوخ مجھ سے مخاطب ہوئے

"کہ یہ آپ کی خاص دستار بندی ہے"

بندہ کو اس اعزاز سے اتنی خوشی حاصل ہوئی۔ جو بیان سے باہر ہے۔

بندہ کو جتنے خطوط حضرت صدر صاحب مرحوم نے ارسال فرمائے ہیں وہ تمام بندہ کے پاس بطور ایک نادر تبرک کے محفوظ ہیں۔ انشاء اللہ ان میں سے چند مولانا محمد ابراہیم صاحب کو اشاعت کے لئے ارسال کروں گا۔

حضرت مرحوم نے جب بغرض علاج کراچی تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا تو اس سے پہلے بندہ حاضر خدمت ہوا۔ حضرت مرحوم نے فرمایا کہ میرا خط آپ کو پہنچا ہے یا ویسے آئے ہو۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت بغیر اطلاع یا خط کے یہاں آیا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے آپ کو خط بھی بھیجا ہے۔ جس میں میں نے آپ کو آنے کے متعلق لکھا ہے۔ فرمایا کہ میں مردان میں کسی حکیم کے پاس گیا تھا۔ اس نے مجھے جو نسخہ تجویز کیا ہے اس میں ایک سرطان دکھیکڑا بھی ہے جو کوہاٹ میں زیادہ ہیں۔ وہاں سے وہ چیز حاصل کریں اور مجھے بھیج دو۔ میں نے ایک طالب علم کو ساتھ کیا اور کوہاٹ چلے گئے۔ وہاں ہم نے ایک سرطان پکڑا۔ اور اس کو حکیم کے نسخہ اور ترکیب کے مطابق پکایا۔ پھر اس کو ڈبے میں بند کر کے اس طالب علم کے حوالے کیا۔

کراچی جانے سے دو دن قبل مجھے کسی نے اطلاع دی کہ حضرت علاج کے لئے کراچی تشریف لے جا رہے ہیں۔ تو بندہ فی الحال کوہاٹ سے اکوڑہ خٹک کے لئے روانہ ہوا۔ جب مدرسے پہنچا تو حضرت بھی گھر سے تشریف لائے تھے۔ کیونکہ صبح انہوں نے اسلام آباد کے بین الاقوامی ہوائی اڈے سے جانا تھا۔ حضرت نے جب بندہ کو دیکھا تو ازحد خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور کہا کہ میں نے آپ اس لئے اطلاع نہیں دی کہ مبادا آپ پریشان ہو جائیں۔

صبح سویرے چائے کے بعد آں محترم جی ٹی ایس میں سوار ہو کر رخصت ہوئے۔

کراچی ہسپتال سے حضرت مرحوم نے مجھے دو عدد خطوط ارسال فرمائے۔ بعدازاں جب واپس گھر تشریف لائے تو کسی طالب علم کو والا نامہ دیا تھا کہ میں رو بصحت ہوں آنے کی تکلیف نہ کریں۔ لیکن پھر بھی میرے دل کو کسی طور چین نہیں آتا تھا۔ میں نے سوچا ہونہ ہو میں ضرور اس پیکر محبت و خلوص اور مجسمہ صدق و صفا کی خدمت اقدس میں حاضری دوں گا چنانچہ ربیع الاول کے پہلے ہفتے میں عازم زروبی ہوا۔ اور اپنے ساتھ ایک کوہاٹی چادر بھی لے گیا۔ جس کی حضرت متمنی تھے۔ ظہر سے لے کر عصر تک احوال پرسی اور ہسپتال کے قیام کے واقعات بیان فرمائے۔ اسی رات ایک واسکٹ بھی عطا فرمایا۔ جو اب تک میرے پاس محفوظ ہے۔ اور صبح ادعیہ مخصوصہ سے نواز کر رخصت فرمایا۔ اس کے ایک ہفتہ بعد حضرت

کے وصال کی خبر پہنچی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ حضرت کی شفقتیں۔ ان کی محبتیں۔ پند و نصائح۔ ان کی محفلیں اور ان کی ادائیں تمام یاد آنے لگیں۔

میرے آنے کے بعد میرا ایک اور ساتھی مولانا عبدالباری ان کی مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے تو اس سے فرمایا کہ موسم ذرا اچھا ہو جائے یعنی سردی کم ہو جائے تو کوہاٹ جائیں گے۔ کسے خبر تھی کہ آئندہ سفر سفر آخرت ہو گا۔

اللہ تعالیٰ ان کی قبر اور مرقد کو اپنی رحمت بیکراں کا دفینہ بنائے۔ اور ان کے طفیل اور ان کی محبت کیوں کہ المرء مع من احب کے وسیلہ ہماری عاقبت سنوارے۔ آمین

یہ تھے میرے مشفق ترین مربی و محبوب ترین شیخ اور ان کے ساتھ میرے تلمیذانہ تعلقات کا آئینہ و پس منظر۔ آہ ع

وقت نے ہم سے چھین لیا ہے پیار کا وہ کاشانہ بھی

مولانا عبد الحلیم صاحب

ایک تذکرہ —— چند یادیں

مولانا عبدالحکیم اکبری ——— گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان

اپنی مختصر سی زندگی کے شب و روز میں علم کے بڑے بڑے بحرِ ذخّار، ماہرین علوم تفسیر و حدیث، مجاہدین اسلام، اور مشہور اہل علم و قلم اس دنیا فانی سے دار بقار کی طرف کوچ کرتے ہوئے دیکھا اور چند سالوں سے تو تسلسل اور تواتر کے ساتھ نہایت ہی قلیل مدت میں بڑے جامع المنقول والمعقول علماء کی رحلتیں ایسی محسوس ہوئیں جیسے تسبیح کے دانے، تار ٹوٹنے پر یکے بعد دیگرے نیچے کی طرف گرنے شروع ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک کی مفارقت سے داغ ضرور لگتا ہے۔ لیکن بعض سے تو قریب تعلق کی وجہ سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اپنی متاعِ دنیا لُٹ گئی ہے۔ حضرت استاذ المحدثین، شیخ التفسیر مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک ہستی تھی کہ صرف مجھے ہی پسند نہیں بلکہ جس کا بھی ان سے ایک دفعہ تعلق قائم ہو گیا تھا اور اس نے ان کی وفات کی درد انگیز خبر سنی ہو گی تو انہی جذبات و کیفیات سے دوچار ہوئے ہوں گے۔ جو ایسے موقعوں پر فطرتی اور قدرتی طور پر محسوس ہوا کرتے ہیں۔

آپ کی ذات کا نمایاں پہلو جامعیت اور مختلف علوم و فنون میں کمال و رسوخ تھا۔

آپ کی ذات مرجع خلائق تھی۔ ہزاروں تشنگان علوم نے آپ سے استفادہ کیا۔ درس و تدریس اور توسیع علوم و اشاعتِ دینی میں آپ نے بے مثال کام کیا۔ اور زندگی بھر اسی مقدس مشن کو بینے سے لگاتے رہے۔ تدریس کے ایک خاص اسلوب کے لحاظ سے آپ خاتمہ المدرسین ہیں۔ آپ کا ایک انوکھا اور دلنشیں انداز تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ موتی پرو رہے ہیں۔ آپ کی تقریر میں ایسا کوئی لفظ تلاشِ بسیار کے باوجود نہ ملتا جس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا کہ یہ لفظ بے محل ہے۔ زائد ہے یا اس سے بہتر لفظ کا استعمال اس مقام پر ہو سکتا ہے۔ مشکل سے مشکل مسائل کو نہایت ہی آسان اور دلنشیں انداز میں سمجھانے میں آپ کو ملکہ حاصل تھا۔ جس انداز سے آپ درسگاہ میں تشریف لاتے، درس کی ابتداء فرماتے، ایک وقار ہوتا تھا، سنجیدگی و متانت ہوتی تھی۔ اور یہ بجا کہا جا سکتا ہے کہ وہ مسندِ تدریس کا وقار تھے۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ علماء حقانی کے ہاں مسندِ تدریس کا کیا مقام ہے اور کتنے ادب و احترام کا متقاضی ہے۔

حضرت استاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ یوں تو سارے علوم میں ملکۂ راسخ رکھتے تھے لیکن حدیث، تفسیر، اصولِ فقہ، فقہ اور علم کلام میں ایک ممتاز مقام کے مالک تھے۔ شرح و حواشی کے محتاج نہیں رہے تھے۔ بعض علمی مشکلات کی ایسی توجیہہ و تاویل فرماتے کہ بڑی بڑی مشہور کتابوں میں بھی اس کی طرف اشارہ تک نہیں پایا جاتا تھا۔ اصولِ فقہ کی مشہور کتاب "توضیح و تلویح" اکثر زیرِ درس رہتی۔ پڑھاتے وقت حنفیت کی رگ پھڑک اٹھتی تو یوں معلوم ہوتا کہ فاتحانہ انداز میں مولانا تفتازانی کے مقابل کھڑے دلائل دے رہے ہیں۔ اور دلائل کے انبار لگا دیتے تھے۔

تفسیر بیضاوی راقم نے آپ سے پڑھی ہے۔ بعض مقامات پر مفسّر صاحب نے حنفی علماء کے خلاف جس رائے کو ترجیح دی، جب ان خاص مقامات کو پڑھاتے تو جوش میں آ جاتے اور موجیں مارتا ہوا بحر بیکراں دکھائی دیتے۔ آپ کا درس عقل و نقل اور علم و فضل کے جملہ

پہلوؤں کی فیض رسانی پر مشتمل ہوتا تھا۔

حضرت استاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص اسلوب تدریس کے رموز کو فن تدریس کے "خسروان" ہی بہتر جانتے ہیں۔ ایک بے بضاعت طالب علم ان رموز کا احاطہ کیا نشاندہی سے بھی قاصر ہے۔

استغنا اور قناعت جو علم کا زیور ہیں۔ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری گئی تھیں معمولی مشاہرہ پر تاحیات دارالعلوم حقانیہ کے مسند تدریس سے وابستہ رہے۔ ورنہ ان کی ذات کی تو ہر جگہ طلب تھی۔ ضرورت تھی۔ اور جہاں بھی تشریف لے جاتے صدر نشین ہی ہوتے لیکن کبھی یہ خیال تک نہ آیا ہوگا۔ کہ دارالعلوم کے علاوہ کسی اور جگہ مسندِ تدریس کو سنبھالیں یہ ایسی خوبیاں ہیں جو ہر کسی کے نصیب میں کہاں۔

شخصی وقار کے ساتھ ساتھ علم و تقویٰ کا ایک رعب بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ کم از کم راقم کو تو ان کے شاگرد ہونے کے باوصف ان کے سامنے کبھی آنکھ اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ ایسے کافی ساتھیوں کو دیکھا کہ حضرت استاد صاحب مرحوم کے سامنے جانے سے کتراتے تھے۔ لیکن جب ایک دفعہ تعلق قائم ہو جاتا تھا تو شفقت و ملاطفت حد سے زیادہ فرماتے۔ اپنے زمانہ طالب علمی کے کئی ساتھیوں کے نام مجھے یاد ہیں جن سے مولانا صاحب کو خاص تعلق، شفقت تھا۔ درس کے دوران بھی ان سے بے تکلفانہ مزاحی کلام فرما کر درسگاہ کو کشت زعفران بناتے ۔

چہرہ ان کا خندخند ، گفتگو میں قند قند
وہ عجیب انجمن یارو اب کہاں گئی

آپ کے ہم عصر مشہور علماء کو آپ کا ادب و احترام کرتے ہوئے، ادب و احترام سے آپ کا نام لیتے ہوئے، آپ کی علمیت کا، تقویٰ کا، نقلی و عقلی علوم میں کمال رسوخ کا معترف پایا۔ دارالعلوم حقانیہ کے تمام مدرسین آپ کی از حد تعظیم کرتے اور ادب و احترام کا ایسا معاملہ

فرماتے جیسے استاد شاگرد کے درمیان ہوتا ہے۔

دارالعلوم کے بانی و مہتمم، مجسمۂ اخلاص، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم آپ کے زمانۂ طالب علمی کے ساتھی ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں پڑھتے رہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں کو شرف تلمذ حاصل ہے اور دونوں کو ہمیشہ آپ کی تعریف میں رطب اللسان پایا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب مرحوم کی ذات کو دارالعلوم کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ یہ اللہ کی حکمت ہے کہ انہوں نے ایسی حالت میں کہ ان کی ذات کی ضرورت دارالعلوم کے مسند تدریس کے لئے پہلے سے کہیں زیادہ تھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلا لیا۔

اس حادثہ جانکاہ کا جو صدمہ مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کو ہوا ہوگا اس کا احساس کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت مفتی اعظم مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب بھی دارالعلوم تشریف لاتے اور مولانا صاحب سے ملاقات ہوتی۔ تو اگر ایک طرف مولانا عبدالحلیم صاحب کے دل میں مفتی صاحب کی تعظیم تھی۔ تو دوسری طرف حضرت مفتی صاحب بھی نہایت ہی ادب و احترام کا معاملہ فرماتے۔ ایسے موقعوں پر حضرت مفتی صاحب کے دبدبہ چہرے پر ایک مسکراہٹ کے عجیب آثار نمودار ہوتے۔ قریبی تعلق رکھنے والے آج بھی حضرت مفتی صاحب مرحوم کی دلی خوشی و انبساط کی ترجمانی کا باعث ان کی مسکراہٹ ہی کو قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے معنوی پہلوؤں سے اس کے حامل ہی بخوبی آگاہ ہو سکتے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب مرحوم نے قومی اسمبلی کی کارروائی دیکھنے کی خواہش کا تذکرہ فرمایا۔ جمعرات کے دن اسلام آباد جانے کا پروگرام طے ہوا۔ مولانا فضل الرحمٰن اور راقم کو شرکت سفر کا اعزاز حاصل ہوا۔ رات کا قیام حضرت مفتی صاحب کی اقامت گاہ میں تھا۔ رات دیر تک حضرت مفتی صاحب مدظلہ سے علمی بحث و مباحثہ اور

افادہ واستفادہ کی محفل رہی۔ ایک عجیب سماں تھا۔ زمانے کے دو بڑے بڑے علم کے بحرِ بیکراں علمی بحث و مباحثہ کے ذریعہ ایک دوسرے کے ساتھ دیر تک محوِ گفتگو رہے۔ اور ہم ابتدائی طالب علم بحث کے بعض پہلوؤں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ کافی علمی نکات ہماری ذہنی رسائی سے باہر تھے۔ لیکن ایک روحانی محفل کی کیفیت کا احساس بھرپور انداز سے ہو رہا تھا جس کا احساس اب بھی اس محفل کو یاد کر کے تازہ ہو جاتا ہے۔ اور ایک فرحت بخش ماحول سے لطف اندوز ہونے کا موقعہ فراہم کرتا ہے۔

صبح کو ناشتہ کے بعد حضرت مولانا عبدالحق صاحب کی اقامت گاہ پر تشریف لے گئے۔ انہی دنوں مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی ایک قرارداد جو سُود کی حرمت اور ملک میں سودی کاروبار کی ممانعت کے سلسلے میں تھی قومی اسمبلی میں زیر بحث تھی۔ اور آج کا دن اس کا آخری دن تھا۔ مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ اس بحث کی تیاری میں مصروف تھے۔ مولانا عبدالحلیم صاحب مرحوم کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور فوراً سود کی حرمت معاشرہ میں اس کی وجہ سے پیدا شدہ خرابیاں، تفریق اور افراتفری مختلف پہلوؤں پر تذکرہ کا آغاز کر دیا۔ مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث کا آغاز فرمایا اور مسلسل گفتگو فرماتے رہے۔ اور وہ وہ علمی نکات بیان فرمائے۔ قرآن و احادیث کے حوالہ سے۔ اور واقعاتی لحاظ سے سود کی حرمت و ممانعت اور معاشرہ کے لئے اس کی بنیاد فساد پر سیر حاصل بحث فرمائی۔

دارالعلوم حقانیہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد راقم نے بھکر ضلع میانوالی کے ایک مدرسہ میں تدریس شروع کی۔ انہی دنوں ایک دفعہ اساتذہ کرام کی زیارت کے ارادے سے دارالعلوم میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت استاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی اقامت گاہ پر ملاقات ہوئی۔ نہایت ہی شفقت سے ملے۔ جب راقم نے یہ بتایا کہ حضرت تدریس کا شغل ہے تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور چند نصائح فرمائیں کہ کوشش کریں

اپنے ابتدائی کتابوں کی تدریس ہو جائے۔ ان کی تدریس کو خلاف شان نہ سمجھیں۔ بلکہ اس طریقہ سے ہر فن سے آگاہی ہو سکے گی۔ کم از کم تین دفعہ ہر کتاب کو پڑھانے کی کوشش کریں اور کسی کتاب کو مطالعہ کئے بغیر نہ پڑھائیں۔ ورنہ نہ علم میں پختگی ہو گی اور نہ مطالعہ میں عمق پیدا ہو گا اور نہ ہی طلبہ میں تمہارے علمی وقار کا اضافہ ہو گا۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اگرچہ درس و تدریس ساری زندگی کا اوڑھنا بچھونا رہا۔ لیکن ملکی حالات سے آگاہی اور دینی تحریکات سے قلبی تعلق بھی رکھتے تھے۔ جمعیۃ علماء اسلام اور اس کے اکابرین اور خصوصاً حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نہایت ہی عقیدت رکھتے، محبت سے ان کا نام لیتے اور ان کے لئے نیک تمناؤں کا اظہار فرماتے اور پُر خلوص دعاؤں میں یاد فرماتے۔

۱۹۷۴ء میں مرزائیوں کے چند بلوائیوں نے ربوہ کے ریلوے اسٹیشن پر مسلمان طلبہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنا چاہا۔ تو سارے ملک میں ایک آگ بھڑک اٹھی۔ حضرت استاد صاحب جیسے دردمند علماء بھی اس سے غافل نہیں تھے۔ دارالعلوم کے تمام طلبہ کو جامع مسجد میں جمع فرمایا۔ اور ختم نبوت کی اہمیت و فضیلت کو واضح کر کے طلبہ اور علماء کو اس بات پر آمادہ کیا کہ قریب قریب کے لوگوں کو اس مسئلہ کی اہمیت سمجھا کر ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے۔ تاکہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے مطالبہ کو تقویت دی جائے۔ اور ۹۰ سالہ فتنہ ہمیشہ کے لئے جڑ بن سے نکل جائے۔ اور مرزائیت کی کمر ٹوٹ جائے۔

دارالعلوم کے طلبہ نے حضرت استاد صاحب کے اس ارشاد پر لبیک کہہ کر ضلع پشاور اور مردان کے تمام دیہاتوں میں پھیل گئے۔ اور عام لوگوں کو اس مسئلے کی اہمیت سے آگاہ کیا اور اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رکھا جب تک مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت دے کر مسلمانوں کے دیرینہ مطالبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر مرزائیت کی پیٹھ میں چھُرا گھونپ دیا۔

الشیخ الکامل

از :- اصلاح الدین ۔ بی اے گولڈ میڈلسٹ
شریک دورۂ حدیث، دارالعلوم حقانیہ

یہ ستمبر ۸۰ء کے پہلے ہفتے کا واقعہ ہے ۔ دارالعلوم حقانیہ میں داخل ہوتے ابھی چند ہی یوم گذرے تھے ۔ دارالعلوم حقانیہ اپنے رعب وسطوت کے تمام آثار سے مجھے مرعوب کر گیا ۔ دوسری طرف اس کی آبادی میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا ۔ نئے داخل ہونے والے طلبہ کی آمد ابھی جاری تھی ۔

ہر نئے طالب علم کی طرح میں بھی ایک طرف اساتذہ سے جان پہچان نہ ہونے کی وجہ سے کچھ مضطرب سا تھا ۔ دوسری طرف اساتذہ کے نورانی چہروں کو دیکھ کر فطری طور پر ان کے ساتھ محبت بھی پیدا ہو گئی تھی ۔ اور میری حالت اس بچے سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی جسے کئی برس گم ہو جانے کے بعد والدین دوبارہ ملیں ۔ تکلف اور محبت کے مخلوط جذبات میں گھرے ہوئے چند دن مزید گذار کر مجھے دارالعلوم کی گذشتہ روایات کے بارے میں قدرے علم ہوا ۔ اور پھر آخر کار وہ دن بھی آیا جب دارالعلوم میں نئے تعلیمی سال کے اسباق کا افتتاح ہونے والا تھا ۔ وہ منظر آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے ۔

مَیں دیکھ رہا ہوں کہ دارالحدیث ہال طلبہ سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے ۔ سامعہ کو چیرنے

والا شور اٹھ رہا ہے ۔ مَیں حیران ہوں کہ اتنا شور کیوں ؟ یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے دارالعلوم کے طلبہ بد تہذیبی کی انتہا پر پہنچ گئے ہیں ۔ پھر میں نے دیکھا کہ اساتذہ یکے بعد دیگرے آ رہے ہیں ۔ ہر استاد آتا ہے تو شور چند لمحوں کے لئے کم ہو جاتا ہے ۔ مگر پھر اس کی ابتدار ہو جاتی ہے ۔ اور پہلے سے کہیں زیادہ ۔ سارے اساتذہ آ گئے ہیں مگر دارالحدیث ہال طلبہ کی کھسر پھسر کی وجہ سے کسی چلتے ہوئے کارخانے کا سماں پیش کر رہا ہے ۔

مَیں انہی سوچوں میں غرق گرد و پیش سے غافل ہو رہا ہوں ۔ اچانک ایک طالب علم کی آواز سنائی دی ۔ " صدر صاحب آ رہے ہیں "

تمام طلبہ اور اساتذہ کھڑے ہو گئے ۔ اور دارالحدیث میں موجود ہر شخص کو گویا سانپ سونگھ گیا ۔ مَیں سوچتا ہوں ۔ " خدایا کہاں وہ شور کہاں یہ خاموشی " ! کون ہے جو ابھی پہنچا بھی نہیں مگر سب کے منہ پر مہر سکوت ثبت کر گیا ہے ؟ کیا زمانے کا عمر یہی ہے جس کا نام سن کر دارالحدیث کی دیواریں بھی کانپ رہی ہیں ۔

مَیں خود مشرقی دروازے کے قریب کھڑا ہوں ۔ میری نظر نیم وا دروازے کے پٹوں کو تک رہی ہے ۔ اچانک ایک شخص نمودار ہوتا ہے ۔ نحیف و نزار بوڑھا جسم ۔ جس پر بیماری کے اثرات نمایاں ہیں ۔ مگر پھر بھی اس کی چال میں پھرتی ہے ۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی فاتح قلعہ سر کرنے کے بعد پہلی بار اس کے دروازے میں داخل ہو رہا ہے نورانی چہرہ ، باوقار شخصیت دروازے تک آتی ہے ۔ معلوم نہیں دروازہ خود بخود کھل گیا یا اس میں کسی کا ہاتھ تھا ؟ ہاں شاید کوئی قوت ضرور ہے جس نے لکڑی کے پٹوں میں بھی اطاعت کا مادہ پیدا کر دیا ہے ۔

مَیں دیکھتا ہوں ان کے سامنے راستہ بنانے کے لئے کوئی پولیس نہیں کوئی فوج نہیں کوئی اردلی ، نوکر ، اور خادم وغیرہ نہیں ۔ مگر دروازے سے مسند تک آناً فاناً راستہ بن گیا جیسے کسی غیبی قوت نے دھکے دے کر طلبہ کو ادھر ادھر ہٹا دیا ہو ۔

میری آنکھ ۔ من رآہ بداھۃ ھابہ" کا مصداق دیکھ رہی ہے۔ اور دل ہیبت کے مارے دھڑک رہا ہے۔

طلبہ کی نظریں ایک نحیف شخص کا پیچھا کرتی ہیں۔ جو مسند کی طرف وقار سے بڑھ رہا ہے اساتذہ بھی کھڑے ہیں۔ وہ مسند پر پہنچتا ہے وہاں سے السلام علیکم کی آواز سنائی دیتی ہے۔ جیسے بہت دور سے کوئی کہہ رہا ہو۔ شاید یہ آواز نوک زباں سے نہیں بلکہ وہاں سے کچھ دور دل کی گہرائیوں نکلی ہو۔ ہاں مگر زبان دل کے تابع ہے۔ بلکہ جسم کی ہر ہر نس دل کی تابع ہے لیکن دل وہ دل نہیں جو خود غیر کا تابع ہو۔ جو پست ہمتی اور تکاسل و تکاہل کی وجہ سے لکیر کا فقیر بنا ہوا ہو۔ بلکہ وہ دل ہے جس میں علوم و معارف کے خزینے رکھے گئے ہیں جس کا ہر ہر خلیہ دوسرے سے جوڑنے کے لئے عزم و استقلال کو سیمنٹ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ جو خون کی بجائے جرأت کا منبع ہے اور گوشت پوست کو خون دینے کی بجائے ایک دنیا کو برقِ ہدایت پہنچانے کے لئے آبشار کا کام دے رہا ہے۔ جس کی دھڑکنیں اگرچہ کمزور ہیں مگر ہر دھڑکن ہزاروں دیگر دھڑکنوں کی متبوع ہے۔ جس میں بے جا تقلید و انقیاد کی ساریاں کمزوریاں مفقود ہیں — ہاں یہ دل مجھے نظر آرہا ہے۔ خوف و ہراس کے سارے گندے مواد کو اس سے مسلوب کیا گیا ہے۔ روح کے دریچوں سے اس کا عکس صاف دکھائی دے رہا ہے وہ بیانگ دہل کہہ رہا ہے۔

"میری دھڑکنوں کی تعداد پوری ہوچکی ہے سانس کی آکسیجن کو میں بمشکل تمام خون میں منتقل کر رہا ہوں۔ مگر مجھ میں موجود روح ابھی جوان ہے۔ بلکہ جوان ہوتا جا رہا ہے۔ یہ ٹرانسفارمر اگرچہ پرانا دکھائی دیتا ہے مگر ابھی اس میں کئی لاکھ وولٹ کے علوم و معارف منتقل کرنے کی غیر معمولی قوت موجود ہے"۔

اس مرجھائے ہوئے چہرے کو دیکھو جس کی ہر شکن پر نور کے چشمے سے بہتی ہوئی

ہر کا گمان ہوتا ہے۔ جہاں پر سفید بال سورج کی شعاعوں کا سماں پیش کرتے ہیں۔ مگر تعداد میں یہ کم دکھائی دیتے ہیں۔ اور بال کہاں گئے؟ کیا یہ داڑھی فطری طور پر ہلکی پھلکی تھی؟ نہیں — تو پھر اور بال کہاں گئے؟

دور سے کچھ شور سنائی دیتا ہے — کہاں سے — مجھے معلوم نہیں مگر کوئی کچھ کہہ رہا ہے۔ شاید کوئی میرے سوال کا جواب دے رہا ہے۔

"وہ بال ہمارے ہاں محفوظ ہیں"

اور میرے دل نے دیکھا۔ دیوبند، دہلی، سہارنپور، پنجاب، اکوڑہ خٹک اور پاک و ہند کے بہت سے کتب خانوں کی کتابیں اپنا دل کھول کر دکھا رہی ہیں۔ جہاں میں ان بالوں کو دیکھ رہا ہوں۔

پُراطمینان چہرے پر اچانک دو بلب روشن ہوجاتے ہیں۔ میں اس سے قبل لیلیٰ، شیریں ہیر اور بہت سے حسین لوگوں کے بارے میں پڑھا ہے۔ ان کی تیر انداز آنکھوں کے دل چیرنے والی واروں کے بارے میں سنا ہے۔ مگر آج اس کا مشاہدہ کر رہا ہوں چھوٹی سی کمان سے چھوٹے سے تیر نکل کر دل کے پار ہوجاتے ہیں۔ لیکن — لیکن یہ کیا؟ یہ تو دلوں کو زخمی کرنے کی بجائے ان کا علاج کر رہے ہیں۔ یہ تو ایک دل کو دوسرے سے جوڑنے کے لئے اس کی ساری کدورتیں اپنے ساتھ نکال کر پھینک دیتے ہیں۔ یہ تو حسن پرستی کے زہر کی بجائے نور عرفاں میں ڈوبے ہوئے تیر ہیں۔ جو راستہ سے ہٹ جانے والے انسانوں کے لئے تازیانہ ہیں۔ اور راہِ عشق کے راہروؤں کے لئے مشعلِ راہ۔

ان کی روشنی سامنے سے ہٹ کر ایک طرف بیٹھے ہوئے اساتذہ پر مرکوز ہوجاتی ہے اور ساتھ ہی ایک مسکراہٹ بھی اس میں مخلوط ہوجاتی ہے۔ میں یہ دیکھ نہ سکا کہ روشنیوں کا مرکز کون ہے۔ ہاں میری نظریں دیکھ رہی ہیں کہ بیک وقت تمام اساتذہ کے چہروں پر مسکراہٹ نمودار ہوتی ہے۔ اور یہی وہ لمحہ ہے اور اس تھوڑے سے اختلاط

کا اثر ہے۔ کہ میرا دل پیار و محبت سے بھر جاتا ہے۔ اور وہاں سے خون میں شامل ہو کر وہ محبت جسم کی نس نس میں پھیل جاتی ہے۔ ساری ہیبت محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور مجھ پر "اذا خالطہٗ احبّہٗ" کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

ہاں جلال و جمال کے حسین امتزاج سے پیدا ہونے والی یہ ہستی علوم و معارف کے بہت سے چشموں سے پی چکی ہے۔ وہ جن علوم کا پرچار کر رہی ہے۔ اس کا منبع آج سے چودہ سو سال قبل روئے زمین پر ظاہر ہوا تھا —— یہ نحیف جسم جو اسی منبع سے فیض یافتہ ہے علم کا چاہ زمزم معلوم ہو رہا ہے۔ در جنوں سال پیشتر اس کی تکمیل ہو چکی ہے اور اپنی تکمیل کا ثبوت بھی پیش کر چکا ہے کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس چشمہ سے پی چکے ہیں اور جو آج اس سے پی رہے ہیں۔

ادھر دیکھو میری نظروں کے سامنے ایک اور عجیب تر منظر رقص کناں ہے۔ راولپنڈی کا کوئی جرنیل اپنے قیمتی موٹر میں اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے لئے بیک وقت دونوں چیزیں قابل فخر سرمایہ ہیں۔

اس کی بیوی کہتی ہے۔ مجھے ایک مسئلہ کے بارے میں دریافت کرنا ہے مگر کسی عالم کا ملنا دشوار نظر آرہا ہے۔ جرنیل کی ناز برداری بیگم صاحبہ کا مطالبہ کیسے رد کر سکتی ہے کہتا ہے چلو راستہ میں ایک مدرسہ آتا ہے وہاں کسی ملّا سے پوچھ لو گی۔

موٹر اکوڑہ خٹک پہنچتی ہے اور بڑے آرام سے دارالعلوم کی عالی شان مسجد کے پاس ٹھہرتی ہے۔ قیمتی سوٹ میں ملبوس ایک مغرب زدہ جرنیل اس سے اتر کر مسجد کی طرف آتا ہے۔ طالب علم ادھر ادھر پھر رہے ہیں۔ ایک کو اشارہ کر کے بلاتا ہے۔ اور مدعا بیان کر کے کسی ملّا سے ملنے کے لئے کہتا ہے۔

جمعہ کا دن ہے حضرت مفتی صاحب مدرسہ میں موجود نہیں اس لئے طالب علم اسے صدر صاحب کے پاس لے جاتا ہے۔

"السلام علیکم مولوی صاحب" با وقار آواز گونجتی ہے۔

دوسری طرف ایک نحیف مگر پر وقار آواز سے "وعلیکم السلام" کہا جاتا ہے۔ جواب دینے والے کے چہرے کو دیکھتے ہی جرنیل کے جسم میں سنسنی پھیل جاتی ہے۔

"مولانا! باہر میری موٹر میں بیگم صاحبہ بیٹھی ہیں اور ایک مسئلہ پوچھنا چاہتی ہیں"

"مسئلہ پوچھنا ہے تو اسے یہاں آنا ہوگا۔ مسائل کسی کے پاس نہیں جایا کرتے"

"لیکن وہ یہاں نہیں آسکتی"

"تو پھر آپ کو اس کے پاس چلا جانا چاہیئے" صدر صاحب نے پر جلال لہجہ میں جواب دیا۔

"لیکن مولانا صاحب مسئلہ بہت ضروری ہے"

"میں جانتا ہوں لیکن علم کو موٹر میں لے جانا میں اس کی توہین سمجھتا ہوں"

صدر صاحب فیصلہ کن انداز میں کہتے ہیں —— جرنیل کے پندار کو ٹھیس لگتی ہے اور وہ واپس جانا چاہتا ہے۔ لیکن واپس جانا بھی اس کے لئے مشکل ہے۔ جس کا حکم جائز ہو یا ناجائز ہر وقت پورا ہوتا ہے جو جوان فوجیوں کو اشاروں سے نچواتا رہے۔ کیا آج وہ اتنا کمزور ہے کہ ایک ملّا کو بیس تیس قدم لے جا کر مسئلہ بیان کرانے میں ناکام ہو جائے گا؟ نہیں!

اس لئے کانپتی ہوئے آواز میں مصنوعی درشتی پیدا کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"مولوی صاحب! میں فوج میں جرنیل ہوں اور نوشہرہ چھاؤنی میں میری سروس ہے۔ نہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا"

"تم حکومت کے اور میں اللہ کا جرنیل ہوں۔ دیکھتے ہیں کس کا جرنیل قوی ہے" صدر صاحب کی رعب دار آواز گونجی۔

اور جرنیل کانپنے لگا۔ چہرے کا رنگ فق ہو گیا جیسے کسی بڑے محاذ پر دشمن کی معمولی تعداد نے اسے شکست فاش دی ہو۔ وہ سمجھ گیا کہ ع

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

"اچھا مولانا صاحب میں جاتا ہوں" اور وہ الٹے قدم خائب و نامراد واپس لوٹتا ہے۔ صدر صاحب کا جذبۂ تبلیغ ابھر آتا ہے۔ جرنیل ابھی چند ہی قدم گیا ہے کہ اسے آواز سنائی دیتی ہے۔ "ٹھہرو"، اور جرنیل کے پاؤں میں جیسے بیڑیاں پڑ جاتی ہیں۔

صدر صاحب سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"سنو! میں نے تمہارے ساتھ جانے سے محض اس لئے انکار کیا تھا کہ تم اپنے غرور کے نشے میں مست مجھے اپنا غلام سمجھ رہے تھے۔ اور میں جانتا تھا کہ اگر تمہاری یہی حالت رہی تو تیرے دل میں نہ تو مسئلہ کی اہمیت جاگزیں ہوگی اور نہ مسئلہ بتانے والے کی قدر و منزلت کا پاس ہوگا۔ تمہارے غرور کو توڑنے کے بعد میرا دوسرا فرض یہ ہے کہ ایک عورت کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر اپنے علم سے اسے صحیح راستے پر لگا دوں اور اس کے لئے اگر مجھے نوشہرہ تک بھی پیدل جانا پڑے تو تیار ہوں آؤ چلتے ہیں" اور جرنیل ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ سر جھکائے پیچھے ہو لیتا ہے۔

باہر ایک قیمتی موٹر کھڑی ہے لیکن شیرِ خدا کی نظر میں اس کی اہمیت پان سگریٹ کے کسی کیبن سے زیادہ نہیں۔ وہ جاتے ہیں اور سائلہ کو مطمئن کر کے رخصت کر دیتے ہیں۔ موٹر سڑک پر آتی ہے تو ڈرائیونگ کرتے ہوئے جرنیل کے ہاتھ پاؤں کانپتے ہیں۔

بیوی کو اس کا احساس ہوتا ہے پوچھتی ہے تو جواب ملتا ہے:-

"بیگم صاحبہ آج میں نے زمانہ کے عُمرؓ کو دیکھا ہے جس کا نام سن کر بڑے بڑے بادشاہ بھی کانپا کرتے تھے"

بیوی حیرت کے عالم میں پوچھتی ہے۔

"کون؟ وہ جو تمہارے ساتھ آئے تھے؟ نہیں! وہ تو بہت شریف اور نرم دل آدمی تھے۔ کتنی شفقت اور تفصیل سے مجھے مسئلہ سمجھایا!"

"نہیں تم نے اسے نہیں دیکھا" جرنیل کی شکستہ آواز ابھرتی ہے۔

یہ تھے حضرت العلّامہ مولانا عبدالحلیم صاحب جو سالہا سال سے دارالعلوم حقانیہ کی مسند حدیث کی زینت بن کر طالبانِ حدیث کے تشنہ قلوب کو سیراب کرتے رہے۔ عبقری انداز تدریس متکلمانہ لہجہ، جرأت اظہار اور خود اعتمادی کے عجیب امتزاج کی وجہ سے آپ کے درس میں کچھ ایسی خصوصیت تھی کہ آیاتِ قرآنی کے رموز و دقائق اور احادیث نبوی کے باریک سے باریک تر نکتے بہت آسانی سے متعلم کے دل میں بیٹھ جاتے۔ ساتھ ساتھ وقار و سنجیدگی کا یہ عالم تھا کہ جس مجلس میں موجود ہوتے وہاں کسی کو بلند آواز سے بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ آپ اپنی جلالیت کے لئے مشہور تھے۔

ایک بار نوشہرہ میں ایک خان صاحب نے اپنی مسجد کے پیش امام سے الٓمٓ کا معنی پوچھا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ بھئی یہ متشابہات سے ہے۔ اس کا متعین معنی معلوم نہیں۔ مگر خان صاحب کو اصرار تھا کہ وہ اس کے معنی ضرور معلوم کریں گے۔ مولوی صاحب پریشان تھے کہ کیا کیا جائے نہ خان صاحب کو ناراض کرنے کی ہمت ہے نہ جواب بن پڑتا ہے۔ اتفاق سے صدر صاحب وارد ہوتے ہیں اور مولوی صاحب کی زبانی کچھ حال سن کر خان صاحب کے مطالبے اور مولوی صاحب کی مجبوری کو بھانپ لیتے ہیں۔

آپ نے خان صاحب سے کہا کہ بھئی قرآن میں الٓمٓ سے قبل کچھ اور آیات ہیں۔ آپ الٓمٓ کا پوچھتے ہیں تو ذرا اس سے پہلے "الحمد للہ" کے معنی بتا دیجئے۔ پھر الٓمٓ کا معنی میں بتا دوں گا ___ اور خان صاحب اس نڈر ملّا کی جرأت سے انگشت بدنداں ہو گئے۔

حضرت کا خاص مزاج تھا وہ کبھی کسی خلافِ سنّت عمل کو خاموشی سے برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ عام اوقات میں ان کی مجلسوں کا رنگ بھی یہی ہوتا تھا کہ غلط بات پر ٹوک کر حق گوئی کا فریضہ نقد ادا کر دیتے تھے۔

ہمارے ایک دوست مولانا قاری احسان الحق صاحب فاضل حقانیہ کہتے ہیں کہ ایک

یا ہم ان کے کمرے کے قریب ہی بیٹھے گپ لگا رہے تھے ہمیں ان کی موجودگی کا علم نہ تھا۔ اس لئے زور سے ہنس رہے تھے۔ ہماری ہنسی مزاح کا سلسلہ کچھ طویل ہو گیا۔ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا۔ ایک پست مگر رعب دار آواز گونجی۔ "یہ کیا گدھوں کی طرح رینگتے ہو" اور ہمارے دل دہل گئے۔

ایک بار دارالعلوم کے خادم صاحب نے مسجد میں ایک عجیب سلسلہ شروع کر دیا۔ جمعہ کے روز وہ مسجد کے محراب کو مزین کر دیتے۔ اس میں پھول، گلدستے اور اگربتیاں لگا دیتے۔ تقریر کے لئے منبر کی بجائے ایک الگ کرسی رکھتے جس کے آگے گلدستوں سے سجا ہوا میز رکھ دیا جاتا۔ ایک دو جمعے اسے محض اتفاق سمجھ کر حضرت خاموش رہے۔ تیسرے جمعہ کو وہ مسجد تشریف لاتے اور وہی حالت دیکھی تو موذن سے کہا کہ آج تقریر میری ہوگی۔ آپ تقریر کے لئے مختص کرسی چھوڑ کر منبر پر تشریف لائے اور بدعات کی رد میں ایک مبسوط تقریر فرمائی۔ ساتھ ساتھ خادم کو بھی تنبیہ کی اور تاکید فرمائی کہ آئندہ وہ اس تزئین سے اجتناب کرے۔ چنانچہ وہ سلسلہ بند ہو گیا۔

بایں ہمہ آپ مزاح کے موڈ میں ہوتے تو مجلس کو کشت زعفران بنا دیتے۔ عموماً اساتذہ کی مجلس میں آپ کی شمولیت بہت محظوظ کن ہوتی۔ بے پناہ قوتِ حافظہ کی وجہ سے موقع و محل سے مناسب لطائف و ظرائف بکثرت سناتے جو ظریفانہ نکتہ سنجیوں کے علاوہ قیمتی علمی موشگافیوں کے بھی حامل ہوتے تھے۔

آپ جود و سخا اور حمیت کے پتلے تھے۔ علمی سخاوت میں آپ بے مثال تھے۔ اس سلسلے میں کبھی کسی سائل کو بغیر جواب دیئے واپس جانے نہ دیا اور جواب ایسی متانت و سنجیدگی اور بسط و تفصیل سے دیتے کہ سائل مطمئن ہو جاتا۔

مالی سخاوت میں بھی آپ سے سبقت لے جانا مشکل تھا۔ ہمارے ساتھی سید عبدالبصیر شاہ صاحب فاضل حقانیہ کہتے ہیں کہ میں جب بھی حضرت کے پاس کوئی چیز بطور ہدیہ لے جاتا

تو وہ اس کے جواب میں ضرور کچھ نہ کچھ عنایت فرماتے۔

ایک بار میں نے ایک چادر بطور ہدیہ پیش کی۔ آپ نے نہایت مسرت سے قبول فرمائی۔ اور حسب عادت مجھے کچھ دینا چاہا۔ اتفاق سے اس وقت حضرت کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جو عموماً وہ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ اندر گئے اور اپنی شیروانی اتار کر مجھے دے دی۔ میں نے بہت انکار کیا۔ مگر حضرت کا اصرار اس حد تک بڑھا کہ ناراضگی کے خوف سے مجھے وہ شیروانی لینی پڑی۔

حضرت کی شہرت عامہ کی وجہ سے اور طلبہ و تلامذہ میں مقبولیت کے سبب ملک بھر کے مختلف حصوں سے لوگ تحائف اور ہدایا پیش کرتے۔ مگر سخاوت کا یہ حال تھا کہ ان ہدایا کا عشر عشیر بھی حضرت کے گھر تک نہ پہنچتا۔ بلکہ دوسرے ملاقاتیوں اور غریب طلبہ کو دے دیتے۔

حسنِ معاشرت میں آپ اپنی نظیر آپ تھے۔ ہمارے ایک دوست ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں قریباً ہر روز صدر صاحب کی ملاقات کے لئے ان کی قیام گاہ پر جاتا۔ ایک دفعہ کچھ وجوہ کی بنا پر کئی روز تک حاضر نہ ہو سکا۔ تیسرے روز حضرت بذاتِ خود ہمارے کمرے میں تشریف لائے۔ میں نے ادب سے پوچھا۔ حضرت کیسے تشریف آوری ہوئی؟ فرمایا، "کئی دنوں سے تم نہیں آئے میں نے سوچا کہیں بیمار تو نہیں؟"

خط کا جواب نہایت پابندی سے دیتے۔ آپ کے خیال میں خط لکھنے والے اسی امید پر تو لکھتے ہیں کہ انہیں ان کے خطوط کا جواب ملے۔ لہٰذا وہ خط ملتے ہی اس کا جواب دیتے۔

آخری عمر میں بیماری کی وجہ سے جسم کی تمام قوتیں مسلوب ہو گئیں مگر انتہائی ضعف اور نقاہت کے باوجود دوستوں اور مخلص طلبہ کا بہت پاس رکھتے۔ عموماً وہ دعوتوں میں لذیذ، مرغن اور مکلف کھانوں سے پرہیز کرتے۔ مگر بلانے والوں کا دل رکھنے کی خاطر ان کی دعوتوں میں ضرور شرکت فرمایا کرتے۔ اسی وجہ سے جب بیماری میں اضافہ

ہوا۔ تو بالآخر آپ کو دارالعلوم چھوڑنا پڑا۔ تاکہ گھر جاکر آرام فرمالیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ لوگوں کے بے جا مطالبات سے بھی چھٹکارا حاصل ہو۔ مگر گھر جاکر بھی عقیدت مندوں نے چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ نہ آپ کی حمیت نے ان کو محروم ملاقات لوٹنا برداشت کیا۔ چنانچہ گھر میں بھی صحت کا اعادہ نہ ہوسکا۔

اور پھر ایک روز میری قوت سامعہ سے ایک آواز ٹکرائی :-

"حضرت انتقال کر گئے"

اور میرا دل ڈوب گیا۔ آج بھی وہ منظر میرے سامنے ہے میں دیکھتا ہوں کہ ہر طرف آہ و بکا کا عالم ہے۔ دارالعلوم کا پتّا پتّا رو رہا ہے۔ اس کی ہر ایک اینٹ فراق کے غم میں ہچکیاں لے رہی ہے۔ جدھر بھی کان لگاؤ سسکیوں کا غیر منقطع سلسلہ ہی سنائی دیتا ہے۔ علماء اور طلبہ کی آہ و بکا اور عوام کا نالہ و نوحہ یوم محشر کا سماں پیش کر رہا ہے۔ بلکہ میں سن رہا ہوں۔ آسمان رو رہا ہے۔ زمین آنسو بہا رہی ہے۔ چرند و پرند گریہ کناں ہیں بلکہ دریا کی مچھلیاں اور زمین کی چیونٹیاں تک ماتم کر رہی ہیں۔ زروبی کا سارا گاؤں چیخ و پکار میں ڈوبا ہوا ہے۔ غرض کائنات کی ہر چیز تقدیر کی نیرنگیوں اور صیاد اجل کے کرتوتوں سے نالہ بر لب ہے۔

چشم ہائے تر کے درمیان مجھے کچھ اور لوگ بھی نظر آرہے ہیں جو سراپا تعجب ہیں۔ جو حیران و ششدر ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں۔ حیرت کے مارے ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں شاید یہ زروبی کے لوگ ہیں۔ وہ کہتے ہیں :-

"سبحان اللہ! ہمیں کیا پتہ تھا۔ ہمیں تو اس شخص کی قیمت معلوم نہ تھی ہم تو اسے اپنی ہی طرح کا ایک عام آدمی سمجھ رہے تھے۔ بالکل ہماری طرح کا ایک شخص۔ ہمارے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس شخص کی موت کا یہ عالم ہوگا۔ کہ جنازہ پر آنے والوں کا بحر بیکراں زروبی

کے وسیع قبرستان میں نہ سمو سکے گا اگر ہمیں علم ہوتا کہ اہل دنیا کے آنسو زروبی کی مٹی پر بارش کی طرح برسیں گے۔ تو آج حضرت ایک فقیر کی طرح اس گاؤں میں نہ رہتے۔ وہ تو بادشاہ تھے حقیقی بادشاہ جو دلوں پر حکومت کرتے رہے"

ہاں وہ بھی سمجھ گئے۔ اور ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ ساری دنیا حزیں ہے۔ ہر شخص غمزدہ ہے اور کیوں نہ ہو۔ آج علم کا وہ سورج ہوگیا جو کبھی بہت سے ستاروں کو روشنی دے رہا تھا۔ علوم و معارف کا وہ بحر بیکراں آج صفحۂ ارضی سے غائب ہوگیا۔ جو تلامذہ کے لئے سراپا رشد و ہدایت تھا جس کی شفقتیں ہر کسی پر تھیں۔ جس کے فیوضات عام تھے۔ جو صرف ایک مدرسے ایک گاؤں اور ایک علاقے کا مقتدا نہ تھا۔ بلکہ جو دیوبند کے مکتب فکر کا امام تھا۔ تدفین کا وہ دلدوز منظر آج بھی یاد آتا ہے تو دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلوگے مگر پا نہ سکوگے

صدر صاحب مرحوم

ایک جامع الصفات والکمالات شخصیّت

مولانا عبدالقیوم حقّانی
رفیق مؤتمر المصنفین واستاذ دارالعلوم حقانیہ

جنوبی ایشیا کی سب سے بڑی اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے اساتذہ وطلبہ اور اس سے تعلق رکھنے والے فضلاء، اکابر علماء اور حقانی برادری دارالعلوم کے یوم تاسیس سے ایک ایسا نورِ ایمان سے معمور چہرہ جسے دیکھ کر علماء سلف کی یاد تازہ ہو جاتی تھی کے دیکھنے کے عادی ہو گئے تھے۔ جس کی ہر ادا سے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو ٹپکتی علم ومعرفت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جھلکتی نظر آتی تھی۔

میانہ قد، اعضاء متناسب، انار کی طرح سرخ اور گلاب کی طرح شاداب چہرہ، آنکھوں میں سُرخی اور شب بیداری کے آثار، نگاہیں جھکی ہوئیں۔ چال متین اور باوقار، دارالاقامہ سے مسجد، مسجد سے گھر اور گھر سے دارالحدیث تک آنے والی ایک معصوم صورت اور بزرگ سیرت ہستی، جسے بارہا دیکھا اور سنا جا رہا تھا۔ مگر پھر بھی طبیعت سیر نہ ہوتی ؂

دوبارہ اس کو دیکھا پھر بھی یہ کہا میں نے
میں نے ابھی تک جلوۂ جاناں نہیں دیکھا

یہ تھے استاذی واستاذ العلماء، شیخ الحدیث مولانا عبدالحلیم صاحب زروبوی صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ کچھ عادت اللہ ہی ایسی چلی آ رہی ہے کہ جن لوگوں نے مستقبل

میں بڑا بننا ہوتا ہے۔ دین و شریعت اور ملت کی خدمات میں بڑا مقام حاصل کرنا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ابتداء ہی سے ان کو فطری صلاحیتوں، بلند استعداد، کمالات اور نیکی کے غالب رجحانات دے کر پیدا فرماتے ہیں۔ حضرت صدر صاحب مرحوم کو بھی اللہ تعالیٰ نے علم سے فطرتاً مناسبت، خداداد حافظہ و ذہانت، سخت محنت و مشقت، شوقِ مطالعہ، ذوق علم اور سب سے بڑھ کر توفیقِ خداوندی نے انہیں جدید و قدیم اسلامی علوم پر عبور اور زبردست علمی تبحر عطا فرمایا تھا۔

آپ کے اساتذہ، اکابر علماء، اور معاصرین جو سن میں آپ سے بڑے اور اپنے زمانے کے مسلم الثبوت استاد اور امام فن تھے سب آپ کے تبحر و جامعیت کے معترف اور علمی کمالات کے قائل تھے۔

ان کی ذات عجیب جامع صفات تھی۔ علمی گہرائیوں، تدریسی مشاغل، وسعت مطالعہ کے ساتھ ساتھ فیاضی، سیر چشمی، مہمان نوازی، اور خلق و مروت میں اپنی نظیر آپ تھے۔ دسترخوان کی وسعت اور اضیاف کی خاطر و تواضع میں دوست دشمن اور مخالف، موافق کی تفریق سے ناآشنا تھے۔ فقیری میں ایک شاہی شان رکھتے تھے۔ اخلاق کے معلم اور روحانیت کے پیکر تھے۔ آپ کا کمرہ، فقر و درویشی کے باوجود علم و فضل کا دلکش منظر پیش کرتا تھا۔ دنیا کی رنگینیوں سے نفرت تھی۔ نہ کوچ نہ صوفے۔ نہ گدے نہ قالین، بس زمین کا کھردرا فرش، یا دارالعلوم کی ٹوٹی پھوٹی چارپائی، آپ کی خوابگاہ تھی۔ بے تاج کے تاجدار تھے۔

خلوتوں اور پنہاںیوں سے ناآشنا تھے۔ ان کی خلوت بھی جلوت تھی۔ زندگی کا ہر ہر گوشہ آئینہ کی طرح واضح، شفاف اور روشن تھا۔ عشق و محبت کی شوریدگی زندگی کے ایک ایک پہلو میں نمایاں تھی۔ حضرت صدر صاحب مرحوم کیا تھے۔ بس اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ اُن کی ذات، شریعت کا دارالافتاء، طریقت کی خانقاہ اور علم و ادب کا

پلیٹ فارم تھی. فارسی اردو، عربی اور پشتو کے ادیب، ظریف اور اچھے انشاء پرداز تھے. آج ان کی تصویر، ذاتی خوبیوں کی تصویر، ابھر ابھر کر سامنے آرہی ہے. ان کی کون کونسی خوبیاں گنی جائیں. ذاتی خوبیوں کے گنانے پر آیئے تو بڑے مہمان نواز، بڑے فیاض بڑے ملنسار، بڑے ذی مروت، جود و کرم کے پتلے اور ہر شخص کے کام آنے والے تھے.

دارالعلوم حقانیہ میں استاذی واستاذ العلماء محدث کبیر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کے بعد دوسری اہم علمی اور محبوب شخصیت صدر صاحب مرحوم ہی کی تھی. جس کی وجہ سے دارالعلوم جید الاستعداد اور عالی ہمت طلبہ کا مرکز بنا رہا. یہ ان ہی کی محنت و مشقت اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کے ساتھ زبردست معاونت و نصرت، مخلصانہ رفاقت کا نتیجہ ہے کہ آج گلشن علوم نبوت دارالعلوم حقانیہ کی آبیاری میں ان ہی کی شب بیداریاں، علمی اور قلمی کاوشیں. آج سینکڑوں طالبان علوم نبوت کی تمناؤں کا مرغزار، ان کے آرزوؤں کا گلزار اور ان کی خواہشوں کا سبزہ زار بنا ہوا ہے. یہ دارالعلوم ان ہی کا مکتب ہے اور ان ہی کا علمی دبستان ہے. جو طلبہ دینیہ کے جذبات کا خمکدہ ہے. ان کے احساسات کا گل کدہ ہے. اوران کے پاکیزہ تخیلات کا عشرت کدہ ہے. اور عجب یہ کہ انہوں نے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے ساتھ ہر مشکل اور صعب ترین مرحلہ میں ہر قسم کی رنگا رنگیوں کے باوجود اس گلشن حقانی کو سرسبز و شاداب رکھا. زادھا اللہ شرفاً و کرماً. اساتذہ اور طلبہ آپ کے خلوص و علم دوستی تواضع، حسن اخلاق اور قدر شناسی کے قائل اور بڑے معترف تھے.

آپ کے پاس نہ جوش خطابت تھا نہ الفاظ کی طلسم بندی، اور نہ دقیق منطقی دلائل سے کام لیتے اور نہ مروجہ خطابت کا حربہ چلانا جانتے تھے. بس اپنی صداقت اور اخلاص کے ساتھ جب بھی حاضرین وسامعین بالخصوص دوران درس طلبہ علوم دینیہ کی طرف

التفات فرماتے. تو معلوم ہوتا کہ شفقت و محبت کے دریا کا بند ٹوٹ گیا ہے اور چشمہ ہے کہ ابلا پڑتا ہے. اساتذہ و طلبہ اور مخلصین و محبین گرویدہ اور فریفتہ، اور واقعہ بھی یہ ہے کہ جب نگاہوں کی زبان کھل جاتی ہے تو منہ کی زبان کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی.

درس اور مسند حدیث پر جلوہ افروزی کا منظر کیا بیان کیا جائے بس ان کے مسند حدیث پر جلوہ افروز ہونے اور علوم نبوت کی تدریس کے دوران حقیقت اپنی پوری شان تاثیر کے ساتھ بے نقاب ہو کر سامنے آجاتی تھی. حاضرین و سامعین بالخصوص طالبان علوم نبوت، دارالحدیث میں صدر صاحب مرحوم کی صورت میں ایک درخشاں چہرے، ایک نورانی تبسم، ایک دلآویز اور شیریں گفتگو اور ایک پر اسرار انداز کی نگاہ کی دلآویزی سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے.

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ آسمان کے سورج کی طرح محبت کا بھی ایک سورج ہوتا ہے جو جب چمکتا ہے تو روح اور دل کی ساری تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں.

مسند حدیث ہو، دارالحدیث ہو، درسگاہ ہو، نجی محفل ہو، سفر ہو یا حضر ہو، آپ کی دلنواز اور شیریں آواز، ایسی آواز جو سراسر شفقت اور ہمدردی میں ڈوبی ہوئی آواز تھی ایسی آواز جس سے ہمت افزائیاں اور سرفرازیاں حاصل ہوتیں جس سے مایوسیوں میں ڈھارس بندھتی. گفتگو ایسی شیریں اور انداز تخاطب ایسا مشفقانہ تھا کہ دنیا کی ساری راحتیں اور سکون گویا انہی کی نظر عنایت میں سما کر رہ گیا تھا.

احقر کا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جب کبھی بھی صدر صاحب مرحوم کا کسی سے تعلق آیا اس کو ہر موڑ پر سخت اور مشکل حالات میں بھی حد درجہ وفاداری سے نبھایا. یہی آپ کا جذبہ وفاداری اور اندرون دل عشق و محبت کی چنگاری تھی. کہ حضرت مولانا عبدالمالک صاحب نقشبندی کی دارالعلوم حقانیہ میں تشریف آوری کے موقعہ پر آپ کی عظیم صلاحیتوں پر نظر پڑی تو یک قلم آپ کی باطنی استعداد کو دیکھ کر آپ کو اجازت بیعت بھی مرحمت

ذوالی۔ اور خلافت سے سرفراز فرمایا۔

تدریس پوری یکسوئی اور انہماک کے ساتھ پڑھاتے۔ پوری مستعدی، تندہی اور دلسوزی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے، بڑے بڑے حوادث، انقلابات، اساتذہ کے عزل و نصب، اسٹرائکیں، مالی بحران، اقتصادی مشکلات آپ کے پائے استقامت میں لغزش یا آئینِ وفا میں کوئی تغیر پیدا نہ کر سکے۔

تدریس کے دوران اپنے مختصر مگر جامع انداز کے مخصوص لب و لہجہ میں بحث و تحقیق میں ڈوب جاتے۔ طرزِ تدریس محدثانہ تھا۔ آپ کی درسی گفتگو، اور معرکۃ آراء مباحث پر تقریرات سے سننے والے تو اندازہ لگا چکے۔ مگر اب پڑھنے والے بھی آپ کے سینکڑوں صفحات میں پھیلے ہوئے درسی تقریرات، بالخصوص امالی صحیح مسلم شریف (جس پر رفیقِ محترم حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب فانی کام کر رہے ہیں) کا مطالعہ کرلیں۔ یقین جانئے، آپ کے ہر ارشاد سے علم کی گہرائی، تحقیقات کی ندرت، مشکلات کی عقدہ کشائی، ذاتی تجربات، اذواقِ صحیحہ، مجتہدانہ علم و نظر، کتاب و سنت کا صحیح و عمیق فہم، مقام نبوت کی حرمت و عظمت جھلکتی نظر آتی ہے۔ اکابر علماء اور اساتذہ سے یہی سنا کہ عظیم محدث حضرت العلامہ مولانا انورشاہ صاحب کشمیری کا طرز بھی یہی تھا۔

دورانِ درس طلبہ میں ذوقِ مطالعہ اور تحقیقِ مسائل کا جذبہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے تدریس کے دوران زیادہ تر ان ہی کتابوں کا حوالہ دیتے جن کا پایہ مسلّم ہے۔

صدر صاحب مرحوم کے درس کی ایک برکت اور نقد ثمرہ یہ تھا کہ فنِ حدیث سے مناسبت اور اس کی بنیادی کتابوں سے زیادہ واقفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ ان کے طبقات، درجات سے پوری آگاہی حاصل ہو جاتی۔ نیز طالبانِ علوم نبوت کو اسماء الرجال اور اصولِ حدیث کی اہم کتابوں کا تعارف حاصل ہو جاتا۔

کتابوں کے تعارف میں آپ کے جملے مختصر مگر دسیوں عنوانات کے جامع ہوتے تھے۔

یہی کیفیت آپ کے تدریسی تقاریر کی ہے۔

آج بھی صحیح مسلم کی امالی پڑھتے چلے جایئے اور اندازہ لگاتے چلے جایئے قوتِ استدلال غضب کی، بیان کی دلآویزی، زبان کی شگفتگی، دلائل کی قوت، بحث کے اطراف و جوانب کی جامعیت سب مل ملا کر ایک عجیب سماں پیدا کر دیتے ہیں۔

آپ اساتذۂ قدیم کی مکمل یادگار تھے۔ سب کشتیاں جلا کر علم کے آستانہ پر آکر پڑ گئے تھے۔

احقر کو جب چکوال سے دارالعلوم حقانیہ میں تدریس، تصنیف و تالیف اور مؤتمر المصنفین کی رفاقت میں کام کرنے کی غرض سے بلایا گیا تو یہاں آنے پر پہلے ہی سال میرے مشورہ کے بغیر میرے نام تدریس کے لئے دیوان متنبی لکھ دی گئی۔ اور نقشۂ اسباق لٹکا دیا گیا۔ احقر گھبرایا گھبرایا حضرت صدر صاحب مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ارشاد فرمایا، کتاب نہ بدلواؤ، خوب محنت اور مطالعہ کرکے پڑھاؤ۔ یہاں جس نے بھی کتاب بدلوائی، اُسے طلبہ نے بوریا بستر بندھوایا۔

پھر ارشاد فرمایا کہ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ مجھے جب تدریس کے لئے بلایا گیا تو مجھے متنبی دی گئی حاسدین و مخالفین نے طرح طرح کے حربے استعمال کئے مگر الحمد للہ کہ میرا ذوق، ادبی اور مطالعاتی تھا۔ طبیعت میں تجسّس اور طلب ہے۔ خوب مطالعہ میں محنت کی اور متنبی ایسی پڑھائی کہ مخالفین بھی داد دئے بغیر نہ رہ سکے۔ فرمایا آپ بھی ہمت کریں، ہم دعا کریں گے۔

حضرت صدر صاحب مرحوم کے مشورہ سے احقر نے دیوانِ متنبی کے بدلوانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور حضرت کی خصوصی توجہ اور دعا سے پڑھانا شروع کر دیا۔ حضرت نے مطالعہ اور بحث تحقیق کے جو اصول بتائے تھے اس کے پیش نظر ابتداءً ایک ایک شعر پر تین تین روز تک بحث و تحقیق جاری رہتی تھی۔ حضرت صدر صاحب مرحوم کی دعا، خصوصی توجہ،

شورہ اور طریقِ مطالعہ و تحقیق کی نشاندہی کی برکت تھی کہ اس سال احقر کی منتہی دارالعلوم
قانیہ میں مقبول ہوئی۔

مجھے اپنی لیاقت تو معلوم تھی ہی مگر طلبہ کی منتہی میں حاضری اور ذوقِ سماع دیکھا تو
خود غلط ہونے کے بجائے یقین تھا کہ سب کچھ حضرت صدر صاحب مرحوم کی دعا کی برکت
ریقِ تحقیق و مطالعہ کا ثمرہ اور ان ہی کی کرامت تھی وگرنہ ع

بہانے خویش مے دانم بہ نیم جو نمے ارزد

صدر صاحب مرحوم کی سب سے اہم ترین اور نمایاں صفت ان کی سادگی اور طلبہ کے
اتھ شفقت و مساوات کا تعلق تھا جس کی مثال شاذ و نادر ہی آج کے اساتذہ
ں کہیں نظر آتی ہے۔ وہ اپنی اولاد اور طلبہ میں کوئی فرق اور امتیاز روا نہیں رکھتے
تے۔ بلکہ یہ بھی دیکھا گیا اور بارہا دیکھا گیا کہ لائق اور محنتی طلبہ کو بعض حالات میں اولاد
بھی ترجیح دیتے تھے۔

طلبہ کے کاموں اور ان کی ضرورت میں بے تکلف شریک ہو جایا کرتے۔ فیاضی، فراخدلی
ھی فطری اور موروثی تھی دوسروں پر، بالخصوص طلبہ پر خرچ کرکے بڑے خوش ہوتے
ے۔ سفر و حضر میں، سادگی، بے تکلفی عدمِ امتیاز اور مساوات کی عادت گویا ان
ی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ اور الحمد للہ کہ صدر صاحب مرحوم کی زندگی کے آخری سفر
ں مجھے اور رفیقِ محترم مولانا قاری عمر علی صاحب کو معیت و رفاقت اور خدمت کی
عادت بھی حاصل ہوئی۔

جب کراچی سے مرحوم کے برخوردار مخدوم زادہ محمد اسمٰعیل نے بذریعہ فون حضرت
شیخ الحدیث، مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کو صدر صاحب کی کراچی سے بذریعہ
وائی جہاز واپسی کی اطلاع کی اور یہ بتایا کہ مرحوم پنڈی میں اتریں گے حضرت شیخ الحدیث
ظلہ نے فرمایا۔ صبح سویرے پنڈی پہنچنا ہے کہ صدر صاحب مرحوم کو آسانی سے

ہوائی جہاز کے اڈہ سے ان کے گھر زروبی پہنچایا جا سکے۔ چنانچہ ہم دونوں راتوں رات
روانہ ہوئے۔ صبح جہاز کی آمد کے وقت اڈہ پر پہنچ گئے۔ جب آپ تشریف لائے تو آپ
کو موٹر میں سوار کرکے زروبی کو روانگی ہوئی تو راستہ میں صدر صاحب مرحوم کا سر مبارک
احقر کی گود میں رہا۔ بیماری اور ضعف و نقاہت کے باوجود تمام راستے شفقت،
محبت اور بے تکلف مربیانہ نصائح سے نوازتے رہے بعض اہم تجربات، نصائح اور
ہدایات سے نوازا۔ احقر نے پلے باندھے اور الحمد للہ کہ مشکل اور صعب ترین حالات
ہیں جب آپ کے بتائے ہوئے نشان راہ پر چلا تو بادل چھٹ گئے۔ تاریکیاں کافور ہوئیں
اور اطمینان و سکون کی روشنیاں حاصل ہوئیں۔ آج مرحوم نہیں ہیں۔ مگر ان کی تعلیمات
سیرت و اخلاق، نصائح و ہدایات، درس و افادہ، سینکڑوں تلامذہ اور علمی قومی اور
ملی خدمات، قیامت تک انہیں زندہ رکھیں گے۔

عصرِ حاضر کے مسلمانوں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر عہد و پیمان توڑ کر عام بغاوت اور بے عملی
کا ارتکاب شروع کر دیا ہے، کوئی عیب ایسا نہیں جو ان میں نہیں پایا جاتا۔ دنیا میں کوئی حکومت
مسلمانوں کی ایسی نہیں جس میں اسلامی احکام پورے طور پر نافذ ہوں، اکثریت پر مغربیت اور
دہریت مسلط ہے اسلام کی سیاستِ مدنی، تدبیرِ منزل، تہذیبِ اخلاق، معاملات، عبادات،
معاشرت، ایمانیات سے عام ناواقفی بلکہ اسلامی اصولِ حیات کو "ملائیت" اور "رجعت پسندی"
کہہ کر بنظرِ حقارت دیکھنے لگے تو نصرتِ خداوندی سے محروم ہو کر وعیدِ الٰہی کو بزبانِ حال دعوت
دینے لگے، چنانچہ نتیجہ میں اپنے کردار کے عواقب برداشت کرنے لگے، اور حضرت رسالت مآب
صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی فرمائی تھی حرف بہ حرف واقع ہو کر رہی۔
(حضرت صدر صاحب کے مضمون "یہود کا ذکر قرآن میں" سے اقتباس)

حضرت صدر صاحبؒ اور آپ کے معمولاتِ درس

حافظ محمد ابراہیم فانی

حضرت صدر صاحبؒ قدس سرہٗ نے ایک دینی اور علمی ماحول میں آنکھ کھولی۔ پھر بچپن ہی سے حصولِ علم کی طرف متوجہ ہوئے اور مختلف اساتذہ و شیوخ سے اکتسابِ فیض کیا۔ لہٰذا بدیہی بات ہے کہ آپ نے ان تمام شیوخ و اساتذہ کے اندازِ تدریس کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے کے ساتھ ان کے امتیازات و خصوصیات کو ملحوظِ خاطر رکھ کر اپنے تدریسی سفر کا آغاز کیا ہوگا۔ چنانچہ درس میں آپ کے معمولات و امتیازات کے عنوان سے چند خصوصیات درج کی جاتی ہیں۔

درس و تدریس میں آپ کا معمول

جن حضرات نے آپ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا ہے ان کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ عام طور پر مدارس عربیہ میں تعلیمی سال کے ابتدائی مہینوں میں مدرسین کا یہ معمول ہوتا ہے کہ کتاب کے مقدمہ و خطبہ میں بسا اوقات ایک مہینہ بحث طویل ہو جاتی ہے۔ تقریباً ششماہی امتحان تک تو یہی سلسلہ جاری رہتا ہے اور طالب علم تصور بھی نہیں کر سکتا کہ یہ نصاب یا یہ کتاب ختم ہو جائے گی۔ لیکن سال کے آخر میں چونکہ نصاب ختم کرنا پڑتا ہے اس لئے بجائے طویل مباحث کے ورق گردانی پہ اکتفاء کی جاتی ہے۔

اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا۔ ہمارے طالب علم برادری میں یہ بات مشہور ہے کہ درس کے تین اقسام ہیں۔ روان، دوان اور پران۔ اور تعلیمی سال کے بھی تین ادوار ہیں۔ پہلا سہ ماہی۔ دوسرا ششماہی اور تیسرا سہ ماہی۔ تو پہلے سہ ماہی میں درس روان ہوتا ہے یعنی اس پر استاد بھی سمجھتا ہے اور شاگرد بھی۔ دوسرے سہ ماہی میں دوان یعنی دوڑنے والا درس۔ اس میں بات صرف مدرس تک محدود رہتی ہے اور شاگرد کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ تیسرے سہ ماہی میں پران۔ یعنی اڑنے والا درس۔ جس میں استاد اور شاگرد دونوں برابر ہیں۔ تو حضرت صدر صاحب مرحوم اس قسم کے درس کے سخت مخالف تھے۔ ان کے ہاں ایسا توازن اعتدال اور یکسانیت تھی۔ کہ ابتداء سے لے کر انتہائے سال تک ایک ہی مقدار میں سبق پڑھاتے۔ نہ کبھی انہوں نے اپنے گھنٹے سے وقت زیادہ لیا۔ اور نہ خارجی وقت میں کتاب پڑھائی۔ حالاں کہ جس متکلمانہ انداز میں وہ پڑھاتے اور جو مغلق اور مشکل کتابیں آپ کے زیرِ درس رہتیں مثلاً بیضاوی، مسلم شریف، مسلم الثبوت۔ تلویح توضیح اور بخاری وغیرہ۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ آپ اس کو مقررہ نصاب تک پڑھائیں گے۔ لیکن ہم حیران رہ جاتے کہ ادھر تعلیمی سال ختم تو ادھر نصاب بغیر کسی کلفت اور تھکاوٹ کے پورا۔

اکثر اکابرین کے ہاں یہی معمول تھا۔ چنانچہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اپنی آپ بیتی میں فرماتے ہیں:۔

"میرے حضرت (یعنی مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی) اس کے شدید مخالف تھے کہ ابتدا میں لمبی تقریریں کی جائیں اور آخر میں رمضانی حافظ کی طرح ورق گردانی کی جاتے"

استعداد کی فکر

آپ کے ساتھ ہمیشہ طلبہ کی استعداد کی فکر رہتی اور جو طالب علم اپنی استعداد سے بڑھ کر کوئی کتاب لیتا تو آپ اس پر اظہارِ ناگواری فرماتے فرمایا کرتے کہ جب تک استعداد پختہ نہ ہو تب تک کتابوں میں ترقی نہیں دینی چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ دورۂ حدیث اگر کوئی طالب علم کسی مشکل لغت کے بارے میں پوچھتے، تو فرماتے:۔

یہ کوئی لغت کی کتاب نہیں۔ دورۂ حدیث تک آپ پہنچ گئے اور صحیح عربی ترجمہ آپ کو نہیں آتا؟ استعداد کو پرکھنے کے لئے آپ قاری کے اعراب کا سختی سے مواخذہ کرتے۔ اور صرفی و نحوی قواعد کا اس میں بطور جائزہ لیتے۔ اس وجہ سے آپ کے سامنے عبارت پڑھنا کارے دارد کا مصداق تھا۔ بارہا آپ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ سے طلبہ کی استعداد کے بارے میں شکایت کی کہ طلبہ کا یوں بے تحاشا داخلہ بند کیا جائے۔ بلکہ پوری جانچ پرکھ کے بعد انہیں داخلہ دینا چاہیئے۔

کتاب دانی یا فن دانی آپ کے ہاں کتاب دانی کی اہمیت نہ تھی بلکہ فرمایا کرتے کہ مقصد حصول علم سے یہ نہیں کہ آپ نے ایک کتاب میں مہارت حاصل کی۔ اور بس بلکہ مقصود فن دانی ہے۔ مثلاً علم نحو میں شرح جامی سیکھنا نہیں بلکہ علم نحو سیکھنا اور اس کے قواعد و ضوابط یاد کرنے ہیں۔

طلبہ سے محبت و تعلق آپ اپنے تلامذہ اور شاگردوں سے انتہائی شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے۔ جب کسی طالب علم کو دیکھتے کہ کسی مصیبت میں مبتلا ہے بیمار ہے یا اس کو اور کوئی شکایت ہے تو اس کو دفعہ کرنے کی کوشش فرماتے۔ کوئی طالب علم بیمار ہوتا تو اس کی دوائی کے لئے اپنے جیب خاص سے روپے دیتے۔ ارباب اہتمام سے اگر ان کا کوئی جائز مطالبہ ہوتا تو ان کی حمایت کرتے ہوئے اس مطالبہ کو حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کو پیش کرتے یہی وجہ ہے کہ طلبہ آپ کو اپنے لئے ایک عظیم سہارا تصور کرتے۔

چنانچہ ایک دفعہ طلبا کی ہفتہ وار انجمنوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔ طلبا نے حضرت قدس سرہ سے عرض کیا کہ ہمارا مقصد ان انجمنوں سے تقریری مشق ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی سیاسی آمیزش نہ ہوگی۔

چنانچہ آپ نے ارباب اہتمام کے نام ایک سخت ترین مکتوب تحریر فرمایا۔

آج کل دہریت، الحاد و ارتداد کا ایک طوفان عظیم اسلام اور اہل اسلام پر حملہ آور ہوا ہے۔ ملحدین اور اسلام بیزار جماعتیں اسلام کو ختم کرنے کے درپے ہیں اور منظم طریقہ سے تحریر و تقریر اور صرف مال و زر کے علاوہ دیگر حربے استعمال کر رہی ہیں۔ مزید برآں حکومت وقت بھی ان کی سرپرستی کر رہی ہے اور ان کی شہ پر ہے۔ یونیورسٹیوں، کالجوں اور دیگر تعلیمی اداروں میں ان کے لٹریچر پر کوئی ممانعت نہیں۔ اور ملحد و دہری اساتذہ و پروفیسران علی الاعلان دہریت اور اپنے باطل نظریات کا پرچار کر رہے ہیں۔ ان کے خلاف حکومت کوئی اقدام نہیں کر رہی بلکہ اس کے مقابلے میں فحاشی، غنڈہ گردی، شراب نوشی و بے پردگی کو فروغ دے رہی ہے اور اسلام دشمن عناصر کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر نوجوان تعلیم یافتہ اور زیر تعلیم یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ ان سے کافی حد تک متاثر ہوتے ہیں۔ شہروں اور قصبوں میں ایسی تنظیموں کی کثیر تعداد موجود ہے۔ ہمارے علاقہ میں دہریت کی منظم تحریک چلائی جا رہی ہے جو علماء و صلحاء کے خون کی پیاسی ہے۔ جب کہ اس کے مقابلے میں ہماری کوئی منظم تحریک نہیں۔ دینی ادارے اور اسلامی مدارس جو کہ دین کی خدمت کے لئے وجود میں آچکے ہیں اور قوم اس کی مالی سرپرستی اس لئے کر رہی ہے کہ اس میں اشاعت دین اور مدافعت عن الدین کے سپاہی تربیت پا رہے ہیں۔ اب اگر اہل علم حضرات نے ان فتنوں کے خلاف مؤثر اقدام نہ کیا تو وہ اپنی مسئولیت سے کس طرح عہدہ برآ ہوں گے۔

لہٰذا دینی مدارس کے ارباب اہتمام کے لئے لازمی ہے کہ ان فتنوں کے مقابلے میں طلبہ کو جہاد کی تربیت دلوائیں اور اپنی سرپرستی میں مخالفین کے رسالے اور لٹریچر کے ساتھ ساتھ ان کی تردید میں لکھا گیا مواد بھی طالب علموں کو بہم پہنچائے۔ مگر افسوس کہ یہ ادارہ جو ایک بہت بڑا دینی مرکز ہے۔ مدارس اسلامیہ کے مقاصد اور قومی مذاق کے خلاف بلکہ قرآن و حدیث کے خلاف تبلیغی مشق اور دہریت و الحاد کے خلاف منظم مقابلہ کی تیاری اور اتحاد و اتفاق و مطلق تنظیم پر پابندی لگاتی ہے اس صورت حال پر سارے اساتذہ اور سارے طلبہ ناراض ہیں۔

ارکان مدرسہ کے لئے ضروری ہے کہ دینی محبت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی ہی سرپرستی میں طلبہ کے لئے اشاعت دین اور مدافعت عن الدین کے مواقع فراہم کرے۔ اور ان کو اسلام دشمن عناصر کے مقابلہ کے لئے مستعد رکھیں۔ ارشاد خداوندی ہے:-

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر (الآیۃ)

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ (الآیۃ)

لولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم (الآیۃ)

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ (الآیۃ) وغیرہ

تعلیمی امور میں سختی

طلبہ کے ساتھ اتنی محبت وشفقت کے باوجود تعلیمی امور میں انتہائی سختی سے محاسبہ کرتے۔ امتحانات میں آپ کی سختی ضرب المثل تھی۔ قواعد وضوابط پر انتہائی شدت سے پابندی فرماتے۔ ہمارے سہ ماہی امتحانات میں توضیح تلویح کا پرچہ تھا۔ سوالات الحمد للہ میں نے مکمل طور پر حل کئے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ ان شاء اللہ اگر پہلی پوزیشن نہیں تو دوسری پوزیشن ضرور حاصل کروں گا۔ مگر جب نتیجہ نکلا تو میں نے سو نمبر لئے تھے۔ اور جو ساتھی اول نمبر آیا تھا اس کے ۱۰۵۔ دوسرے نمبر پر ۱۰۳۔ تیسرے نمبر پر ۱۰۱۔ اس پر مجھے ازحد دکھ ہوا۔ کہ میں نے پرچہ کے تمام سوالات صحیح طور پر حل کئے ہیں۔ یہ بات میں نے اپنے ہم درس (مولوی بدر منیر سواتی) کو کہہ دی۔ وہ حضرت قدس سرہ کے خادم خاص تھے۔ اس لئے باتوں باتوں میں انہوں نے آپ سے دریافت کیا۔ تو حضرت نے جواب دیا کہ اس کا پرچہ بالکل صحیح ہے۔ سوالات کے جوابات میں کسی قسم کی تشنگی نہیں۔ لیکن اس کا پرچہ اردو میں ہے۔ اور ان دوسرے ساتھیوں کے جوابات عربی میں۔ اور صحیح انشاء عربی پر پانچ نمبر زیادہ ملتے ہیں۔ اس لئے یہ سو کے اوپر نمبرات انشاء عربی کے ہیں۔

اس طرح مسلم شریف کے پرچہ میں سہ ماہی امتحان میں بندہ سے صرف ایک نہایت سنگین غلطی سرزد ہوئی تھی۔ اس کی سزا مجھے یہ ملی کہ اس ایک غلطی پر مجھ سے ۲۰ نمبرات کاٹ دئے۔

جس وقت میں شرح جامی پڑھ رہا تھا۔ تو اس سال میرے صرف دو پرچے تھے۔ ایک شرح جامی کا اور دوسرا نور الانوار کا۔ اور باقی کتابوں میں امتحان تقریری تھا۔ امتحان شروع ہوا تو شرح جامی کا پرچہ ہفتے کے دن تھا۔ میں نے شرح جامی کا پرچہ دیا۔ تو دیگر کتابوں میں تقریری امتحان بھی اسی دن ختم ہوا اب صرف ایک پرچہ نور الانوار کا تھا۔ وہ منگل کے دن۔ اور درمیان میں دو دن کا وقفہ تھا۔ تو آپ ناظم تعلیمات تھے۔ میں نے ان کو درخواست پیش کی۔ کہ اس میں بھی تقریری امتحان مجھ سے لیا جائے۔ تو آپ نے یہ کہہ کر میری درخواست مسترد کر دی۔ کہ آپ کا کوئی عذر نہیں۔

ایک دفعہ جب مسلم شریف کے نمبرات نکل آئے تو اس میں اکثر ساتھی ناکام تھے۔ اس پر بعض طلبہ کافی چیں بجبیں اور رنجیدہ ہوئے۔ آپ کو جب خبر ہوئی تو فرمایا۔ کہ میں ہر ایک طالب علم کا پرچہ اعلان گاہ میں چسپاں کراؤں گا۔ اور ہر ایک استاد اس کو دیکھے۔ تو جیسا فیصلہ انہوں نے ان پرچوں کے نمبرات کے بارے میں کیا۔ وہ مجھے منظور ہوگا۔

تعلیمی حالت کے ساتھ ساتھ آپ طلبہ کی اخلاقی حالت کا بھی جائزہ لیتے۔ کسی قسم کے بد اخلاق وبد اطوار اور بد وضع طالب علم کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ فرماتے کہ ہر طالب علم کو چاہئے کہ وہ اخلاق سلف کا نمونہ بنے۔ اور طلبہ کو نصیحت کرتے وقت فرماتے کہ: تخلقوا باخلاق اللہ۔ ایک طالب علم آپ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضرت میرا حافظہ کمزور ہے۔ میرے لئے دعا فرماویں۔ اس پر آپ نے حضرت امام شافعیؒ کے یہ اشعار سنائے جس میں انہوں نے اپنے استاد امام وکیع سے اپنے سوء حافظہ کا ذکر کیا ہے۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی   فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم نور من الٰہ   ونور اللہ لا یعطی لعاصی

پڑھانے کا انداز

آپ کے پڑھانے کا انداز متکلمانہ اور فلسفیانہ ہوتا۔ عجیب انہماک اور استغراق سے سبق پڑھاتے اور ان من البیان لسحرا کے مصداق آپ کی تقریر کے علاوہ ذہن کسی اور طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ ایک گھنٹہ گویا دس پندرہ منٹ

کہ ہو جاتا۔ آپ پہلے سبق کا خلاصہ بیان فرماتے۔ اس کے بعد کتاب شروع کرتے۔ نئے طلبہ کو اکثر یہ الجھن رہتی وہ سمجھتے تھے کہ ویسی تقریر کر رہا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ جب آپ کے طرز تدریس سے واقف و مانوس ہوجاتے تو ازحد خوشی کا اظہار کرتے۔

قرأت و تجوید کی رعایت

آپ ہر طالب علم کے لئے یہ بات ناگزیر سمجھتے تھے کہ قرآن پاک کی صحت الفاظ کی طرف توجہ دے اور فرمایا کرتے کہ دارالعلوم دیوبند میں طالب علم کو اس وقت داخلہ ملتا کہ جس کو آخری دو پارے تجوید کے ساتھ حفظ ہوتے۔ بسا اوقات کوئی طالب علم نماز پڑھانے کے لئے بڑھتا اور اس کی قرأت صحیح نہ ہوتی تو بعد از نماز اس کو سختی سے ڈانٹتے۔ آپ کی کوشش یہی رہتی کہ کوئی قاری نماز پڑھائے۔ کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ مؤذن کو اذان میں بے جا مدوجزر پر منع فرمایا رحمہ اللہ

شرائطِ صحت، فرائض صلوٰۃ واجبات وسُنن و مستحباتِ صلوٰۃ سے صورت صلوٰۃ کی تو تکمیل ہوسکتی ہے، مگر نماز کے مقبول ہونے کی شروط ہیں، یعنی استحضارِ قلب وخشوع وخضوع و انابت اظہار عبودیت اس طور کہ تکبیر تحریمہ سے لیکر سلام تک ہر ادا یعنی قرادت، تکبیر، تسبیح، تشہد، قیام، قعود، رکوع، سجود حضورِ قلب سے ہو قلب غافل ولاہی سے نہ ہو، ظاہری اور باطنی عجز و نیاز اور اظہارِ بندگی کے ساتھ ہو۔ یہ حضورِ قلب اور ظاہری و باطنی انقیاد بمنزلہ روح صلوٰۃ کے ہیں اس کے بغیر حقیقت صلوٰۃ کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ آیت مذکورہ بالا میں تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر اسی حقیقت کی پابندی کے ساتھ ادائیگی پر مرتب ہے۔ روح کے بغیر صورتِ کامل یا ناقص پر آثار و نتائج کا ترتب نہیں ہوسکتا اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی گھوڑے کے نقش اور تصویر (جو کاغذ یا دیوار پر ہو) سے سواری یا باربرداری کی توقع رکھے جو کہ اس حقیقت کے احکام ہیں یا قالب بے جان سے جاندار کے آثار کا تقاضا کرے۔

(صدر صاحبؒ کے مضمون "نماز کے آداب و خاصیت" سے اقتباس)

مولانا حافظ غلام الرحمٰن صاحب ہزاروی
مدرس دارالعلوم حقانیہ

جلال و جمال کا مرقع

استاذ محترم کی عبقری شخصیت، ظاہری اور باطنی محاسن سے معمور ذات پر لکھنے کا تصور، اور ادبی دنیا سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ آواز بار بار کانوں میں گونج رہی ہے

یہ بلبلوں کا صبا مشہد مقدس ہے
قدم سنبھال کر رکھیو یہ تیرا باغ نہیں

اور پھر یہ بھی کہ المناک اور ناقابل برداشت حوادثات کا تذکرہ بجائے خود ہی ایک المیہ ہوتا ہے۔ المیہ بھی وہ نہیں جس سے ایک گھرانہ متاثر ہو۔ یا ایک محلہ غمزدہ ہو یا ایک گاؤں سوگوار ہو بلکہ یہ المیہ عالم اسلام کی عظیم یونیورسٹی دارالعلوم حقانیہ سے وابستہ حقانی برادری کا ایک مشفق روحانی والد سے محرومی کا المیہ ہے۔ حقانیت کے مضبوط اور پائیدار رشتہ سے منسلک، ابنائے دارالعلوم کا ہر ایک فرد، جامع المعقول والمنقول رئیس المحققین استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب مردانی کے اسم مبارک سے "رحمۃ اللہ علیہ"۔ نور اللہ مرقدہ اور برد اللہ مضجعہ جیسے کلمات سنتے ہی نڈھال نظر آتے ہیں بلاشبہ حضرت شیخ کی رحلت سے اس علمی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا ہے۔ اس کی وسعت اور گہرائیوں کا صحیح اندازہ آپ کی علمی خدمات اور سبق آموز زندگی پر تحقیقی ہی نہیں بلکہ ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے بھی ہوسکتا ہے۔

مرض و نحیف ہونے کے ساتھ ساتھ آخری دم تک دارالعلوم حقانیہ میں تدریس و قال الرسول کی گونج آپ سے قائم تھی آپ کے جانے سے وہ کمی کبھی بھی پوری نہیں ہوگی۔ بلکہ ایسی ہستیاں نادرۂ روزگار اور عجوبۂ زمان ہوتی ہیں جو اتفاق سے کبھی کبھی صفحۂ ہستی پر جلوہ گر ہو کر اپنی آب و تاب، چمک دمک سے دنیا کو حیران و ششدر کر دیتی ہیں۔

علمی کمالات

آپ علم حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، معانی، عقائد، علوم آلیہ، ادب اور منطق کے بحر ذخار اور ناپیدا کنار سمندر تھے۔ ہر ایک فن میں وسیع و عمیق مطالعہ اور عالمگیر معلومات کی وجہ سے مستقل رائے کے مالک تھے۔ آپ کو خدا نے جن بے پناہ علمی صلاحیتوں سے نوازا تھا اگر زندگی میں حالات سازگار ہوتے، امراض متعددہ کا نشانہ نہ بنتے۔ اور فن تحریر کی طرف توجہ فرما لیتے۔ بلاشک و شبہ رازیؒ و غزالیؒ کا کردار ادا کر لیتے۔

لیکن کاش کہ زندگی کے قدم قدم پر انہیں پریشانیوں، مشکلات، اور خلاف طبیعت حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ اور مختلف امراض ظاہریہ کے شکار ہوئے۔ جس کی وجہ سے وہ خداداد اور فطری صلاحیتیں مکمل طور پر ان کی حیات مستعار میں ضبط تحریر میں نہ آسکیں۔ چونکہ اللہ کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا اور فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ کے قضیہ مسلمہ کے ہوتے ہوئے اس میں بھی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوگی۔

یہ بھی اللہ کا فضل و کرم ہے کہ ان کی امانتیں قوم اور امت تک پہنچانے کی ذمہ داری ان کے فرزند ارجمند جناب مولانا حافظ محمد ابراہیم صاحب فانی نے لی۔ آج ان کے کمالات ان کے حالات اور علمی محنتوں کی کوشش میں رات و دن ایک کئے ہوئے جمع کر رہے ہیں۔ پھر بھی حضرت نے زندگی میں میدان درس و تدریس میں علماء و خطباء کی وہ عظیم جماعت

پیدا کی ہے جو حقانی برادری کے نام سے دہریت اور لادینیت کے مقابلہ میں ہر میدان میں سینہ سپر نظر آتی ہے۔ مقدمہ مسلم میں راویوں کی جرح و تنقید، بیضاوی کے اسرار عقلیہ و توضیح و تلویح پر متکلمانہ انداز میں ثانی نہیں رکھتے۔

تدریس میں جلالیت

مزاج میں جلالیت ہونے کی وجہ سے دین حق کی راہ میں اظہار حق کے لئے آپ والا ... عالم کے علمی ترجمان تھے۔ ناموس دین پر مر مٹنے اور غیرت حق پر قربان ہونے پر فخر محسوس کرتے۔ جلالیت کے اس وصف خاصہ ہونے کی وجہ سے عوام و خواص پر آپ کا رعب قائم تھا۔ تجربہ ہے کہ ادنیٰ اور متوسط درجہ کے طلباء ہی نہیں بلکہ وہ منتہی طلباء جو فضل عام ہونے کی وجہ سے خود استاذ ہوتے۔ آپ کے حلقۂ درس میں نہایت مرعوب رہتے۔ ضعف و نقاہت کے ساتھ ساتھ پُر وقار شخصیت جب دارالحدیث میں مشرقی دروازے سے نمودار ہوتے تو تمام طلباء پر ایک سکتہ طاری ہو جاتا۔ کیا مجال کہ حضرت کے درس کے دوران کوئی طالب علم ضابطہ تلمذ کا خیال نہ رکھے۔ طالب علم کی نشست و برخاست ... کی طرف دھیان رکھنے پر خاص توجہ دیتے۔ جب بھی کوئی حرکت طبیعت پر ناگوار گزرتی تو مجمع عام میں اس کی تنبیہ کراتے۔

... کا واقعہ ہے کہ تلویح و توضیح جیسی مغلق اور مشکل کتاب حضرت کے پاس تھی طلباء کے ازدحام کا یہ حال تھا کہ دارالعلوم حقانیہ جیسی عظیم یونیورسٹی کے کتب خانے میں کتاب کے نسخے ختم ہو گئے۔ مدرسہ کی طرف سے دو دو طالب علم ایک نسخہ میں شریک ہوتے۔ داخلی اور بیرونی طلباء سے ایک عظیم مجمع سے درسگاہ بھری ہوئی ہے۔ طلباء کی توجہ حضرت کی اس بے مثال تقریر پر مرکوز ہے۔ جو کہ گویا علمی جواہر ریزوں کا مالہ ہو ___ اچانک ایک طالب علم نے ساتھ بیٹھے ہوئے دوسرے ساتھی سے پوچھا کہ ٹائم کیا ہے۔ اسی کشمکش میں

تمام طلباء کی نظریں ان دونوں طالب علموں پر جم گئیں۔

حضرت نے فرمایا :-

جب درسگاہ میں میرے سامنے بیٹھ کر دھیان نہیں رکھتے ہو تو درس گاہ میں آنے کی ضرورت نہیں۔ باہر کسی جگہ بیٹھ کر باتیں کرو۔ درسگاہ میں اس بے مقصد بات کرنے کی جرات آپ نے کیسے کی ؟

یہ جملہ کیا تھا کہ اس طالب علم کے لئے ارشاد لقمانی بن گیا کہ آئندہ کے لئے سب سے آگے بیٹھ کر سبق کے آخر تک پوری توجہ کے ساتھ جما رہتا۔

دارالحدیث میں جب مسند حدیث پر جلوہ گر ہوتے کیا مجال کہ کوئی طالب علم ان کی نظروں سے بچ نکلے۔ دورۂ حدیث کے سال اکثر ساتھیوں کو میں نے دیکھا کہ دوسرے اسباق میں تھکاوٹ کی وجہ سے بار بار پہلو بدلتے۔ لیکن مسلم شریف اور بخاری کی جلد ثانی میں تشہد کی حالت میں بیٹھ کر ابتداء تا انتہا ایک ہی حالت میں پڑھتے اور حضرت کی نحیف آواز میں مخصوص کلمات کو آسمانی صاعقہ سمجھتے تھے۔

استاد سے شاگرد کا مرعوب ہونا استاد کی خصوصیات سے ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رض سے روایت ہے کہ میں مسلسل دو برس یہ ارادہ کرتا رہا کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رض سے ایک حدیث کے بارے میں سوال کروں۔ مگر رعب کی وجہ سے ہمت نہ پڑتی تھی آخر کار ایک دفعہ حج کے موقع پر جب وہ قضاء حاجت سے فارغ ہو کر واپس آنے لگے تو میں نے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے عرض کیا۔

اے امیر المومنین ! میں ایک حدیث کے متعلق دو سال سے پوچھنے کا ارادہ ہے مگر آپ کے سامنے کچھ بولتے سے کتراتا ہوں۔ فرمایا یہ نہ کیا کرو۔ جب کچھ پوچھنا ہو بے دھڑک پوچھ لیا کرو علم ہو گا تو بتا دوں گا ورنہ کہہ دوں گا کہ میں نہیں جانتا تم کسی اور سے پوچھ لینا۔

ایسا ہی سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ میں نے سعید بن مالک سے کہا۔ کہ میں آپ سے

کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں لیکن آپ کی ہیبت مجھ پر اس قدر غالب ہے کہ زبان کھلنے نہیں دیتی۔

اس پر انہوں نے فرمایا :-

بھائی مجھ سے ہرگز مرعوب نہ ہو اور جب یہ سمجھو کہ میں اس بات کو جانتا ہوں بے کھٹکے مجھ سے پوچھ لو۔ سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر غزوۂ تبوک پر تشریف لے جاتے ہوئے حضرت علی رض سے کیا فرمایا تھا۔ کہنے لگے کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا "کیا تو پسند نہیں کرتا کہ مجھ سے تجھے وہی نسبت ہو جو موسیٰ سے ہارون کو تھی"۔

حضرت کی بھی بعینہٖ یہی حالت تھی کہ معقول سوال کا پھر دل کھول کر جواب دیتے۔

شانِ جمالی

دور سے دیکھنے میں اگرچہ آپ کی ذات سے جلالیت منتزع ہوتی تھی لیکن قریب سے جا کر دیکھتے تو جمالیت بھی جلالیت کا ہم پلہ نظر آتا۔ شفقت و محبت، ایثار و ہمدردی میں تمام شاگردوں کے لئے بحیثیت شفیق والد کے تھے۔ دوران سال جب کوئی طالب علم خلاف ضابطہ فعل کا مرتکب ہوتا جس کی وجہ سے آئندہ سال مدرسہ کے قوانین کے تحت حق استحقاق سے محروم ہو جاتا۔ تو طلباء سفارش و شفاعت کے لئے آپ کا سہارا لیتے۔ خاص کر محنتی اور ذہین طلباء کا تو بہت خیال رکھتے۔ جب کوئی طالب علم محبت و عقیدت کے طور پر آپ کے لئے کسی دعوت کا اہتمام کرتا تو بیماری کے باوجود صرف داعی کی خوشنودی اور طالب علم کے اخلاص کی قدردانی کے طور پر پرہیز کا بھی خیال نہیں رکھتے۔

حضرت کی جمالیت سے اگرچہ عام طلباء واقف نہ تھے لیکن جن ساتھیوں سے آپ کا گہرا تعلق تھا، جو حضرت کے یار غار رہتے جنہوں نے حضرت کی سیرت کا مطالعہ جلوت اور خلوت میں کیا۔ ان پر آپ کا جامع الصفات ہونا مخفی نہیں ہے۔ بلکہ ان شاگردوں کو آپ کے جلال و جمال

کا ایک حسین امتزاج نظر آئے گا۔

علمی ذوق

حضرت کا ایک اور امتیازی وصف آپ کا علمی ذوق رہا ہے۔ اور کیوں نہ ہوگا جبکہ آپ کو شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزاروی۔ اور شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی مرحوم جیسے نابغۃ العصر حضرات کی شرف تلمذ کا اعزاز نصیب ہوا۔

آپ خود اعلیٰ پایہ کے عالم ہونے کی وجہ سے طلباء کی علمی استعداد کا خاص خیال رکھتے۔ آپ ہمیشہ کے لئے اس بات کے حریص رہے کہ دارالعلوم سے جب بھی طالب علم دستارِ فضیلت لے کر نکلے تو علم وعمل سے بہرہ ور ہو۔ عموماً بیضاوی کے درس میں جب اس مقام پر پہنچتے

لایلیق لتعاطیہ والتعدی للتکلم فیہ الامن برع فی العلوم

الادبیۃ کلہا اصولہا وفروعہا وفاق فی الصناعات العربیۃ

والفنون الادبیۃ بانواعہا۔

تو فرماتے کہ قاضی بیضاوی کا مقصد خوب سمجھو جو علوم عقلیہ سے واقف نہ ہو۔ وہ اس کی کتاب کو ہاتھ نہ لگائے۔

جیسا کہ والد ہمیشہ کے لئے بچوں کی حرکات وسکنات کی نگرانی کرتا ہے خلاف مروت بات پر بچے کو ڈانٹا جاتا ہے۔ گھر کی چاردیواری میں خواہ بچہ کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ شفیق والد کی یہ کوشش رہتی ہے کہ میرا یہ بچہ بیرون خانہ عام معاشرہ میں جب قدم رکھے اور عام محافل میں جب اس کا ملنا جلنا ہو تو انسانیت اور مروت کی خصوصیات سے واقف ہو۔ معاشرہ کے طرز وطریقے سے آشنا ہو۔ ایسا ہی کردار حضرت کا اپنے شاگردوں سے رہا۔

دورانِ درس اعراب کی غلطی یا غلط تلفظ کرنے پر خوب ڈانٹتے۔ غلط عبارت سننا کبھی گوارا

نہیں کرتے اور فرماتے کہ یہاں تو سب کچھ کہہ سکتے ہو لیکن فراغت کے بعد کیا کرو گے۔ عام طالب علم ان کی کتاب میں عبارت پڑھنے کے لئے تیار نہ ہوتا۔

اندازِ تدریس

آپ کا انداز بیان اور طرز تدریس عالمانہ اور حکیمانہ تھا۔ مشکل سے مشکل مقام کو آسان اور مختصر الفاظ میں پیش کرتے، بیان میں تکرار اور بار بار دہرانے کا نام نہیں ہوتا۔ قابل و ذہین طلبا۔ اور علوم عربیہ سے واقف طلباء حضرت کے درس سے ہمیشہ لطف اندوز ہوتے بلکہ ایک سبق میں شرکت بھی باعثِ فخر سمجھتے۔ سبق میں جو انداز ابتداء سال اختیار کرتے، سال کے آخر تک اسی طریقہ پر چلتے۔ آسان اور عام الفاظوں کے معنی یا مکرر احادیث میں بار بار پھنسنے سے پرہیز کرتے۔ بلکہ روانی سے آگے جاتے۔

ایک دفعہ بخاری شریف میں ایک طالب علم نے رقعہ لکھ کر عرض کیا کہ ہر ایک حدیث کا لفظی ترجمہ ہونا چاہئے۔ آپ نے جلال آمیز لہجے میں فرمایا۔

میں خلاصہ کیدانی نہیں پڑھا رہا ہوں کہ ہر ایک حدیث کا ترجمہ کروں۔ دورۂ حدیث میں پہنچ کر جب عام فہم احادیث کا ترجمہ نہیں کر سکتے ہو تو دورۂ حدیث میں بیٹھنے کی اجازت کس نے دی ہے"

لیکن اگر مشکل مقام ہوتا تو دل کھول کر اس پر بحث کرتے۔ ہر ایک مذہب کا پورا حق ادا کرتے۔ جب کسی حدیث میں مذاہب کے اختلاف پر لگ جاتے تو جس مذہب کی ترجمانی کرتے۔ ایسا نظر آتا کہ کوئی اپنے مذہب کا بحرِ عمیق ہے۔ لیکن مذہب حنفی کی حقانیت اور تائید جن دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے کرتے۔ یقیناً علوم شاہ ولی اللہ یاد آجاتے۔ مسلم شریف کی جلد ثانی میں کتاب البیوع میں جن حضرات کو شرف تلمذ نصیب ہوا ہو آپ کا مندرجہ بالا اندازِ بیان ان پر مخفی نہیں ہوگا۔

حضرت سال کے آخر میں ختم بخاری کے موقعہ پر جب رسم اجازت حدیث کے لئے کھڑے ہوتے تو رعب ناک اور گرجدار آواز سے دار الحدیث کا نقشہ کچھ اور رہو تا۔ پوری کیفیت کو بدل دیتے اور اجازت کے وقت فرماتے :-

" جو طلبا ر علمی استعداد سے بہرہ ور ہوں۔ شروح اور حواشی کی معاونت سے حدیث کا مقصد اور مطلب سمجھ سکتے ہوں ان کو میری طرف سے اجازت ہے لیکن جو طالب علم حدثنا (تشدید الدال) اور تخفیف الدال کے مابین فرق سے عاری ہوں اور حدیث کا مقصد نہ سمجھ سکتا ہو ان کو کبھی اجازت نہیں "۔

سخاوت و فیاضی

سخاوت اور فیاضی میں فطرت اور طبیعت سے مجبور تھے، باوجودیکہ ذرائع آمدنی محدود تھی بلکہ نہ ہونے کے برابر ہی۔ کیونکہ صرف دار العلوم کے مشاہرہ پر گزارہ کرتے رہے اور وہ بھی گھریلو ضروریات کے علاوہ مشاہرہ کا اکثر حصہ دوائی اور پرہیز کا شکار ہو جاتا۔ لیکن پھر بھی شاگردوں اور متعلقین کے لئے مہمان نوازی اور ضیافت میں سنت ابراہیمی کا عملی نمونہ تھے۔

۱۹۷۷ء میں جب اس ملک خداداد میں تحریک نظام مصطفےٰ چلی۔ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کے اندازے میں سرفروشان اسلام کو جیل جانا پڑا۔ اس میں سینکڑوں کی تعداد میں دار العلوم حقانیہ کے مقتدر اساتذہ اور طلباء بھی تھے۔ میں اس وقت دار العلوم حقانیہ میں جمعیۃ الطلباء اسلام کا صدر تھا۔ میں خود تو حکومت کا اشتہاری مجرم ٹھہرایا گیا۔ لیکن اکابرین کے مشورہ سے جیل جانے کا حکم نہیں ملا۔ باہر رہ کر ساتھیوں کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔ جیل میں اسیر ساتھیوں کے لئے مختلف حضرات نے اپنی اپنی خدمات پیش کیں۔

ایک دفعہ حضرت نے اسی دوران فرمایا کہ کسی طالب علم کو میری طرف سے ان ساتھیوں

کے پاس بھیجدو۔ دونوں طرف کے کرایہ کے علاوہ ایک خطیر رقم دے کر فرمایا کہ اس رقم سے ان کی خدمت کی جائے۔ چنانچہ حضرت کے فرمان کے مطابق ایک طالب علم کو اس رقم سے پھل فروٹ اور سبزیوں کے علاوہ دیگر ضروری اشیاء خرید کر بھیجدی گئیں۔

جمعیۃ الطلباء کے ساتھ منسلک رہنے کے وقت مالی مشکلات سے ہم دو چار ہوتے تو طالب علموں کی امداد کے علاوہ ہم ان روحانی آبار کا سہارا لیتے جس میں ہمارے ساتھ تعاون کرنے میں حضرت پیش پیش رہتے اور خطیر رقم سے نوازتے۔

مرض الوفات میں رحلت سے چند دن قبل استاذنا المحترم حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب دیروی کی عیادت میں جب ہم حاضر خدمت ہوئے تو باوجودیکہ ضعف و بیماری سے نڈھال تھے، باتیں کرنے کی بھی طاقت نہ تھی، لیکن فطرتی فیاضی اور سخاوت سے مجبور ہو کر بار بار خورد و نوش کا حکم فرماتے۔

حضرت شیخ کے وصال سے آج اگرچہ ہم ظاہری طور سے محروم ہیں، لیکن اپنے ذاتی کمالات ظاہری اور باطنی صفات اور امتیازی اوصاف کی وجہ سے اپنے لاتعداد شاگردوں کے اذہان میں جو نقوش آپ نے ثبت کئے ہیں وہ نہ مٹنے والے ہیں۔

فرحمہ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کاملۃ

محمد ابراہیم فانی

حضرت صدر صاحب نور اللہ مرقدہٗ

اور

اپنے شیوخ واساتذہ کے ساتھ کمال محبت!

حضرات اکابرین دیوبند بحمد اللہ ہر جمال سے متوّر اور ہر کمال سے مکمل ہونے کے باوصف ان میں یہ صفت بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ کہ اپنے شیوخ واساتذہ کے ساتھ ان کی والہانہ عقیدت اور کمال محبت ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا دلکش و دل ربا اور رقت انگیز عنوان ہے کہ اس پر مستقل کتابیں ترتیب دی جاسکتی ہیں۔

محدث عصر حضرت العلامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کے بارے میں مرقوم ہے کہ جب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ تو ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت مولانا حافظ محمد احمد صاحب قدس سرہ فرما رہے تھے۔ اکابرین نے آپ کی فرقت پر دردانگیز مرثیے پڑھے۔ حضرت شاہ صاحب نے با دیدۂ غم دو مرثیے سنائے ایک عربی مرثیہ اور دوسرا فارسی۔ فارسی مرثیہ کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کا اپنے شیخ حضرت شیخ الہندؒ سے کس قدر والہانہ محبت تھی ؎

بگذر از یادِ گل و گلبن کہ ہیچم یاد نیست
در زمین و آسماں جز نامِ حق آباد نیست
بر روانِ رہرواں ہم رحمتے بفرستہ باش
حسن بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست
شرح حالِ خود نوشتن شکوۂ تقدیر نیست
نالہ بر سنّت نمودن نوحہ و فریاد نیست

مولانا محمد ثانی حسنی حیاتِ خلیل میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کا اپنے شیخ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ عشق و وارفتگی کے بارے میں رقم طراز ہیں:۔

حضرت مولانا کو اپنے شیخ و مرشد حضرت گنگوہی سے جو کمال عشق و محبت حاصل تھا اس کے مظاہر تو آپ حضرت مولانا کے حالات زندگی پڑھ کر معلوم کریں گے۔ آپ کی شروع سے آخر تک یہ خواہش اور دعا رہی ؎

تیرے جگر کی تجھ سے اک التجا یہی ہے
اپنے جگر کو اپنے دل سے جدا نہ کرنا

پھر آپ نے اس خواہش اور تمنا کو اپنی طرف سے پورا کر دکھایا۔ اس حسنِ ادب اور عشق و محبت کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیے کہ:۔

جب حضرت گنگوہیؒ نے یہ فرمایا کہ یہ تو حضرت کا عطیہ ہے تو آپ نے بکمال عجز و نیاز یہ عرض کیا (بحوالہ تذکرۃ الخلیل) میرے لئے تو وہی مبارک ہے جو آنحضرت کی طرف سے عطا ہو۔ نیز یہ بھی عرض کیا کہ اجازت نامہ درحقیقت شہادت ہے۔ کسی مسلمان کے ایمان کی۔ لہٰذا دو مقبول شہادتیں ثبت ہوں گی تو ہر شخص کے نفسی نفسی پکارنے کے وقت بارگاہِ خدا میں پیش کر سکوں گا۔ حضرت امام ربانی آپ کے اس حسنِ ادب سے کہ

اِذَا مَا بَدَتْ لَیْلَی فَکُلِّیْ اَعْیُنٌ

وَاِنْ هِیَ نَاجَتْنِیْ فَکُلِّیْ سَامِعٌ

ترجمہ۔ جب لیلیٰ جلوہ نما ہو جائے تو میرا ہر بن مو شوقِ دیدار میں دیدۂ مشتاق ہوتا ہے۔ اور اگر وہ میرے ساتھ سرگوشی کرے تو میں ہمہ تن گوش رہتا ہوں۔

اور اکابر ان کا کوئی واقعہ سناتے تو مزے لے لے کر پرنم اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ اسی کو ذکر فرماتے۔ آپ کا اسم گرامی بغیر شیخ الاسلام والمسلمین یا شیخ العرب والعجم المجاہد فی سبیل اللہ کے کبھی بھی نہ لیتے۔ آپ نے جب اپنا اجازت نامۂ حدیث بندہ کے شدید اصرار پر شائع کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس کا خطبہ آپ نے خود تحریر فرمایا۔ اور بقیہ سندِ حدیث مجھے ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کو تم لکھو۔ میں نے وہ سلسلہ سند لکھا۔ پھر جب وہ اجازت نامہ میں نے آں محترم کو پیش کیا تو حضرت کی نظر حضرت مدنی رحمہ اللہ کے اسم گرامی پر پڑی۔ آپ کے ساتھ میں نے شیخ العرب والعجم لکھا تھا۔ حضرت مرحوم نے اس کے ساتھ ان القاب کا اضافہ کیا: شیخ الاسلام والمسلمین المجاہد فی سبیل اللہ صدر المدرسین بدار العلوم الدیوبندیہ۔

ایک دفعہ ایک طالب علم حضرت مدنی رحمہ اللہ کے درس کا کیسٹ لایا۔ ہم نے اس کو ریکارڈ پر رکھا۔ دار الحدیث ہال کی گونج اس میں صاف سنائی دے رہی تھی۔ قاری نے عبارت حدیث پڑھی۔ اس کے بعد حضرت مدنی رحمہ اللہ نے تشریح شروع کی حضرت مدنی کی آواز کا سننا تھا کہ حضرت مرحوم پر رقت طاری ہو گئی۔ اور آنکھوں سے سیل اشک رواں ہوا۔ یہ رقت انگیز منظر ہم سے بھی برداشت نہ ہو سکا۔ میں نے اس طالب علم کو کہا کہ ریکارڈ بند کر دو۔ ہم گم سم آپ کے ساتھ بیٹھے رہے۔ اور حضرت مرحوم دیر تک اپنے شیخ کی یاد میں آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتے رہے ؎

اصل کمال یہی ہے۔ بہت خوش ہوتے اور خلافت نامہ پر دستخط فرما کر مع دستار کے حوالہ فرمایا۔

حضرت شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مدنیؒ کے واقعات تو حضرت شیخ الہند کے ساتھ محبت وعقیدت کے مشہور ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

(حضرت شیخ الہند کے سانحۂ ارتحال کے بعد) تیسرے دن حضرت مدنی رحمہ اللہ حضرت شیخ الہند کے مکان پر پہنچے۔ یہ ناکارہ اس وقت تک امروہہ روانہ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ جا ہی رہا تھا۔ وہ منظر ہر وقت آنکھوں کے سامنے رہے گا۔ حضرت مدنی انتہائی ساکت قدم بالکل نہیں اٹھتا تھا۔ ہر قدم ایسا اٹھ رہا تھا جیسا ابھی گر پڑیں گے۔ مصافحہ بھی ایک آدھ ہی نے کیا۔ میں نے تو کیا نہیں۔ ہر شخص اپنی جگہ ساکت کھڑا تھا۔ مولانا مدنی حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے مردانہ مکان کے سامنے کی سہ دری میں جا کر دوزانو بیٹھ گئے۔ اور چپ دو چار حاضرین بھی کمرے میں موجود تھے۔ وہ بھی جمع ہو کر مولانا کے پاس بیٹھ گئے۔ اور میں قدرت کا کرشمہ سوچتا رہا۔ کہ جو شخص سفر و حضر میں کسی وقت بھی جدا نہ ہوا ہو۔ وہ انتقال سے ایک دن قبل حاضر ہوا اور جس کو حاضری کی نوبت کبھی نہیں آئی۔ وہ دہلی سے لے کر تدفین تک جنازہ کے ساتھ ساتھ رہے ع

عجب نقشِ قدرت نمودار تیرا

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی حضرت صدر صاحب قدس سرہ کی اپنے شیوخ و اکابر اساتذہ کے ساتھ عقیدت و محبت کی چند مظاہر ملاحظہ ہوں۔

حضرت شیخ الاسلام والمسلمین سید حسین احمد مدنی آپ کے محبوب ترین شیخ اور مشفق ترین استاد تھے۔ جب آپ کا تذکرہ ہوتا تو آپ اس کے سننے کے لیے بے تاب اور ہمہ تن گوش رہتے بقول شاعر ؎

نذرِ اشک بے قرار از من پذیر
گریۂ بے اختیار از من پذیر

اسی طرح جانشین حضرت شیخ الاسلام مولانا سید محمد اسعد مدنی مدظلہ العالی کی دار العلوم تشریف آوری کے بارے میں سنا۔ استقبال کے لئے حضرت صاحب اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب مدظلہ العالی دار العلوم کے صحن میں تشریف لائے۔ جب حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب نمودار ہوئے۔ حضرت صدر صاحب اور حضرت شیخ الحدیث صاحب نے ان کے ساتھ معانقہ کیا۔ حضرت صدر صاحب نے جب ان کے سراپا میں حضرت شیخ الاسلام کی جھلک دیکھی تو بار بار نگاہیں ان کی طرف اٹھتیں اور آنسو پونچھتے رہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمہ اللہ کا تذکرہ اسی طرح ایک دفعہ شروع ہوا تو فرمایا۔ کہ تقسیم کی وجہ سے اب ہندوستان کو جانا از حد مشکل ہو گیا ہے ورنہ اپنے شیوخ اور اساتذہ کی زیارت کے لئے تو کبھی کبھی حاضر ہوتے ؂

اے وائے بر اسیرے کز یاد رفتہ باشد
در دام بستہ باشد صیاد رفتہ باشد

فنون کی بعض کتابیں قیام غورغشتی کے دوران آپ نے حضرت العلامہ مولانا قطب الدین صاحب سے پڑھی تھیں۔ ان کی عبقری شخصیت، پر نور وجاہت اور ثقاہت فی العلم کی وجہ سے آپ کو ان سے بے حد محبت تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ میرے استاذ حضرت مولانا قطب الدین صاحب قدس سرہ صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ اسی میں یہ واقعہ سنایا۔ کہ

حدیث قدسی میں آیا ہے مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ فرمایا کہ میں غورغشتی گیا۔ تو میں کچھ تاخیر سے پہنچا تھا۔ مولانا نے طالب علموں کو کتابیں شروع کی تھیں۔ اور زیادہ طالب علموں کی گنجائش نہ تھی۔ میں جب وہاں گیا۔

اور ان سے اپنی کتابوں کے بارے میں عرض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں صبح کی نماز کے فوراً بعد کتابیں پڑھاتا ہوں نماز ظہر تک۔ اور ظہر کے بعد اپنے رہٹ کو جاتا ہوں۔ میرے پاس بالکل وقت نہیں۔ لیکن آپ چونکہ میرے استاذ کے نواسے اور میرے مخدوم زادے ہیں اس لئے آپ کا مجھ پر حق ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ آپ کو ظہر کی نماز کے فوراً بعد سبق پڑھاؤں گا۔

ایک دن آپ مجھے سبق پڑھا رہے تھے کہ اچانک موسلا دھار بارش شروع ہوئی جس کی وجہ سے آپ اس دن رہٹ نہ جا سکے۔ اور مسجد ہی میں تشریف فرما رہے جب بارش تھم گئی۔ تو ایک شخص آیا۔ اور اس نے عرض کیا کہ حضرت فلاں شخص نے بارانی پانی آپ کی فصل کی طرف موڑا ہے۔ جس سے فصل بالکل تباہ ہوگئی ہے۔
حضرت نے مجھے فرمایا کہ عبد الحلیم آؤ میرے ساتھ ادھر چلیں۔ جب ہم وہاں پہنچ گئے تو واقعی پانی کی وجہ سے تمام فصل برباد ہو چکی تھی۔ حضرت الاستاذ نے فرمایا۔ آؤ۔ ہم واپس مسجد چلے گئے۔ حضرت نے اس شخص کو بلایا۔ وہ شخص جب مسجد کے دروازے تک آیا تو اس پر شدید کھانسی کا حملہ ہوا۔ کھانسی اتنی سخت تھی کہ اس کے ساتھ خون آنا بھی شروع ہوا۔ الغرض اس شخص نے وہاں ہی دم توڑ دیا۔
میں نے کچھ دیر بعد حضرت سے پوچھا کہ آپ نے اس کے لئے بد دعا کی۔ یا اور کوئی ورد ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ کچھ بھی نہیں کیا۔ ہاں مجھے اس کی حرکت سے تکلیف پہنچی تھی۔

آپ سب سے پہلے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ سے بیعت تھے۔ آپ کے سانحہ ارتحال کے بعد پھر حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتوی سے تجدید بیعت فرمائی۔ اس وجہ سے آپ ضرور ان کی زیارت اور ملاقات کے لئے تشریف لے جایا کرتے۔

۱۹۶۸ء میں جب دارالعلوم حقانیہ کا سالانہ عظیم الشان جلسۂ دستار بندی تھا۔ تو اس میں ملک و بیرونِ ملک سے بہت سے اکابر تشریف لا رہے تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ بھی اس میں مدعو تھے۔ اور ایک نشست کی صدارت بھی آپ کو تفویض کی گئی تھی۔ اگرچہ بوجہ شدید ضعف و نقاہت کے آپ صدارت سے معذور تھے۔ لیکن پھر بھی کچھ دیر آپ مسندِ صدارت پر جلوہ افروز ہوئے۔ جب آپ کے پہنچنے کا وقت قریب ہوا تو اعلان ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب تشریف لانے والے ہیں۔ ان کے استقبال کے لئے سڑک پر دو طرفہ کھڑے ہو جائیں۔ انسانوں کا ایک سمندر تھا۔ جو حضرت شیخ الحدیث کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب تھا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب کے مقام کے لئے حضرت صدر صاحب کی اقامت گاہ مختص کر دی گئی تھی۔ جب حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ حضرت صدر صاحب مرحوم کی اقامت گاہ پر تشریف لائے۔ چونکہ بہت زیادہ اژدحام اور ہجوم تھا۔ اس لئے اندر کا دروازہ بند کر دیا گیا اور ایک کھڑکی کھول دی گئی تاکہ اس کھڑکی سے لوگ ان کی زیارت سے مستفید ہوں۔ حضرت صاحب، حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ اور حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی صاحب تینوں اندر تشریف فرما تھے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب چارپائی پر تکیہ لگائے جلوہ افروز تھے اور نیچے حضرت صدر صاحب مرحوم اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب یہ دونوں حضرات حضرت شیخ الحدیث کے پاؤں دبا رہے تھے۔ محفل قدسیاں اور قرانُ السعدار کا یہ دلربا منظر بحمداللہ بندہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ع

نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است

اسی طرح جب مولانا غورغشتوی صاحب رحمہ اللہ شدید علیل ہو گئے اور آپ کی صحت کے بارے میں تشویشناک خبریں آنے لگیں۔ تو حضرت صدر صاحب باوجودیکہ خود بہت سخت بیمار تھے۔ وہاں ہسپتال تشریف لے گئے۔ رات گئے واپس تشریف لائے۔

لیکن ازحد پریشان۔ فرمایا۔ کہ حضرت صاحب کی طبیعت بہت خراب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت و عافیت عطا فرمائے۔ صبح ان کی وفات کی اطلاع آئی۔ آپ اور حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ دونوں تشریف لے گئے۔ بیماری کا یہ عالم تھا کہ بغیر کسی سہارے اٹھنا بیٹھنا مشکل تھا لیکن ؎

آبلے کہتے ہیں ٹھہرو شوق کہتا ہے بڑھو
محو حیرت ہوں شریکِ کارواں کیونکر رہوں

چنانچہ نمازِ جنازہ میں بمشکل شرکت فرمائی۔ بیماری کا حملہ نہایت ہی سخت تھا اس لئے وہاں سے کار میں سیدھے اپنے گاؤں لائے گئے۔ حضرت کی وفات کا آپ پر ازحد اثر ہوا اور فرمایا کرتے کہ واقعی حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ صوبہ سرحد کے شاہ ولی اللہ تھے۔ پھر فرمایا۔ کہ حضرت نے مجھے فرمایا تھا کہ آپ نے اپنے اسباق وادراد پورے کئے۔ اب آپ کو خلعت خلافت سے نوازوں گا۔ لیکن موعود اجل آپہنچا اور میری آرزوئیں اور تمنائیں دھری کی دھری رہ گئیں۔

حضرت الشیخ اور اپنے شفیق استاد کے مزار پر حاضری کے لئے اکثر و بیشتر وہاں غورغشتی تشریف لے جاتے۔ غورغشتی علاقہ چھچھ کا مشہور قصبہ ہے۔ حضرت صدر صاحب مرحوم کا مولد و مدفن زروبی دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے۔ ان دونوں قصبوں کے درمیان صرف دریا حائل ہے۔

ایک دفعہ مجھے فرمایا کہ میں آج دریا کے راستے غورغشتی جا رہا ہوں۔ یعنی سڑک کے راستے سے نہیں کسی سے شناس لے آؤ (شناس چمڑے کا وہ مشکیزہ جس میں ہوا بھری جاتی ہے جس پر سوار ہو کر دریا عبور کیا جاتا ہے۔) باوجودیکہ جنوری کا مہینہ تھا بڑی شدت کی تھی لیکن اپنے شیخ اور استاد و مربی کی محبت نے ان کو سردی کے تھپیڑوں سے بے نیاز کر دیا تھا ؎

در رہِ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجان
شرطِ اول قدم آن است کہ مجنون باشی

ایک دفعہ آپ بعض فضلاء کی دعوت پر افغانستان تشریف لے گئے۔ وہاں پر مشہور زمانہ مجددی خانوادے کے مسند نشین طریقت حضرت مولانا ضیاء المشائخ محمد ابراہیم جان مجددی کے ساتھ آپ کی ملاقات ہوئی۔ اس خاندان کا افغانستان میں بہت ہی اثر و نفوذ ہے۔ چنانچہ حضرت نور المشائخ صاحب نے آپ کو اپنے پاس مہمان خصوصی کی حیثیت سے رکھا۔ اور پھر حضرت صاحب کو خلعتِ خلافت سے بھی نوازا۔

غزنی میں ایک مدرسہ نور المدارس جو کہ افغانستان کے مشہور ترین مدارس میں سے ہے۔ وہاں پر ان کا سالانہ جلسۂ دستار بندی تھا۔ حضرت ضیاء المشائخ کی دعوت پر آپ نے اس جلسہ میں شرکت کی۔ اور علم کی فضیلت پر فارسی میں بلیغ خطاب فرمایا۔

حضرت صدر صاحب آپ کی قابلیت اور علمی مقام کے از حد معترف تھے۔ فرمایا کہ حضرت صاحب کا تصوف وکلام کے عمیق مسائل اور حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر ہے ان کے ساتھ آپ کی مکاتبت کا سلسلہ کافی عرصہ جاری رہا۔ اور نامہ و پیام کے ذریعہ احوال پرسی فرماتے رہے۔ پھر جب افغانستان میں انقلاب آیا تو کسی نے آپ کو اطلاع دی کہ حضرت گرفتار کر لیے گئے ہیں اور ان کے بارے میں گمان غالب یہ ہے کہ شہید کر دیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کا ذاتی کتب خانہ جو کہ ہزارہا نادر و نایاب کتب پر مشتمل ہے۔ اس کو بھی ان ظالم کمیونسٹوں نے نذرِ آتش کر دیا ہے۔

جب آپ کو یہ خبر پہنچی تو از حد رنجیدہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ خدا کرے کہ یہ خبر جھوٹی ہو۔ پھر حضرت کے کمالات اور اوصاف کا تذکرہ فرمانے لگے۔ جو کوئی بھی افغانستان سے آتا تو اس سے ان کے بارے میں پوچھتے رہے۔ طبیعت پر از حد پژمردگی چھائی ہوئی تھی پھر ایک دن دار العلوم کے ایک افغانی فاضل تشریف لائے۔ انہوں نے حضرت مرحوم سے

کہا کہ حضرت صاحب نور المشائخ زندہ ہیں۔ تب آپ کو چین نصیب ہوا۔

دار العلوم دیوبند کے استاذ الحدیث والمعقول حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی قدس سرہ آپ کے مسلم شریف کے استاذ تھے۔ عرصہ سے آپ مسلم شریف کا درس دیا کرتے ان پر ان کے رنگ کا اتنا غلبہ تھا کہ ایک دفعہ ایک عالم جو کہ دار العلوم دیوبند کے فاضل اور مسلم شریف میں حضرت العلامہ بلیاوی کے شاگرد تھے۔ انہوں نے حضرت صاحب کی تقریر مسلم دیکھی تو کہا کہ بخدا اس کو دیکھ کر مجھے علامہ بلیاوی یاد آگئے۔ ان کے ساتھ عقیدت کے لیے یہی کافی ہے کہ مجھے میری والدہ ادام اللہ ظلہا نے فرمایا۔ کہ آپ کا نام محمد ابراہیم اس وجہ سے حضرت صدر صاحب نے رکھا ہے کہ وہ فرماتے تھے دار العلوم دیوبند میں میرے استاذ اور شیخ کا نام محمد ابراہیم ہے اس وجہ سے تفاولاً یہی نام اس کے لئے تجویز کرتا ہوں۔

علامہ مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ماموں اور شفیق استاذ تھے۔ آپ نے اکثر کتابیں ان سے پڑھی ہیں جس طرح شفیق ماموں کو اپنے ذہین و ذکی اور فطین بھانجے پر ناز تھا اسی طرح وہ بھی اپنے جلیل القدر استاذ و مربی کی علمیت و شہامت کے از حد قدردان و مدح خوان تھے۔ حضرت صدر صاحب قدس سرہٗ دہلی میں مدرس تھے۔ وہاں ایک جلسے کی صدارت آپ فرما رہے تھے کہ دورانِ جلسہ آپ کو اپنے استاذ کے سانحۂ ارتحال کا ٹیلیگرام پہنچا۔ انہوں نے جب ان کے انتقال کی خبر سنی تو بے اختیار آنکھیں اشک ریز ہو گئیں۔ اور آپ پر کچھ دیر کے لئے غشی طاری رہی۔ فوراً جلسہ منسوخ کر دیا گیا۔ اور ایصال ثواب کے لئے ختمات کا اہتمام کیا گیا۔ دار العلوم دیوبند اطلاع دی گئی۔ وہاں پر بھی آپ کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کی گئی۔ انہوں نے آپ کے سانحۂ ارتحال سے متاثر ہو کر عربی میں چند رثائیہ اشعار بھی لکھے جو کہ شعری ذوق کے مضمون میں درج ہیں بقول ساغر صدیقی ؎

ہر شناور کو نہیں ملتا تلاطم سے خراج
ہر سفینے کا محافظ ناخدا ہوتا نہیں
شمع جس کی آبرو پر جان دیدے جھوم کر
وہ پتنگا جل تو جاتا ہے فنا ہوتا نہیں

مولانا عبدالرؤف صاحب عرف گڈی مولوی صاحب کے برخوردار کی تقریب دستار بندی اور دعوت ولیمہ میں شرکت کے لئے دعوت دی گئی۔ تو آپ نے قبول فرمائی۔ اگرچہ اس وقت بیماری کی وجہ سے بہت کمزور تھے۔ پھر جب تقریب کی تاریخ آئی تو بیماری شدید تھی۔ مگر فرمایا۔ کہ یہ چونکہ استاذ کے اکلوتے برخوردار ہیں۔ اس لئے بہر صورت اس میں شرکت کروں گا۔ تاکہ میرے استاذ کی روح کو سرور پہنچے۔ چنانچہ اس میں شرکت فرمائی اور جلسۂ دستار بندی کی صدارت اور اس میں صدارتی تقریر بھی فرمائی۔

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ تو آپ حضرت صدر صاحب کی قیام گاہ میں رونق افروز ہوئے۔ حضرت مرحوم اس دن بہت ہی مسرور اور خوش تھے۔ کہ آج حضرت قاری صاحب نے میرے کمرہ کو اپنے انفاس قدسیہ سے نوازا۔ تمام رات ان کے ساتھ تشریف فرما رہے۔

دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز سپوت محدث عصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ کے بارے میں فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب آیۃ من آیات اللہ تھے۔ میری بہت خواہش تھی کہ ان کی خدمت اقدس میں ڈابھیل حاضر ہو جاؤں۔ لیکن وقت موعود آپہنچا تھا۔ دیوبند اطلاع آئی کہ حضرت شاہ صاحب کا انتقال ہوا۔ اسی طرح حسرت دیدار دل ہی دل میں رہ گئی۔ پھر جب دارالعلوم دیوبند میں ان کی وفات پر تعزیتی جلسہ منعقد ہوا تو حضرت صاحب قدس سرہ نے فارسی کے تعزیتی اشعار سنائے۔

اِمامُ المتکلّمین

از۔ مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب مدرس دارالعلوم حقانیہ

مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب مدرس دارالعلوم حقانیہ کی عشق و محبت میں ڈوبی ہوئی یہ تقریر جس کے ہر لفظ سے عقیدت و وارفتگی کا اظہار ہوتا ہے۔ یہاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ حضرت قاری صاحب کے ساتھ حضرت صدر صاحب قدس سرہٗ کی انتہائی محبت تھی۔ اور ایک گونہ بے تکلفی بھی۔ اس لئے قاری صاحب کی یہ تقریر خاص اہمیت کی حامل ہے۔ (فانی)

حضرت مولانا کا علمی مقام

حضرت مولانا مرحوم کے کمالات، جاہ و جلال، علمی مقام، محدثانہ و متکلمانہ شان، اور فقاہت اس ہر ایک موضوع میں اتنی وسعت ہے کہ اس پر ایک ماہر اور ادیب شخص مستقل کتاب لکھ سکتا ہے۔ دارالعلوم حقانیہ کی تاسیس سے لے کر آج تک جو کچھ ہوتا رہا اور اس علمی ادارے میں جتنے لوگ علم حاصل کرتے رہے۔ پوری دنیا کے اندر دارالعلوم حقانیہ کو جو مقام علماء اور علمی دنیا میں دینی مدارس اور خانقاہوں میں علمی شخصیات اور طلباء کے سامنے جب بھی دارالعلوم کے اساتذہ، فضلاء اور علماء کا بحیثیت علماء و مدرسین ذکر ہوتا رہے گا۔ یہ سب چیزیں

حضرت مرحوم کی مرہون منت ہیں:

حضرت مولانا کی علمی شخصیت اور علمی شان کو وہی جانتے ہیں جو اہل علم ہیں اور جن کے اندر انصاف ہے۔ آپ دیکھیں کہ ایک شخص کا درس کتنا عمیق اور باریک ہے۔ کہ درس دیتے وقت جب وہ درس دیتا ہے تو کتاب کو دیکھتا ہی نہیں۔ نہ کسی حاشیے کی طرف دیکھتا ہے۔ اور مجھے وہ سارا منظر یاد ہے کہ جب دارالحدیث میں بیٹھتے ہی اپنی مخصوص اور معصوم کھانسی کے بعد چہرہ اٹھا کر طلباء کی طرف دیکھتے اور امام مسلم رحمہ اللہ کی کتاب سے جو باب بھی پڑھنا ہوتا اسے شروع کرتے تو یوں ہی معلوم ہوتا تھا کہ حضرت مولانا ابھی امام مسلم سے تکرار فرما کے تشریف لائے ہیں اور یونہی معلوم ہوتا تھا کہ امام مسلمؒ اور امام نوویؒ اپنی باتیں حضرت مولانا کے کان میں کہہ کر مولانا ان کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ اور اس میں مبالغہ نہیں کہ ان کے علمی مقام اور علمی کمالات کا جب ہم اندازہ لگاتے تو معلوم ہوتا تھا کہ حضرات اکابر کے متعلق ہم نے جو کچھ سنا ہے یا پڑھا ہے وہ سارے کمالات حضرت کے اندر موجود ہیں۔ آپ قرآن و حدیث کے رموز و اشارات کو سمجھتے تھے۔ جب مسلم شریف میں دوران درس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات اور نحن احق بشک من ابراہیم والی حدیث بیان فرماتے تو معلوم ہوتا کہ امام رازیؒ و غزالیؒ اور بڑے بڑے محدثین و مفسرین بیٹھے ہیں۔ اور مولانا ان کی باتیں سن سن کر ان کی ترجمانی کر رہے ہیں۔

اور ابراہیم علیہ السلام کے واقعات تسلیم و رضا کو مزے لے لے کر بیان کرتے۔ جب آپ نے یہ نکتہ بیان کیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے واذا مرضت فھو یشفین میں مرض کی نسبت اپنی طرف اس لئے کی تاکہ مجھ سے بے ادبی کا ارتکاب نہ ہو جائے تو ہم حیران رہ گئے۔

حضرت مولانا تفسیر و حدیث، معانی و کلام، منطق و فلسفہ اور تمام علوم و فنون میں بہت بڑا مقام رکھتے تھے۔ وہ جس طریقے سے احادیث کو سمجھاتے اور مذاہب کی تطبیق، مسائل کی تحقیق محدثین کے کلام کی تفصیل اور مفسرین اور شراح کرام کے اقوال کی تشریح اور تمام مذاہب کے آراء کو ذکر کر کے مذہب احناف کو ترجیح دیتے تو انسان حیران رہ جاتا۔ حاضر جوابی اور فصاحت میں اپنی مثال آپ تھے۔ مختصر الفاظ میں فصاحت و بلاغت کے سمندر بند کرنا یہ ان کا کمال تھا اور کیوں نہ ہو جس کی عمر ساری مختصر المعانی، مطول، مسلم الثبوت اور تلویح توضیح پڑھانے میں گذری ہو ایک بات کو بار بار کہنا طلباء کے سامنے اور اس طریقے سے سمجھانا یہ فصاحت نہیں بلکہ کمال یہ ہوتا ہے متکلمین کا کہ بات اس طریقے سے کرے کہ کنایات و اشارات میں مخاطب کو سمجھائے جیسا کہ مقولہ ہے کہ کنایہ ابلغ ہوتا ہے صریح سے۔

حضرت مولانا ہر فن کی کتاب اور ہر مصنف کے کلام کو جانتے تھے۔ کتاب کے مصنف کے مزاج کو سمجھتے تھے۔ وہ کتاب دان نہیں بلکہ فن دان تھے کسی ایک فن کی کتاب کو پڑھانا یہ کمال نہیں بلکہ ہر ایک فن کی کتاب کو سمجھنا اور سمجھانا کمال ہے۔ یہ نہیں کہ علم حدیث میں صرف مسلم شریف میں ماہر تھے بلکہ مولانا محدثین کی تمام احادیث کو جانتے سمجھتے۔ وہ فقیہ النفس بھی تھے۔ علامہ کشمیری فرماتے ہیں کہ شامی کو فقیہ النفس نہیں کہتا۔ اور شاہ عبدالعزیزؒ، شیخ الہندؒ اور مولانا گنگوہیؒ کو فقیہ النفس کہتا ہوں۔ اس لئے کہ شامی صرف ناقل ہے اور ان حضرات میں سے ہر ایک فقیہ النفس ہے۔

مولانا علم حدیث میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ جرح و تعدیل کے بھی امام تھے اور علم حدیث میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، حافظ عراقیؒ، ابن الصلاحؒ، شمس الدین سخاویؒ، امام نوویؒ، جمال الدین زیلعیؒ اور علامہ عینیؒ ان تمام کے کلام کو جانتے تھے۔ جیسا کہ شیخ عبدالفتاح نے حضرت مولانا بنوریؒ کے متعلق لکھا ہے۔ کہ مولانا بنوریؒ علم کا نام ہے۔ اسی طرح ہمارے حضرت مولانا بھی تھے۔ کتابوں سے ان کو حد درجہ عشق تھا۔ بدایۃ المجتہد، ابن رشد مالکیؒ کی کتاب ان کی محبوب کتاب تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ شخص مذہب نقل کرنے میں بڑا منصف اور صاحب المغنی کی بھی تعریف کیا کرتے تھے اور ساتھ ساتھ صاحب البدائع والصنائع علاء الدین کاسانی ملک العلماء کے بھی معترف تھے۔ یہی بات ہے کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں۔ کہ صاحب البدائع والصنائع فقہاء احناف میں سب سے بڑا عالم ہے۔

علامہ سعدالدین تفتازانیؒ کے کسی قول کو نقل کرتے تو فرماتے ۔ دیکھو علامہ صاحب یہ فرماتے ہیں ۔ اور حقیقت یہ ہے ۔ یہ چیلنج آداب کے اندر رہتے ہوئے دیتے ۔ اصول کا لحاظ کرتے ہوئے ۔ فن کا لحاظ کرتے ہوئے ۔ شخصیت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ چیلنج دینا ایسے لوگوں کا کام ہے جو اس فن کی باریکیوں کو جانتے ہوں ۔

عام طور پر نماز عصر کے بعد نجی محفل میں حضرات محدثین اور فقہا کے مختلف واقعات سناتے ۔ محدثین میں سے حافظ عراقیؒ اور صوفیا میں نجم الدین کبریٰ کا ذکر کرتے تو بڑا مزہ آتا ۔ ان کبار محدثین کا تذکرہ اس انداز سے ہوتا کہ ان محدثین کے بارے میں خالی الذہن طالب علم کا ذہن بھی عقیدت و محبت سے بھر جاتا اور یہی کمال ہوتا ہے استاد اور مدرس کا ۔

فقہاء کرام میں سے صاحب ہدایہ برہان الدین مرغینانی اور صاحب نصب الرایہ جمال الدین زیلعی اور صاحب فتح القدیر ابن الہمام اور قاضی خان کے متعلق فرماتے کہ فقہاء احناف میں ان حضرات کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی کو بھی حاصل نہیں ۔

مسلم شریف کے درس میں جب وقت تکلم بعض منتحلی الحدیث سے بحث شروع کرتے یا حدیث معنعن بیان کرتے ۔ اور امام مسلمؒ کی اور امام بخاریؒ کی استادی اور شاگردی کا ذکر کرتے اور مخصوص انداز سے کہتے کہ قول کی تضعیف سے قائل کی تضعیف لازم نہیں آتی ۔ یہی جملے بار بار جب آپ دہراتے تو بہت لطف محسوس ہوتا ۔

امام مسلمؒ اور امام بخاریؒ کی بات ذکر کرتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان دونوں حضرات کے درمیان فرق کرنے کا مقام اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کو دیا ہے ۔ یہ ساری خوبیاں آپ کے کثیر المطالعہ ہونے کی وجہ سے آپ میں جمع تھیں ۔

ایک دن مولانا ایوب جان صاحب بنوری مدظلہ نے فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند میں عشاء کی نماز سے لے کر صبح کی نماز تک مطالعہ کرنا یہ صرف مولانا عبدالحلیم صاحب کا معمول تھا ۔

پچھلے سال مجھے افریقہ جانا ہوا ۔ افریقہ کے مشہور شہر ممباسا میں مجھے گلگت کے ایک

عالم ابراہیم خلیل صاحب ملے ۔ مولانا موصوف مدینہ یونیورسٹی کے فارغ تھے ۔ انہوں نے کہا کہ مردان کے ایک عالم مولانا عبدالحلیم صاحب کراچی میں مدرس تھے میں نے ان سے ایک کتاب پڑھی ہے ۔ آج تک میں نے اُن جیسا کوئی عالم نہیں دیکھا ۔ انہوں نے کہا علماء احناف میں سے کسی بھی عالم سے فقہ حنفی کے ایسے دلائل نہیں سنے ۔ علم ادب ، عروض و معانی کی باریکیوں کو سمجھنا اور احناف کی طرف سے منقح اور مدلل جواب دینا یہ ساری خوبیاں میں نے صرف مولانا عبدالحلیم صاحبؒ میں دیکھی ہیں ۔

حضرت مولانا کے علمی مقام کو دیکھ کر ہمیشہ یہ خیال ہوتا تھا کہ کاش یہ شخص یوسف الملۃ والدین حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے ساتھ اگر ہوتے تو مولانا بنوریؒ ایسے مدرسین کے بہت قدردان تھے ۔ ان کو ایسے لوگوں کی ضرورت تھی ۔ وہ محدثین کے قدردان تھے ۔ اُن کا ایک جملہ تھا فرمایا کرتے تھے کہ جو بھینس دودھ دے وہ اگر لات مارے بھی تو کوئی پرواہ نہیں ۔ اس مدرس کا ناز و نخرہ میں قبول کرنے کو تیار ہوں ۔ جو فن کے اندر ماہر ہو ۔ حضرت مرحوم کا مولانا بنوریؒ سے قریبی تعلق تھا ۔ حضرت بڑی محبت سے مولانا بنوری کا نام لیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی نے اخلاص کے ساتھ دینداری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تشریح کے لئے مدرسہ بنایا ہے تو وہ حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کا ہے ۔

آج کل ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ میرا بیٹا عالم بنے ، مدرس بنے ، مفتی بنے ۔ لیکن میرے بیٹے کے علاوہ اور کسی میں یہ کمالات نہ ہوں ۔ لیکن حضرت مولانا میں یہ بات نہ تھی ۔ وہ فرماتے تھے کہ میرا بیٹا نہیں بلکہ ہر کسی کا بیٹا جو محنتی ہو ، قابل ہو وہ سب کچھ بنے ۔

حضرت مولانا اور تصوف

حضرت مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے تصوف میں بھی بہت بلند مقام عطا فرمایا تھا ۔ اگرچہ آج کل تصوف میں تصنع اور بناوٹ کو کافی دخل ہے ۔ ہر شخص پیر ہے اور مرید بھی رکھتا ہے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے تصوف میں جو مقام

عطا فرمایا تھا۔ ان کے معاصرین میں کوئی ان کا سہیم اور شریک نہیں تھا۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہ سانچہ ٹوٹ گیا ہے جس میں حضرت مولانا جیسے لوگ پیدا ہوتے تھے۔ ایسے لوگوں کا پیدا ہونا بند ہو چکا ہے جب آپ صوفیائے کرام کا ذکر کرتے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ امام محاسبیؒ، جلال الدین رومیؒ اور امام غزالی کی مجلس میں رہ کر آتے ہیں۔

تصوف میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے اقوال اور حسن بصریؒ اور سفیان بن عیینہؒ، سفیان ثوریؒ اور تمام صوفیائے کرام کا ذکر کرتے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس دور میں صوفیائے کرام کے کلام کی باریکیوں سے آپ جس طرح واقف ہیں ایسا کوئی بھی نہیں۔ ولایت کی جو نشانیاں صوفیائے کرام بیان کرتے ہیں ہمارے حضرت میں وہ تمام بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

قرآن کے ساتھ انتہائی شغف رکھتے تھے۔ روزانہ کئی کئی پارے قرآن کریم کی تلاوت فرماتے۔ تہجد کا بھی پابندی سے اہتمام کرتے۔ جب نماز کے لئے مسجد تشریف لاتے اور مصلّیٰ پر کھڑے ہوتے تو سارے عشاق طلبا حضرت کا دیدار کرتے۔ تو اس وقت معلوم ہوتا کہ یہ شخص بہترین عابد ہے۔ اس کی نماز بھی عجیب ہے۔ اور نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے والا محسوس کرتا کہ اسلام کتنا سچا اور حقیقی مذہب ہے کہ اس کے ماننے والوں میں سے اس زمانے میں بھی ایسے سچے اور عاملین موجود ہیں۔

حضورؐ اور صحابہ کرامؓ سے عشق | حضرت مولانا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق تھا۔ مسلم شریف کے درس میں انتہائی عشق اور درد کے ساتھ یہ اشعار سناتے تو آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔

دُرفشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا	دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے	کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

آپ نے پٹھانوں کے اندر بستے ہوئے فتنۂ قادیانیت کے خلاف جو کام کیا اور کسی نے نہیں کیا ہوگا۔ اور خاص کر رشتہ داروں سے مقابلہ کرنا، قتل و قتال کی دھمکیوں تک نوبت کا آ جانا۔ ان حالات کا مقابلہ کرنا یہ صرف مولانا ہی کا حصہ تھا۔ کہ انہوں نے موقع پر شجاعت اور جرأتمندی

کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے یہ ساری قربانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو خوش کرنے کے لئے دی۔ اس کے علاوہ تمام فرقِ باطلہ اور خصوصاً منکرین حدیث کے خلاف بھی کام کیا۔ آپ نے قادیانی سے غلام احمد پرویز کے باطل عقائد کی مخالفت کی۔ اور لوگوں کو ان کے دجل و فریب سے آگاہ کیا۔ اور اس کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے عشق و محبت کی یہ حالت تھی کہ جب صحابہ کرامؓ کی بات ہوتی تو ان کے اندر ابن تیمیہؒ کی ایمانی غیرت اور ابن قیمؒ کا ایمانی جوش ابھر جاتا۔ صحابہ کرامؓ کی تنقیص اور صحابہ کرامؓ کی شان کے خلاف کچھ کہنا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اور یہی ایمان کا تقاضا ہے۔

اساتذہ سے عقیدت اور تلامذہ سے شفقت و محبت | حضرت مولانا اپنے اساتذہ کا ہمیشہ ذکر کرتے تھے شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمہ اللہ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب اور حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی کا عجیب انداز سے تذکرہ کیا کرتے تھے حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا نام بھی انتہائی عقیدت و احترام سے لیتے تھے۔ مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی کا مشہور درس کا واقعہ سناتے تھے کہ آپ ہدایہ آخیر پڑھا رہے تھے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ سماع کے لئے تشریف لائے۔ تو مولانا کی بہت تعریف کی۔ اور فرمایا کہ مولانا کا ایک ایک جملہ شرح لکھنے کے قابل ہے۔ علم کلام میں جو مقام مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی کو حاصل تھا وہی مقام ہمارے مولانا کو بھی حاصل تھا۔ اور مشہور مقولہ ہے کہ استاد ہمیشہ شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے۔ حضرت مولانا کی متکلمانہ شان سے وہ لوگ واقف ہیں جنہوں نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے۔

آپ اپنے اساتذہ کے بچوں تک کو محبوب رکھتے تھے۔ ایک طالب علم جو کہ حضرت مولانا کے استاد کا فرزند تھا اسے داخلہ نہیں مل رہا تھا مولانا کے ہاں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کو ہاتھ سے پکڑ کر کہا۔ کہ تو میرے استاد کا بیٹا ہے یا آپ کو داخلہ ملے گا یا مجھے دارالعلوم چھوڑنا پڑے گا۔

مجھے اس وقت اندازہ ہوا کہ حضرت مرحوم کو اپنے اساتذہ سے وہ عشق اور تعلق ہے جو جناب صدیق اکبر رضی اللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا اور جو عشق ابن سیرینؒ کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے تھا۔ اور جو شمس الدین سخاویؒ کو ابن حجرؒ سے تھا اور جو عشق ابن قیم کو ابن تیمیہ سے تھا۔ اور جو عشق شیخ الہند کو مولانا قاسم نانوتویؒ سے تھا۔ اور جو عشق مولانا مدنیؒ کو شیخ الہندؒ سے تھا۔ آپ شخصیات کو بھی جانتے تھے۔

ایک دفعہ مجھے حضرت مفتی محمودؒ صاحب کے متعلق فرمایا۔ کہ یہ مفتی صاحب اسلام کے مزاج سے واقف ہیں۔ یہ بہت بڑا جملہ ہے جو آج تک کسی سے بھی مفتی صاحب کے متعلق نہیں سنا گیا۔ حضرت اپنے شاگردوں سے بھی اور تمام طالب علموں سے بھی حد درجہ محبت رکھتے تھے اور ان پر شفقت فرماتے تھے۔

تواضع اور انکساری | حضرت مولانا انتہائی متواضع اور مستغنی مزاج انسان تھے اس دور میں اگر ابوذر کسی کو کہا جائے تو حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور مولانا عبدالحلیم صاحبؒ کی شخصیت تھی۔ آپ تصنع اور بناوٹ کے فطری طور پر مخالف تھے۔ آپ کے اندر حد درجہ تواضع تھی اور ما انا من المتکلفین کے صحیح مصداق تھے۔ جب کوئی طالب علم کہتا کہ حضرت چائے پیتے ہیں؟ تو جواب میں بلا تکلف فرماتے "کیوں نہیں پیتا"

غرض یہ کہ مولانا بہترین صوفی اور عارف اور عظیم محدث ہونے کے باوجود بھی اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ یہ آپ پر دین کا اثر تھا۔ اور اپنے اساتذہ خصوصاً شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی تربیت کا اثر تھا۔

مہمان نوازی اور فیاضی | حضرت مولانا رحمہ اللہ انتہائی فیاض اور مہمان نواز تھے آپ کے پاس کوئی بھی مہمان ملاقات کے لئے آتا یا فضلاء دارالعلوم میں سے کوئی شاگرد حاضر ہوتا تو آپ اخلاص اور محبت سے مہمان نوازی فرماتے تھے۔

آپ کی وفات سے چند دن قبل بندہ اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب دیروی مدرس

دارالعلوم عیادت کے لئے حضرت کے ہاں زرو بی گئے۔ اور ملاقات کی۔ تو اس وقت حضرت مولانا کی حالت ایسی تھی کہ چارپائی سے اٹھ نہیں سکتے تھے۔ ایسی حالت میں اٹھے اور فرمایا کہ ان مہمانوں کے لئے کھانے کا بندوبست اور انتظام کریں۔

عجیب بات ہے کہ ایک شخص صاحب فراش ہے۔ مرنے کے قریب ہے اور چند لمحوں کا مہمان ہے۔ لیکن پھر بھی شاگردوں اور مہمانوں کا کتنا فکر ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے حضرت ابوذر غفاریؓ کا واقعہ یاد آیا کہ جب ان کی وفات کا وقت تھا تو موت سے پہلے اپنی بیوی سے فرمایا کہ میرے مرنے سے پہلے یہ بکری ذبح کرو۔ اور سارا مال خیرات کر دو جو بھی کوئی مہمان یا مسافر یہاں سے گزرے کھانا اسے کھلاؤ۔ تاکہ میرے مرنے کے بعد اس گھر میں کچھ نہ رہے۔

مولانا اور عالم اسلام | آخری عمر میں جو بات میں نے مولانا کے ہاں دیکھی تھی اور مولانا پر جس کا غلبہ تھا وہ یہ کہ ان کے نزدیک دنیا کی مغضوب ترین قوم اسرائیل تھی اور ان کے دل میں یہود و نصاریٰ سے انتہائی دشمنی تھی۔

عالم اسلام کے عظیم مجاہدین کا ذکر کرتے۔ ان کی آنکھوں سے کبھی کبھی آنسو نکل پڑتے صلاح الدین ایوبی کا بھی ذکر کرتے تھے۔ اسرائیل کے شدید ترین مخالف تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ عالم اسلام کی ترقی اور عروج اسرائیل کی تنزل پر موقوف ہے۔ اسی طرح فرمایا کرتے کہ جب بھی اسرائیل کا تنزل شروع ہوگا تو عالم اسلام کے مسلمانوں کی ترقی کا دور شروع ہو گا۔ آپ صرف رسمی اور تحریری طور پر نہیں بلکہ ایمان اور عقیدہ کے لحاظ سے اور ایک سچے مسلمان ہونے کے لحاظ سے دل میں عالم اسلام کا زبردست درد رکھتے تھے۔

حضرت مولانا کی وفات اور نماز جنازہ | حضرت مولانا کے جنازے کا منظر آج تک یاد ہے۔ اصل با تاثر کی ہوتی ہے۔ بڑے بڑے جنازے تو ہوتے رہتے ہیں لیکن وہ تاثرات جو حضرت کے جنازہ میں لوگوں کے تھے کہ ہر ایک شخص یہ کہہ رہا تھا۔ کہ یا اللہ یہ کیا ہو گیا۔ مجھے مولانا حبیب الحق صاحب کی وہ بات یاد ہے جب انہوں نے کہا کہ مولانا کا

عجیب جنازہ ہے۔ میں نے بڑے بڑے جنازوں میں شرکت کی ہے لیکن جو بات یہاں معلوم ہو رہی ہے وہ کہیں بھی معلوم نہیں ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک زمانہ رہے گا۔ مولانا کی باتیں یاد رہیں گی۔ ان کا وہ مخصوص جملہ جب راقم حاضر ہو جاتا تو فرمایا کرتے کہ "چرتہ تلے وے"، یعنی تم کہاں گئے تھے۔ اب بھی جب یاد آتا ہے تو آنسو کے قطرے بہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کی سچی محبت عطا فرمائے۔ اور ان کی قبر کو نور سے مالامال فرمائے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے پورے خاندان اور نسل کو ان کے علمی فیوض و برکات سے نوازے۔ ان کی وفات ایک بہت بڑا سانحہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ اور صبر ہی انشاءاللہ ہمارے لئے باعث اجر و ثواب ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں :۔

جب والد حضرت عباس ؓ وفات پا گئے تو ایک اعرابی نے آکر مجھے نصیحت کی۔ مجھے اُن کے ان الفاظ سے جو تسلی ملی، کسی اور کی نصیحت سے نہیں ملی۔ اس اعرابی نے کہا اصبر نکن بك صابرین۔ فانما صبر الرعیة بعد صبر الراس۔ خیر من العباس اجرك بعدهٗ۔ واللہ خیر منك للعباس۔

مطلب یہ ہے کہ آپ صبر کیجئے ہم بھی آپ کی وجہ سے صبر کریں گے۔ کیونکہ چھوٹوں کا صبر بڑے کے صبر کے بعد ہوتا ہے۔ تمہارے لئے حضرت عباس ؓ کے بعد (صبر کرنے میں) ثواب ہے۔ اور عباس ؓ کے لئے اللہ تعالیٰ تم سے بہتر ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ؏

شعری ذوق علمی مذاق کے آئینہ میں

ایک نادر انتخاب

حافظ محمد ابراہیم فانی

حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کو اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ اور لطیف ذوق شعر و سخن سے نوازا تھا۔ عربی، فارسی اور اُردو کے نہایت دقیق نکتہ سنج اور رمز شناس شاعر تھے۔ آپ نے قلم برداشتہ کئی قصائد و مراثی لکھے تھے۔ لیکن آپ چونکہ اس کی حفاظت و اہتمام کی طرف بہت کم توجہ دیتے تھے۔ اس لئے جتنا میسر آسکا اس کو یہاں نقل کر رہا ہوں۔ ورنہ سنا ہے کہ آپ نے اپنے شیخ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ اپنے والد بزرگوار اپنے بھائی اور مسلم شریف کے مایہ ناز استاذ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ پر مراثی لکھے تھے۔ اپنے شفیق استاذ اور ماموں مولانا محمد صاحب قدس سرہ پر آپ نے عربی میں مرثیہ لکھا تھا جس کے چند اشعار میسر آئے ہیں۔ مصرعۂ تاریخ میں انتہائی دقت اور باریکی سے کام لیتے ہوئے اس فن میں مہارت تامہ کا ثبوت دیا ہے۔

کریم النفس ذو حلم جسیم   وسیع العلم لا یدری مُدَاهٗ
محدث عصرہٖ فی الفقه بحر   و فی التفسیر قد طالت یداهٗ

بطیب النفس لبیّ اللہ لبـــّلا　　لسیر معادہٖ لمّــا دعاہٗ

فوا اسفا علے فقد ان مثلہٖ　　لعـــل اللہ لطفاً قد عفاہٗ

یورخ عام رحلتہٖ فقیــر

بحق سمیّــہ طابت ثراہٗ

۱۳۶۳ھ

وفات سے چند روز قبل حضرت اقدس نے یہ واقعہ سنایا تھا کہ جب حضرت محدث العصر مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری کا سانحہ ارتحال پیش آیا تو ان کی وفات پر دارالحدیث دارالعلوم دیوبند میں ایک تعزیتی جلسے کا اہتمام کیا گیا اس موقعہ پر کئی اساتذہ اور طلبہ نے بطورِ عقیدت حضرت شاہ صاحب پر مرثیے سنائے ۔ میں نے بھی فارسی کا ایک مرثیہ لکھا تھا ۔ وہ میں نے سنایا ۔ سنانے کے بعد وہ مرثیہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نے مجھ سے لے لیا ۔ خوش قسمتی سے اس مرثیہ کے چند اشعار حضرت مرحوم کی یادداشتوں سے راقم کو دستیاب ہوئے ہیں ۔

سیدِ اہلِ معارف صدرِ جملہ اتقیاء　　چشمۂ فیضِ حقائق سرورِ کل اصفیاءؔ

حامیِ شرعِ متین و حاملِ قولِ رسول　　فخرِ اصحابِ شریعت تاجدارِ اذکیاءؔ

حافظِ نقلِ سلف سرہنگ اربابِ عقول　　عینِ اعیانِ خلف از فضلِ ذاتِ کبریاءؔ

شاہِ کشمیری کہ انور بود در اقلیمِ علم　　متقنِ تقلیدِ اعظم تیغِ قومِ اشقیاءؔ

چوں نشد شایانِ گیتی حاملِ آں ذات را　　مرسلِ حق داد پیغامش کہ اخراجِ اضیاءؔ

در سحر از ساعتِ شبِ ثالث از ماہِ صفر

منزلش فردوس بالش کرد ذاتِ کبریاءؔ

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے علمی اور سوانحی نقوش پر مشتمل کتاب "نقشِ دوام" جو ان کے صاحبزادے مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری نے مرتب کی ہے اس کے ص ۵۹

پر مرتب علام یوں رقمطراز ہے :-

تیسرا تعزیتی جلسہ وفات سے اگلے دن صبح کو دارالعلوم دیوبند کی دارالحدیث کی وسیع عمارت میں ہوا جس میں تمام اکابر دارالعلوم دیوبند خصوصاً مولانا حسین احمد مدنی صاحب مرحوم نے تعزیتی تقریر فرمائی ۔ تعزیتی جلسہ ہوا تو طلباء دارالعلوم بے قراری سے رو رہے تھے ۔ جلسہ تعزیت کے اختتام پر ایک صاحب نے فارسی کے تعزیتی اشعار پڑھے ۔ تو آپ پر رقت طاری ہو گئی ۔

مولیٰ بالا عبارت میں جس صاحب اور اس کے تعزیتی اشعار کا ذکر ہے غالباً اس میں حضرت مرحوم اور اس کے ان اشعار کی طرف اشارہ ہے ۔

کسی صاحب کو حج سے واپسی پر یہ اشعار بطور ترحیب لکھے تھے ۔

مرحبا خوش آمدی اے عازمِ بیت الحرام　　روضۂ احمد حبیبِ کبریا ذوالاحترام

مرحبا اہلاً و سہلاً از مزارِ مصطفےٰ　　از زمینِ پاکِ یثرب قرۃ العین کرام

از طوافِ بیتِ اشرف قبلۂ کل مسلمین　　از مناظرہائے اقدس از زہے دارالسلام

باد آں موصوفِ عالی را مبارک ایں شرف　　ایں سعادت ایں کرامت از درِ ربِ الانام

فالحمد للہ بادش رنج و احزانِ سفر　　حج او مبرور باد از مالکِ روزِ قیام

باد باشد زندہ تا دورِ قمر ہم آسماں　　ناصرِ اسلام اہلِ دینِ حق بادا مدام

گر قبول افتد زہے ایں ناچیز ہدیہ بالمقال　　پیشِ آں شمسِ زماں باشد ہمیں عین المرام

از غریبانِ وطن گفت بار آخر ایں شعر

مرحبا خوش آمدی اے عازمِ بیت الحرام

آپ کے ایک دوست جو کہ طالب علمی کے دور سے آپ کے ساتھی ہیں ، نے یہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت مرحوم سے ساتھیوں نے شکایت کی کہ آپ خط ارسال نہیں کرتے ۔ تو اس پر مرحوم نے برجستہ یہ شعر فرمایا ؎

اگر مکتوب لوح اندر قضائے کلک خواہد شد

بوصل یار گردانم ہمہ خوبان عالم را

ایک مکتوب میں اپنے ساتھی کو یہ شعر لکھا ہے

سلام بود بر ہمہ اہل درس

خصوصاً بود بر محبان تو

دوران تقریر و درس یا نجی محافل میں مقتضی الحال اور موقعہ و مقام کی مناسبت سے ایسے اشعار سنایا کرتے۔ گویا وہ شعر شاعر نے اس موقعہ کے لئے لکھا ہو۔ دیوان حافظ شیرازی۔ مثنوی مولانائے روم۔ سعدی اور پندنامہ شیخ فریدالدین عطار کے ساتھ ان کی والہانہ عقیدت اور عشق تھا۔ کبھی کبھی خارجی اوقات میں طلباء کے اصرار پر مثنوی مولانائے روم پڑھایا کرتے۔ حافظ شیرازی رحمہ اللہ کے بارے میں ایک دفعہ یہ واقعہ سنایا:۔

کہ حافظ صاحب اپنے دیگر بھائیوں کی نسبت بچپن ہی سے مجذوب ذوالحال اور نحیف و نزار تھے۔ اس وقت کے عظیم المرتبت شیخ شیخ نجم الدین کبریٰ نے ان کے والد صاحب سے پوچھا کہ آپ کے کتنے فرزند ہیں۔ انہوں نے سوائے حافظ کے اور تمام فرزندوں کا تذکرہ کیا۔ شیخ نے اس سے دوبارہ استفسار کیا کہ ان کے علاوہ اور کوئی فرزند نہیں۔ انہوں نے کہا۔ ایک تو ہے۔ لیکن اس کا وجود عدم برابر ہے۔ شیخ نے کہا مجھے اس کی ضرورت ہے اس کو بلا لاؤ۔ حافظ صاحب حاضر کر دئے گئے۔ اس نے جب شیخ نجم الدین کبریٰ کو دیکھا۔ تو بے ساختہ اور برجستہ یہ شعر کہا ؎

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند

آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

اور اس طرح حافظ صاحب کے اس شعر ؎

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل ما را — بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

کا تذکرہ نہایت دلنشین انداز میں کیا کرتے تھے۔ فرمایا کہ حافظ صاحب کے اس شعر پر جب امیر بخارا مطلع ہوا۔ تو اس نے اس کو دربار میں طلب کیا۔ اس وقت آپ نہایت ہی خستہ حال تھے اور بڑھاپا بھی زوروں پر تھا۔ امیر شہر نے اس کو کہا کہ سمرقند اور بخارا کو ہم نے بہت ہی معرکہ آزمائیوں اور فوجی مہموں کے بعد فتح کئے ہیں۔ اور آپ اس کو صرف خالِ ہندو پر ترکِ شیرازی کو بخش دیتے ہیں اس پر حافظ نے برجستہ جواب دیا۔ ؎ بدیں غلط بخشیہا بایں جا رسیدم ؎

توضیح و تلویح کے درس کے دوران بحث حسن و قبح میں علامہ سعدالدین تفتازانی رحمہ اللہ کی موت کا واقعہ سناتے ہوئے فرمایا:۔

تیمور لنگ کے دربار میں میر سید سند شریف اور علامہ تفتازانی کے درمیان مناظرہ ہوا۔ اس میں اختلاف ہے کہ کس بات اور کونسے مسئلہ پر بحث و مناظرہ تک نوبت پہنچی۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ حسن و قبح کے بارے میں بحث چھڑ گئی کہ آیا یہ دونوں شرعی ہیں یا عقلی۔ اور بعض کے نزدیک ایک وزن اوزان فعل میں سے باعث نزاع تھا۔ اور ایک روایت کے مطابق اختلاف کی شدت نے مناظرہ کی صورت اختیار کی کہ ایک فریق اس بات کا قائل تھا کہ غضب سبب ہے انتقام کا۔ اور دوسرا گروہ اس بات پر مصر رہا کہ انتقام سبب ہے غضب کا۔ بہرحال ان دونوں حضرات کے درمیان مناظرہ طے ہوا۔ دوران بحث میر صاحب نے علامہ کو لاجواب کر دیا۔ علامہ صاحب بھرے دربار میں امیر اور ارکانِ دولت کے سامنے ایک کم عمر معاصر سے ہزیمت کھانے پر از حد شرمندہ ہوئے۔ جس سے آپ کی صحت بُری طرح متاثر ہوئی۔ یہاں تک کہ اس واقعے کے چالیس دن آپ انتقال فرما گئے۔ سید صاحب نے آپ کا مصرعہ تاریخ یوں نکالا ہے:۔

عقل را پرسیدم از تاریخ سال رحلتش

گفت تاریخش یکے کم طیب اللہ ثراہ

فرمایا۔ کہ حافظ شیرازی جب فوت ہوئے تو اس کے جنازہ میں علماء نے لیت و لعل اور پس و پیش سے کام لیا۔ علماء اس کے جنازہ سے اس لئے گریزاں رہے کیونکہ اس کا دیوان رندانہ مضامین پر مشتمل ہے۔ کہیں عارض و رخسار کی باتیں ہیں تو کہیں زلف سیاہ و جعدِ سنبل کے تذکرے۔ مے و مینا کی مدح سرائی ہے۔ تو کہیں پیرِ مغاں کے کرشمے۔ خالِ ہندو بلائے جان ہے تو دوسری طرف ترک شیرازی سے دست و گریباں۔ اسی حیص بیص میں جنازہ پڑا رہا۔ غیب سے آواز آئی ؎

قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ
اگرچہ غرقِ گناہست میرود بہ بہشت

ایک محفل میں فرمایا کہ حافظ شیراز سے شیعہ حضرات اس وجہ سے ناراض ہیں کہ ان کے نزدیک دیوانِ حافظ کا آغاز یزید کے اس مصرع پر کیا گیا ہے۔

الا یا ایہا السّاقی ادِر کأساً وناولہا[1]

---

[1] یزید کا شعر یوں ہے ؎ انا المسموم ما عندی بتریاقٍ ولا راقی
ادِر کأساً وناولہا الا یا ایہا السّاقی

خواجہ صاحب نے اس کے دوسرے مصرع میں ذرا سا تغیر کر کے اس سے اپنا دیوان شروع کیا ہے اس بارے میں اہل شیراز ی لکھتے ہیں ؎

خواجہ حافظ را شبے دیدم بخواب — گفتم اے در فضل و دانش بیمثال
از چہ بستی بر خود ایں شعرِ یزید — باوجود ایں ہمہ فضل و کمال
گفت واقف نیستی زیں مسئلہ — مالِ کافر ہست بر مومن حلال

لیکن کاہتی نیشاپوری کہتا ہے کہ اگرچہ مالِ کافر مومن پر حلال ہے لیکن ایک شیر کے لئے یہ مناسب نہیں کہ کتے کے منہ سے لقمہ چھین لے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

بیضاوی شریف میں مسئلہ تقدیر پر بحث کے دوران فرمایا کہ حافظ کا یہ شعر کتنا دلکش ہے ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم
ز خاکِ مکّہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

ایک موقعہ پر اس آیت والبلد الطیّب یخرج نباتہ باذنِ ربہ والذی خبُث لا یخرج الا نکدا کی مناسبت سے یہ شعر پڑھا ؎

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم و خس

توحید باری تعالیٰ پر جب یہ عظیم متکلم تقریر فرماتا تو ایسا معلوم ہوتا گویا علم و فن کا دریائے ناپید اکنار اور بحرِ مواج جس کی تہہ میں اسرار و رموز کے عقیق و جواہر اور درہائے بے بہا مخزون ہوں۔ اس موضوع پر سعدی شیرازی کا یہ شعر مزے لے کر ایمانی حرارت و حدت میں تیزی فرماتے۔

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

علامہ اقبال مرحوم کے اس شعر کے ساتھ تو حضرت کا عشق تھا۔ محراب و منبر مسندِ تدریس اور تحریر و تقریر میں اسی شعر سے آپ کی رنگینئ بیان و شوخئ تحریر دو آتشہ ہو جاتی ؎

عجب در حیرتم از خواجہ حافظ — بنوعے کش خرد زاں عاجز آید
چہ حکمت دید در شعرِ یزید او — کہ در دیوان نخست از وے سراید
اگرچہ مالِ کافر بر مسلمان — حلال ست و درو نوعے نشاید
ولے از شیر عیبے بس بزرگست — کہ لقمہ از دہانِ سگ رباید
(فانی)

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

اس بارے میں ایک دلچسپ اور عبرت انگیز لطیفہ سنئے۔ بندہ کو زمانۂ طالب علمی ہی سے شعر و شاعری کے ساتھ قابلِ مذمت حد تک شغف ہے۔ کوئی شعر خواہ جس کسی کا بھی ہو۔ نظر نواز ہوا۔ اسی وقت حفظ کیا اور اپنے پاس نوٹ بک میں محفوظ کیا۔ میرے پاس ایک رجسٹر تھا اس میں جلالین شریف کے درس کے اشارات قلمبند کیا کرتا۔ اس میں ایک صفحہ میں نے اشعار سے بھر دیا تھا۔ اکثر اشعار اردو اور فارسی کے تھے۔ ضرورت کے وقت میں نے رجسٹر کھولا۔ اچانک اسی اشعار والے صفحے پر نظر اٹک گئی۔ یہ دیکھ کر دل میں نہایت خفت محسوس کی کہ ان اشعار کے نیچے حضرت نے خود اپنے قلم سے یہ دو شعر تحریر فرمائے تھے۔ ؎

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ۔۔۔ اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست
ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب ۔۔۔ ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

اس اچھوتے اندازِ نصیحت اور نرالے طرزِ موعظت پر دل عش عش کر اٹھا۔ جلالت ذات قدسی پر کبھی کبھی یہ شعر وردِ زبان ہوتا۔ درسِ بیضاوی میں کئی دفعہ بندہ نے حضرت سے یہ شعر سنا ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

مثنوی مولانائے روم کے اکثر اشعار ان کو ازبر تھے۔ چنانچہ ایک مجلس میں اَلَا بِذِکْرِ اللہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوب پر مثنوی کے یہ اشعار اپنے مخصوص پر سوز لے میں سنائے ؎

دید مجنوں را یکے صحرا نورد ۔۔۔ در بیابانِ غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود و انگشتاں قلم ۔۔۔ مے نویسد بہر کس نامہ رقم

گفت اے مجنون شیدا کیست ایں ۔۔۔ مے نویسی بہر نامہ چیست ایں
گفت مشق نام لیلےٰ مے کنم ۔۔۔ خاطر خود را تسلّی مے دہم

درسِ بیضاوی میں ایک روز فرمایا کہ با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار۔ اس پر مثنوی شریف کا واقعہ موسیٰ و شبان سنایا۔ جب ان اشعار پر پہنچے ؎

تو برائے وصل کردن آمدی ۔۔۔ نے برائے فصل کردن آمدی
موسیا احوال داناں دیگر اند ۔۔۔ سوختہ جان و پریشاں دیگر اند
ما بروں را ننگریم و قال را ۔۔۔ ما دروں را بنگریم و حال را

تو اس وقت حضرت پر عجیب کیفیت طاری تھی۔

۱۹۶۹ء میں جب آپ کی حج بیت اللہ کی منظوری آئی تو آپ کی خوشی اور فرطِ مسرت قابلِ دید تھی۔ اس سے پہلے مسلسل کئی سالوں تک درخواستیں دیتے رہے۔ لیکن یہ سعادت عظمیٰ اسی سال حضرت مرحوم کے لئے لوحِ تقدیر پر مرقوم تھی۔ روانگی سے قبل حج بیت اللہ شریف کے موضوع پر ایک پرکیف، رقت انگیز، روح پرور اور عاشقانہ خطاب فرمایا۔ میں اس وقت سنِ بلوغ کو نہیں پہنچا تھا۔ لیکن پھر بھی اس کی حلاوت دل و دماغ میں جاری و ساری اور اس کے شوق آور و سرور آگین لہروں سے مشامِ جان تا ہنوز معطر و عنبر ہے۔ حال و قال کے اس عجیب سنگم کے موقع پر آپ نے جو اشعار سنائے۔ آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا۔ قطرہائے اشک داڑھی مبارک پر سے ہوتے ہوئے دامن تر کر رہے تھے۔ ہر شخص کی آنکھ نم آلود تھی ؎

پائے سگ بوسید مجنوں خلق گفتش ایں چہ بود
گفت ایں در کوئے لیلیٰ گاہے گاہے رفتہ بود

امر علی الدیار دیارِ لیلےٰ ۔۔۔ اقبل ذا الجدار و ذا الجدارا
وما حب الدیار شغفن[1] قلبی ۔۔۔ ولکن حب من سکن الدیارا

ومن مذہبی حب الدیار واہلہا　　وللناس فیما یعشقون مذاہب

مسلم شریف میں باب ان الامانۃ نزلت فی جذر قلوب الرجال پر درس کے دوران اس آیت کریمہ انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان الایۃ کے ذیل میں یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

آسماں بار امانت نتوانست کشود　　قرعۂ فال بنام من دیوانہ زند

کبھی کبھی خاقانی کے ان اشعار سے لطف اندوز ہوتے تھے ؎

صنارۂ قلندر سزاوار بمن نمائی　　کہ دراز دور بینم رہ و رسم پارسائی

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

بزمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد　　کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند　　کہ بروں در چہ کردی چوں درون خانہ آئی

بقمار خانہ رفتم ہمہ پاک باز دیدم　　چوں بصومعہ برفتم ہمہ یافتم ریائی

رومی کے ان اشعار سے گاہ بگاہ محفوظ ہوا کرتے تھے ؎

بشنو از نے چوں حکایت میکند　　وز جدائیہا شکایت میکند

سینہ خواہم شرح شرح از فراق　　تا بگویم شرح دردِ اشتیاق

شاد باش اے نخوت و ناموس ما　　اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما　　اے طبیب جملہ علتہائے ما

میری عمر جب سات یا آٹھ سال تھی۔ مجھ کو پنج کتاب پڑھایا کرتے تھے۔ مناجات شیخ فریدالدین عطار کے اشعار خود بھی آپ کو یاد تھے۔ اور مجھے ان کے حفظ کی تلقین فرمائی اپنے اپنے مخصوص انداز میں یہ مناجات ورد کیا کرتے تھے ؎

پادشاہا جرم ما را در گذار　　ما گنہگاریم و تو آمرزگار

تو نکوکاری و ما بد کردہ ایم　　جرم بے اندازہ بے حد کردہ ایم

بے گنہ نگذشت بر ما ساعتے　　با حضورِ دل نکردم طاعتے

بر در آمد بندۂ بگریختہ　　آبروئے خود ز عصیاں ریختہ

چشم دارم کز بدن جانم بری　　از جہاں با نورِ ایمانم بری

عرفانِ حافظ (مصنفہ حکیم الامت حضرت تھانوی۔ دیوانِ حافظ کی غزلوں کی بہترین عارفانہ تشریح) کا ایک نسخہ بندہ کے ہاتھ آیا۔ حضرت مرحوم بستر علالت پر محو استراحت تھے۔ میں نے وہ نسخہ ان کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ کیونکہ ان کا حافظ کے ساتھ لگاؤ کا مجھے علم تھا۔ ایک روز اس کے مطالعہ میں مصروف تھے۔ متبسمانہ انداز میں فرمایا۔ حافظ نے کیا خوب کہا ہے ؎

گناہ گرچہ نہ بود اختیار ما حافظ

تو در طریق ادب کوش و گو کہ گناہ من است

مرزا مظہر جاناں کا یہ شعر مسلم شریف میں مسئلہ علم غیب پر بحث کے تحت سنایا۔ اور ساتھ ہی ان کی نفاست طبع اور شہادت کا واقعہ بھی بیان فرمایا ؎

سر جدا کرد از تنم یارے کہ با ما یار بود

قصہ کوتاہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود

امیر خسرو کے یہ اشعار آپ کو بہت پسند تھے ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام　　بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی　　تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

فرمایا کہ امیر خسرو نے جب یہ شعر لکھا تو علماء نے آپ پر کفر کا فتویٰ دیا ؎

کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست　　ہر رگے من تار گشتہ حاجت زنار نیست

اس کے ساتھ اس غزل کے اور بھی ابیات بیان فرماتے ؎

از سرِ بالین من برخیز اے ناداں طبیب　　دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

ناخدا در کشتیٔ ما گر نباشد گو مباش　　ما خدا داریم ما را ناخدا در کار نیست

خلق میگوید کہ خسرو بت پرستی میکند   آرے آرے میکنم با خلقِ عالم کار نیست

زیب النساء کے اکثر اشعار ان کو یاد تھے اور درس و تقریر میں موقعہ و محل کی مناسبت سے بیان فرماتے۔ ختم قرآن کے سلسلہ میں تقریر فرماتے ہوئے یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

اس غزل کا مطلع بھی سنایا کرتے ؎

بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا
بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا

فرمایا کہ زیب النساء نے کیا خوب کہا ہے ؎

یار اگر بے مہر باشد یار ہرگز یار نیست   گل اگر خوشبو ندارد لائقِ گلزار نیست
لذت درد محبت را نہ بے دردان مپرس   قدر زحمت را نداند ہر کہ او بیمار نیست

؎

کارِ معشوقاں نمک بر زخم پنہاں ریختن   کارِ عاشق خونِ خود بر پائے جاناں ریختن

مسلم الثبوت میں اس شعر کو دلنشیں پیرائے میں ذکر فرمایا ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

اس بیت کے ساتھ بھی ایک لطیفہ وابستہ ہے۔ میں پانچویں جماعت کا طالب علم تھا انسپکٹر صاحب سکول کے معائنہ کے لئے آنے والے تھے۔ طلبہ ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنے اپنے کلاس روم کے آرائش و زیبائش میں حصہ لے رہے تھے۔ رنگ برنگے چارٹ اور اشعار خوبصورت اور خوشخط دیواروں پر چسپاں کئے گئے تھے۔ میں نے بھی ایک بڑے سائز والے کاغذ کے حواشی پر گل کاری کی۔ اور شعر کے انتخاب میں مضطرب رہا۔

یہ شعر کئی بار حضرت والد صاحب سے سنا تھا اس وجہ سے حافظہ میں محفوظ تھا۔ باوجودیکہ اس کے لفظی مفہوم سے نابلد اور ناآشنا۔ اس شعر کو جلی حروف سے لکھا۔ اتنے میں حضرت گھر تشریف لائے۔ مجھے فرمایا، یہ کیا ہے۔ میں نے کاغذ ان کے سامنے رکھ دیا جب شعر پڑھا تو تبسم فرمایا۔ کہنے لگے کہ اس کا معنی اور مفہوم سمجھتے ہو، یا ویسے کہیں سے نقل کر کے لکھ دیا۔

یہ ابیات معلوم نہیں کس صاحب دل کے ہیں لیکن حضرت مرحوم ان کو بہت ذوق و شوق سے پڑھتے اور سنتے تھے ؎

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردہ ای
باز بچشم عاشقاں خود را تماشا کردہ ای
پرتو حسنت نگنجد در زمین و آسماں
در حریم سینہ حیرانم کہ چوں جا کردہ ای

مسلم الثبوت کے درس کے دوران حکمت یونان کا تذکرہ چلا، تو فرمایا

چند خوانی حکمت یونانیاں   حکمت ایمانیاں را ہم بخواں

بیضاوی شریف میں تمسکوا بشمول الرزق بقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فی حدیث عمرو بن قرۃ لقد رزقک اللہ طیباً فاخترت ما حرّم اللہ علیک من رزقہ۔ پھر عمرو بن قرہ کے بارے میں فرمایا کہ یہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان اللہ کتب علی الشقوۃ فلا ارانی الرزق الا من دفی بکفی۔ فاذن لی فی الغناء من غیر فاحشۃ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا لقد رزقک اللہ طیباً۔ الحدیث

اس پر اورنگ زیب عالمگیر کا واقعہ سنایا کہ عالمگیر نے اپنی حدود مملکت میں طوائفوں اور مغنیات پر پابندی لگائی تھی۔ طوائفوں نے مشورہ کے بعد اپنا ایک وفد عالمگیر کے پاس بھیجا۔ اور ایک بوڑھی مغنیہ کو اپنا نمائندہ منتخب کر لیا۔ نمائندہ وفد نے بات چیت

کا آغاز حافظ شیراز رحمہ اللہ کے اس شعر سے کیا ؎

درکوئے نیک نامی مارا گذر ندادند
گر تو نمی پسندی تبدیل کن قضا را

اسی طرح اللہ یستہزئ بہم کے ذیل میں یہ شعر پڑھا ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات
با دردکشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد

بیضاوی شریف میں اَلَا اِنَّہُم ہُمُ السُّفَہَاءُ وَلٰکِن لَا یَعلَمُون۔ ردّ ومبالغۃ فی تجہیلہم فان الجاہل بجہلہ الجازم علی خلاف ما ہو الواقع اعظم ضلالۃ و اتم جہالۃ من المتوقف المعترف بجہلہ کے مفہوم پر یہ اشعار منطبق فرمایا کرتے تھے ؎

آں کس کہ نداند و بداند کہ نداند
او نیز خیر خویش بمنزل برساند
آں کس کہ نداند و بداند کہ نداند
در جہل مرکب ابد آباد بماند

واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس پر دورانِ درس یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

گویند جاہلاں کہ نہ کردی تو سجدۂ
آں بود ہر چہ بود ولکن بہانہ بود

بیضاوی شریف میں ایک دن تصوفانہ اصطلاحات قبض وبسط پر بحث چھڑ گئی تو فرمایا کہ قبض کی حالت میں سالک یہ اشعار پڑھے ؎

باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش — بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش
تکیہ بر تقوی و دانش در طریقت کافری ست — راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

توکل کے مضمون پر تقریر کے دوران مثنوی مولانائے روم کا یہ شعر بمع واقعہ کے سنایا۔

گفت پیغمبر بآوازِ بلند — بر توکل پائے اشتر را ببند

الدنیا خلقت لکم وانتم خلقتم للآخرۃ اس حدیث پر سعدی شیرازی کے یہ اشعار فرمایا کرتے تھے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

فرمایا: ام خلقوا من غیر شیءٍ ام ہم الخالقون۔ جن لوگوں پر شقاوت غالب ہو۔ وہ کل نقاش ہیں ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

جبر وقدر میں اہل سنّت والجماعت نے درمیانی راہ اختیار کی ہے ؎

درکفے جام شریعت درکفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن

مسئلہ علم غیب پر شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے یہ اشعار سنائے ؎

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند — کہ اے روشن گہر پیر خرد مند
ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی — چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی
بگفت احوال ما برق جہاں است — دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم — گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

مسلم شریف میں آدم ومن دونہ تحت لوائی پر حضرت محدث العصر امام انور شاہ کشمیری کا یہ شعر سنایا ؎

آدم بصف محشر و ذریت آدم — در زیر لوا رت کہ شبیری و خبیری

وحی شرعی کے ذیل میں رؤیا کی حقیقت پر اطباء و متکلمین اور فلاسفہ کی آراء کے ذکر کے بعد فرمایا ؎

نہ شبنم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

باب الاسراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی السموات وفرض الصلوٰۃ میں فرمایا۔ کہ شعراء نے معراج پر عجیب و غریب مضامین بیان کئے ہیں۔ سعدی شیرازی کے اشعار پر مخمس لکھا گیا ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں ؎

چوں فتادہ غلغلہ بر سما   کہ قریب آمد مصطفٰی
خضر و مسیح برہنہ پا   بدوید پیش کہ مرحبا
بلغ العلیٰ بکمالہٖ
چوں رسیدہ بر فلک بریں   ہمہ شادمان و طرب گزیں
لب جبرئیل بذکر ایں   کہ جناب سید مرسلین
کشف الدجیٰ بجمالہٖ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام تسلیم کے بارے میں خواجہ احمد جام کے اس شعر کا تذکرہ فرمایا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

حدیث معراج میں اس روایت ثم جاء بطست من ذھب ممتلئ حکمۃً وایماناً فافرغھا فی صدری۔ پر یہ شعر ارشاد ہوا ؎

ز شرح سینہ اش جامی الم نشرح لک برخواند
ز معراجش چہ مے پرسید کہ سبحان الذی اسریٰ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند ہمتی پر فرمایا ؎

از علو ہمنشیں گردونِ گرداں ریختن
آنکہ از بوئے بہارش بروئے امکاں ریختن

فرمایا: مردان با خدا صدیوں بعد پیدا ہوا کرتے ہیں ؎

سالہا باید کہ تا یک مرد حق پیدا شود   بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

فرمایا۔ کہ ہر شخص کا اپنا مذاق اور علیحدہ ذوق ہوتا ہے لیکن علمی مشغلہ اور علمی نکتہ آفرینیاں ہی اہل کا ایسا محبوب ترین شغل ہے کہ اس کی لذت اندوزیوں سے صرف علماء حضرات واقف ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک علمی نکتہ میں الجھن محسوس ہوئی مسلسل کئی روز تک اس کے انحلال کی فکر میں ڈوبا رہا۔ بہت غور و خوض تصفح اور ورق گردانی کے بعد مسئلہ سمجھ میں آیا۔ مجھے اتنی خوشی حاصل ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ اگر کوئی مجھے ہفت اقلیم کی شہنشاہی بخشتا تو بھی اس پر اتنی خوشی محسوس نہ کرتا۔ چنانچہ فرمایا الشیخ عبدالقادر جیلانی کو شاہ ملک سنجر نے یہ پیش کش کی۔ کہ صوبہ نیمروز کے تمام محلات اور آمدنی میں آپ کے لنگر کے لئے منتقل کرتا ہوں۔ کیونکہ اتنے کثیر تعداد میں زائرین و عقیدت مندوں کے لئے اپنی جیب خاص سے انتظام کرنا آپ پر بوجھ ہوگا۔ اس پر آپ نے ملک سنجر کو یہ قطعہ لکھا ؎

چوں چترِ سنجری رخ بختم سیاہ باد   در دل اگر بود ہوس ملکِ سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب   من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

فرمایا۔ کہ آج کل مادہ پرستی عام ہے۔ رجوع و انابت الی اللہ مفقود ہے اور پھر بھی ہم لوگ اللہ سے جنت اور حسنِ عاقبت کے متمنی ہیں ؎

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
زیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

فرمایا: رحمتِ حق بہا نہ جوید   رحمتِ حق بہانہ جوید

تصوف کی اصطلاحات صحو و سکر اور شطح پر بحث کے دوران منصور کا واقعہ فرمایا.
اور ساتھ ہی حافظ شیرازی رحمۃ اللہ کا یہ شعر سنایا ؎

عمریست کہ آں قصۂ منصور کہن شد　　ما از سرِ نو تازہ کنیم دار و رسن را

علاوہ ازیں جو اشعار مختلف مواقع میں ارشاد فرمائے وہ یہ ہیں ۔

؎ ہر گنہ زنگے ست بر مرآتِ دل　　دل شود زیں زنگہا خوار و خجل
؎ چوں قضا آید طبیب ابلہ شود　　آں دوا در نفع خود گمرہ شود
؎ یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست　　کتب خانۂ چند ملت بشست
؎ گاہ باشد کہ کودکے ناداں　　از خطا بر ہدف زند تیرے
؎ از بروں چوں گورِ کافر پر حلل　　وز دروں قہرِ خدائے عز و جل
؎ گر محشر خطاب قہر کند　　انبیاء را چہ جائے معذرت است
پردہ از روئے لطف گو بر دار　　کاشقیا را امید مغفرت است
؎ چیست دنیا از خدا غافل بدن　　نے قماش نقرہ و فرزند و زن
؎ اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند　　روز و شب در لق لق و در زق زق اند
؎ گر مصور صورتِ آں دلستاں خواہد کشید
لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید
؎ کاش گر بودے من از جنسِ طیور　　بے خبر بودے ز اخبارِ دہور
؎ اگر مکتوب لوح اندر قضائے کلک خواہد شد
بوصلِ یار گر دانم ہمہ خوبانِ عالم را
؎ گر بگذرم بخاطرِ پاکِ تو باک نیست　　خاشاک نیز بر سرِ دریا گذر کند
؎ آب و باد و خاک و آتش بندہ اند　　با من و تو مردہ با حق زندہ اند
؎ تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را　　گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

؎ آسائشِ دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است　　با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا
؎ تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل　　کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ مے آرد سکندر را
؎ کار زلفِ تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند
؎ ایں سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ
؎ بلب رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم　　پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد
؎ حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
؎ ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں　　ایں خیال است و محال است و جنوں
؎ طارق چوں بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت　　گفتند کارِ تو بنگاہِ خرد خطا است
دوریم از سوادِ وطن باز چوں رسیم　　ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا رواست
خندید و دستِ خویش بہ شمشیر برد و گفت　　ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدا است
؎ حالِ دنیا را بپرسیدم من از فرزانۂ　　گفت یا خوابیست یا خیالیست یا افسانۂ
باز گفتم حال آں کس را کہ دل در وے ببست　　گفت یا دیویست یا غولیست یا دیوانۂ
؎ چو مے بینم کہ نابینا و چاہ ست　　اگر خاموش بنشینم گناہ است
؎ گر بہ ابر و سنگ و زیر و موفقش دیواں کنند　　ایں چنیں ارکانِ دولت ملک را ویراں کنند
؎ اگر گویم مسلمانم بلرزم　　کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را
؎ گر تو میخواہی مسلماں زیستن　　نیست ممکن جز بقرآں زیستن
؎ عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
؎ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

مسلم شریف میں ایمان پر بحث کے دوران فرمایا. کہ
ایک تصدیق منطقی ہے اور ایک تصدیق شرعی. ان دونوں میں فرق ہے. اس پر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کا واقعہ سنایا۔ کہ باوجودیکہ ان کو تصدیق منطقی حاصل تھی۔ لیکن پھر بھی مومن نہیں اور پھر ان کے یہ اشعار بیان فرمائے ؎

وعرفت دینا لا محالۃ انہ   من خیر ادیان البریۃ دینا

لولا الملامۃ او حذاری مسبۃ   لوجدتنی سمحاً بذالک مبینا

ودعوتنی وزعمت انک ناصح   ولقد صدقت وکنت قبل امینا

فاصدع بامرک ما علیک غضاضۃ   وابشر وقر بذاک منک عیونا

واللہ من یصلوا الیک بجمعھم   حتی اوسد فی التراب دفینا

شرف الدین بوصیری رحمہ اللہ قصیدہ بردہ کے بہت مداح تھے۔ بعض طلبہ کے اصرار پر بنوں نے قصیدہ بردہ پڑھانا شروع کیا۔ جب حضرت کو معلوم ہوا تو فرمایا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں اس کو پڑھاؤں۔ جب تو نے شروع کیا تو اچھا ہوا۔ اس کے تقریباً تمام اشعار آپ کو حفظ تھے۔ مگر یہ اشعار اکثر ورد زبان رہتے ؎

یا رب صلّ وسلم دائماً ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلھم

ھو الحبیب الذی ترجی شفاعتہ   لکل ھول من الاھوال مقتحم

ابان مولدہ عن طیب عنصرہ   یا طیب مبتداء منہ ومختتم

منزہ عن شریک فی محاسنہ   فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

نفس الفداء لقبر انت ساکنہ   فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

انت الشفیع الذی ترجی شفاعتہ   عند الصراط اذا ما ذلت القدم

توحید باری تعالیٰ پر یہ اشعار گاہ گاہ فرماتے ؎

ففی کل شیء لہ اٰیۃ   تدل علی انہ واحدٌ

الا کل شیء ما خلا اللہ باطل   وکل نعیم لا محالۃ زائل

حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کا قصیدہ مدحیہ آپ کا پسندیدہ قصیدہ تھا ؎

واحسن منک لم ترقط عینی   واجمل منک لم تلد النساءُ

خلقت مبرءً من کل عیب   کانک قد خلقت کما تشاءُ

فان ابی ووالدتی وعرضی   لعرض محمد منکم وقاءُ

ابوطالب کے قصیدہ لامیہ کے بہت سے اشعار آپ اکثر سنایا کرتے۔ خصوصاً یہ شعر ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ   ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

فرمایا: کل ما فی الکون وھمٌ او خیال   او مرایا او عکوس او ظلال

بدا الاسلام غریبا وسیعود غریبا میں غریب کا معنی سمجھاتے ہوئے فرمایا ؎

لیس الغریب غریب الشام والیمن   بل الغریب غریب القبر والکفن

بیضاوی شریف میں زید بن عمرو بن نفیل کے یہ اشعار درس و تقریر میں سناتے ؎

اربا واحداً ام الف رب   ادین اذا تقسمت الامور

ترکت اللات والعزیٰ جمیعًا   کذالک یفعل الرجل البصیر

ایک مجلس میں فرمایا ؎

ماذا علی من شمّ تربۃ احمد   ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

آپ کے مختلف مکاتیب سے یہ اشعار دستیاب ہوئے ؎

ہ لنا شمس وللآفاق شمس   وشمسی خیر من شمس السماء

ہ فان الشمس تطلع بعد فجر   وشمسی تطلع بعد العشاء

ہ ما ان مدحت محمداً بمقالتی   لکن مدحت مقالتی بمحمد

ہ تعصی الالہ وانت تظھر حبہ   وھذا لعمری فی الزمان بدیع

لو کان حبک صادقا لاطعتہ   ان المحب لمن یحب مطیع

ع ستأتیک بالاخبار ما لم تزوّدی

یہ تو صرف وہ اشعار ہیں جو میں نے ان سے مختلف اوقات درس و تقریر یا کسی محفل

میں نے ہیں اور جو میرے حافظہ میں محفوظ تھے۔ ان کو نقل کر دیا۔ ورنہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے ابیات واشعار ان کو یاد تھے۔ بلکہ پورے پورے قصائد و مراثی لیکن ان پر بر وقت توجہ دینے پر احساس محرومی پر نادم ہوں۔

عربی کی طرح اردو کے بھی بہت اشعار موقعہ و مناسبت سے ستایا کرتے لیکن ان کا خاص میل فارسی اور عربی کی طرف تھا۔ اس لئے اردو کے مقابلہ میں زیادہ تر فارسی کے اشعار فرماتے۔ جس کی ایک جھلک آپ نے ملاحظہ فرمائی۔

مسلم شریف میں اعجاز قرآن پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن پاک میں قرآن پر روح کا اطلاق کیا گیا ہے۔ وکذالک اوحینا الیک روحًا من امرنا۔ جو لوگ راہِ ہدایت سے بھٹکے ہوئے تھے۔ وہ مردے تھے۔ قرآن نے ان میں روح پھونک دی ان کو زندہ کیا اور وہ ایسے زندہ ہو گئے کہ اوروں کی مسیحائی کر کے ہدایت و راہنمائی حق کے قندیل اور روشن مینارہ بن گئے۔

اکبر الہ آبادی مرحوم جس کو لسان العصر کہا کرتے تھے، نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

در فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا   دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے   کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

علامہ اقبال مرحوم کا یہ شعر حق و باطل کے ازلی تقابل پر منطبق کیا کرتے تھے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز   چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

فرمایا مسلمانوں نے قرآن و سنت پر عمل ترک کیا تو باوجود کثرتِ سواد کے تمام دنیا میں ذلیل ہیں ؎

اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہے خستہ حال   پوچھے ذرا کوئی کہ مسلمان ہے کہاں

فرمایا۔ کہ واجد علی شاہ ہندوستان میں ایک ریاست کے نواب تھے۔ نہایت ہی عیش کوش۔ اور شراب و شباب کا رسیا۔ اس کے دربار میں ہر وقت نغمہ و سرود کی دھوم

رہتی۔ ایک شاعر اس کے پاس گیا اور اس سے پوچھا۔ کیسا حال ہے؟ اس نے جواب دیا ؎

دن دلآرام سے گذرتا ہے   شب لب و جام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے   اب تو آرام سے گذرتی ہے

جب انگریزوں نے اس سے سلطنت چھین لی تو یہ شاعر اس کے پاس گیا اور اس کو کہا ؎

صبح پر نام سے گذرتی ہے   مرد پر کام سے گذرتی ہے
سلطنت ہند کو تو کھو بیٹھے   خاک آرام سے گذرتی ہے

اصلاحی تبلیغی اور انقلابی موضوعات پر علامہ اقبال کے یہ اشعار فرمایا کرتے۔

؎ کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں   یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
؎ تجھ کو بتا دوں تقدیر امم کیا ہے   شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر
؎ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے   نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

حضرت اقدس سرہٗ کی مادری زبان پشتو تھی۔ اس مناسبت سے بوقت ضرورت پشتو کے اشعار بھی سنایا کرتے۔ عارف سرحد عبدالرحمان باباؒ اور حافظ البپوریؒ ان دو حضرات جیسے متقدمین شعراء کے مداح اور ان کی اصلاحات و اصطلاحات کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مسلم شریف میں فطوبیٰ للغرباء کے ضمن میں فرمایا۔ کہ بعض حضرات طوبیٰ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ درخت ہے جو کہ جنت میں ہے اور اس کو طوبیٰ کہتے ہیں۔

عبدالرحمان باباؒ فرماتے ہیں۔ ؎

دطوبیٰ دونے سورے مے خوښ نه دے
ستا دمخ په لمبو سوے کباب خوښ یم

ترجمہ۔ شجر طوبیٰ کا سایہ مجھے پسند نہیں۔ آپ کے رخسار کے شعلوں سے کباب ہو جانے

پر میں راضی ہوں۔

مستقر شمس پر تحقیق کے دوران رحمان بابا کا یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

داچہ هرہ ورځ خیژی نوے نمر دے

هرچہ پریوځی بیا شی هغه نه راخیژی بیا

ترجمہ۔ ہر روز جو یہ سورج نکلتا ہے یہ علیحدہ اور نیا سورج ہے جو غروب ہو جائے وہ پھر طلوع نہیں ہوتا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں ارشاد فرمایا ؎

که دانه ئے د غنم خوړلے نه وے

د جنته به وته آدم په څه

اگر آدم علیہ السلام گندم کا دانہ نہ کھاتے تو وہ جنت سے کیسے نکالے جاتے۔

مسئلہ تقدیر پہ عارف سرحد کا یہ شعر سنایا ؎

په ازل کښې چه د برخو جوړی وه

اے رحمانه چا بائیلے چا گټلے

جب ازل میں قسمت کی قمار بازی تھی تو کوئی ہارا اور کوئی جیتا

منصور کے بارے میں فرمایا ؎

اورنگ زیب او شاهجهان غوندې اشراف

صدقه شه د منصور غوندې نداف

اورنگ زیب اور شاہجہان جیسے اشراف و رؤسا منصور حلاج پر صدقہ ہوں۔

سعدی شیرازی کے اس شعر "خر عیسیٰ اگر بمکہ رود چوں بیاید ہنوز خر باشد"

پر عارف سرحد کا یہ شعر سنایا ؎

د کعبے په بزرګئ کښې هیڅ شک نشته ولے خر به حاجی نشی په طواف

کعبہ کی بزرگی میں کوئی شک و شبہ نہیں لیکن گدھا خانہ کعبہ کے طواف پر حاجی نہیں بن سکتا۔

فرمایا۔ عبدالرحمان بابا نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

عمنعم چه دلجوئی د قلندر کړی هغه نه دے قلندر قلندر دادے

دا هنر نه دے چه خاورې څوک سره زر کړی

چه زر خاورې کړی رحمانه هنر دا دے

یعنی جو انعام کرنے والا محسن کسی قلندر کی دلجوئی کرے تو درحقیقت یہ منعم و محسن ہی قلندر ہے۔ اگر کوئی شخص مٹی کو اپنی کرامت، سے سونا بنا دے تو یہ کوئی ہنر کی بات نہیں۔ ہنر تو اس کو کہتے ہیں کہ سونے کو مٹی بنا دے۔

پشتو اشعار کا حصہ بھی کافی ہے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بطور نمونہ چند اشعار پر اکتفا کرتا ہوں۔

آہ!

رنگ و آب زندگی سے گل بدامن ہے زمین

سینکڑوں خوں گشتہ تہذیبوں کا مدفن ہے زمین

بادشاہوں کے بھی کشت عمر کا حاصل ہے گور

جادۂ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گور

اللھم اغفر لہ وارحمہ رحمۃ واسعۃ کاملۃ واکرم نزلتہ واسبغ علیہ شآبیب رحمتک ورضوانک وادخلہ فی اعلیٰ درجۃ الجنۃ۔ وصلی اللہ علیٰ سیدنا ومولانا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

مولانا اصلاح الدین حقانی
مدرس دارالعلوم الاسلامیہ لکی مروت

بوئے گل

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحلیم رحمۃ اللہ علیہ سے اگرچہ باقاعدہ تلمذ کا شرف راقم کو حاصل نہ ہوسکا۔ لیکن راقم ان کے فیض سے سراسر محروم بھی نہیں رہا۔ چنانچہ کئی بار آپ کے گلشن درس کی بہاروں سے متمتع ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ کے درس کی وہ مخصوص لذت و چاشنی جو بابہ الفاظ کا تحمل نہیں کرسکتی آج ناپید ہے۔ مگر آج بھی ان گلہائے عرفان و تحقیق کی خوشبو احساس کو معطر اور فضائے چمن کو مہکائے ہوئے ہے۔

ذیل میں آپ کے درس کے دوران لکھے گئے تقاریر میں سے بعض قیمتی ارشادات پیش کئے جارہے ہیں۔ جو ایک طرف آپ کی بالغ نظری، وسعتِ مطالعہ اور دقیقہ سنجی پر دلالت کرتے ہیں۔ دوسری طرف قاری کے لئے اس میں دلچسپی کا کافی سامان موجود ہے۔

(اصلاح الدین حقانی غفرلہ)

۔ علم کی فضیلت کے بارے میں فرمایا۔

سورت النمل میں حضرت داؤدؑ حضرت سلیمانؑ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت صالحؑ اور حضرت لوطؑ جیسے جلیل القدر انبیاء اور ملکہ سبا جیسی صاف دل خاتون کا ذکر موجود ہے۔

لیکن سورت کا نام چیونٹی پر "سورت النمل" رکھا گیا ہے حالاں کہ پیغمبر یا ملکہ سبا کی طرف بھی نسبت ممکن تھی۔

فرمایا۔ اس کی توجیہہ کے لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ دراصل علم کی قدرشناسی پر مبنی ہے اور اس علمی نکتہ کی وجہ سے حاصل شدہ فضیلت کا نتیجہ ہے جس کے اظہار و بیان کے طفیل چیونٹی کی تکوینی حقارت پہ پردہ پڑگیا۔ تفصیل یہ ہے۔

یَا اَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۔	اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں جا گھسو۔ کہیں سلیمانؑ اور ان کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔

آخری جملہ کہہ کر چیونٹی نے اس نکتہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ انبیاء علیہم السلام محفوظ ہوتے ہیں۔ وہ قصداً کسی غیر موذی جاندار کو ایذاء دینے سے گریز کرتے ہیں۔ لیکن ان کو چیونٹیوں کی موجودگی کا علم نہیں ہوگا۔ یہ زیادتی بے خبری اور لاعلمی کی حالت میں ان سے سرزد ہو جائے گی۔ عصمتِ انبیاء اور صحابہ کی محفوظیت جیسے نکتہ تک چیونٹی جیسی مخلوق کی رسائی واقعی تعجب خیز امر ہے۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زمانہ میں کتوں کے قتل عام کا حکم دیا تھا اس کی توجیہہ کرتے ہوئے فرمایا۔

مثلاً انگلینڈ میں کتے کو بھی مالک کے مال سے وراثت میں حصہ دیا جاتا تھا۔ ان کے ہاں کتے کی قدر و منزلت بے آسرا انسانوں سے بڑھ کر ہے۔ کتوں کو مکھن، دودھ، گوشت اور نہ جانے کیا کیا کھلایا جاتا ہے۔ اس قسم کی محبت سے دلوں کو پاک کرنے کے لئے حضور نے کتوں کے قتل عام کا حکم دیا تاکہ لوگوں کی خباثت کا احساس اور یقین ہو جائے۔

۳۔ فرمایا۔ آج کل بعض نام نہاد قسم کے مسلمان کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں شراب کی حرمت

تصریح نہیں۔ حالاں کہ قرآن میں حرمت کے لفظ سے بھی زیادہ قبیح نام سے شراب کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اسے "رجس" کہا گیا ہے جس کا اطلاق نجس لعینہ پر ہوتا ہے۔ اور اگرچہ حرام کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ نجس بھی ہو لیکن نجس چیز ضرور حرام ہوا کرتی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے شیطان کا عمل قرار دیا ہے۔ جو تقبیح کی حد ہے۔ پھر صریحی حکم " فاجتنبوہ " کا نازل فرمایا۔ جو کہ شراب کشید کرنے پینے اور اس کی خرید فروخت وغیرہ تمام امور کی ممنوعیت پر دال ہے۔

پھر اتنی مؤکد نہی وارد ہونے کے بعد "فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ" کے کلمہ سے زوردار چیلنج بھی دے دیا۔ اس سے زیادہ مؤکد حرمت اور کیونکر ہو گی ؟ اور یہی سبب تھا کہ صحابہ کرام میں سے شراب کے عادی حضرات نے بھی ان آیات کے نزول کے بعد امتثال امر میں شراب کے برتنوں کا بھی استعمال ترک کر دیا۔

۴۔ فرمایا

حدیث کا مفہوم ہے کہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ ٹھیک ہو گا تو سارا بدن ٹھیک ہو گا اور اگر وہ فاسد ہو جائے تو سارا بدن فاسد ہو جائے گا اور وہ دل ہے۔

یہی حالت امیر مملکت کی ہے اگر وہ فاسق و بے دین ہے تو عوام بھی من حیث القوم فاسق و بے دین ہوں گے۔ اور ملک میں فساد ہی فساد ہو گا اور اگر وہ نیک اور صالح ہے تو رعیت بھی نیک اور صالح ہو گی۔ اور ملک میں امن و امان ہو گا۔

۵۔ مسلم کے "باب صحبۃ المرالیک" (غلاموں سے میل جول) کی تشریح میں فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے ساتھ حسن معاشرت کا سبق دیا۔ ویسے بھی قرن اول کے غلاموں کی حالت آج کل کے غلاموں سے ہزار درجہ بہتر تھی۔ آج کل کمیونسٹوں اور سرمایہ داروں نے بعض ممالک پر قبضہ کر کے ان کے عوام کو غلامی کی زنجیروں میں کس

لیا ہے۔ وہ اپنی محکوم قوموں سے انسانیت کا حق چھین کر ان کو بحیثیت حیوان استعمال کر رہے ہیں۔

۶۔ کتے کے جھوٹے سے برتن کو سات بار دھونے کا حکم ہے اس سلسلے میں فرمایا۔

آج کل ڈاکٹر بھی اس حکمت کو جان گئے ہیں کہ کتے کے جراثیم کے آملہ کا ازالہ برتن کو چھ سات مرتبہ دھونے کے بعد ہوتا ہے۔

کتا انتہائی خبیث الطبع جانور ہے۔ قوم دشمنی اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

حافظ ابن قیمؒ زاد المعاد میں لکھتے ہیں کہ کتا اتنا گندہ جانور ہے کہ اپنے قاذورات (گندگی) تک کھا جاتا ہے۔ اسے اپنی قوم سے اتنی عداوت ہے کہ مرے ہوئے سالم اونٹ پر بھی دوسرے کتے کی شرکت گوارا نہیں کرتا۔

ایک ملحد نے شریعت مطہرہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے۔ کہ کتا اگر کسی برتن کو منہ لگائے تو اسے سات بار پانی سے اور آٹھویں بار مٹی مل کر دھونے کا حکم ہے مگر یہی کتا شکار کرے تو اس شکار کا کھانا جائز ہے۔

جواب میں آپ نے فرمایا کہ یہ فرق دراصل علم کی وجہ سے ہے اور کے مردہ شکار کی حلت علم ہی کی برکت ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں:۔ کہ حضرت آدمؑ کو دیگر مخلوقات پر فضیلت علم کی وجہ سے ہے اور علم ہی کی وجہ سے کلب معلّم (سدھائے ہوئے کتے) کا شکار حلال ہو جاتا ہے ویسے جہاں کتے کا منہ لگے شکار کا وہ حصہ دھونا بھی تو ضروری ہے۔

۷۔ فرمایا۔

لذات کی متعدد قسمیں ہیں مثلاً حسّی وہمی اور عقلی۔

حسّی تو ظاہر ہے۔ جب کہ وہمی لذت کا احساس جواری کرتے وقت ہوتا ہے جس کی

وجہ سے دوسرے خیالات قریب بھی نہیں پھٹکتے۔ یا جیسے مجاہد ایک وہمی لذت کے تحت سرفروشی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ پھر عقلی لذت کو ان دونوں پر فوقیت حاصل ہے۔ اور اس کی مثال وہ لذت ہے جو کہ مطالعہ کرتے وقت فہم مسائل سے عموماً حاصل ہوتی ہے جس طرح شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اشارہ فرمایا ہے چنانچہ منقول ہے کہ:۔

سلطان سنجر کو پتہ چلا کہ شیخ کے لنگر سے روزانہ تین ہزار آدمی کھاتے ہیں تو اس نے شیخ کو لکھا کہ اس نے علاقہ نیم روز کی تمام آمدنی شیخ کے لنگر کے لئے وقف کر دی ہے۔

شیخ نے خط پڑھا تو جواب میں تحریر فرمایا ؎

چوں چتر سنجر رخ بختم سیاہ باد — در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم
آنگاہ کہ خبر یافتم از ملک نیم شب — من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم

فرمایا اسی عقلی لذت کا اثر ہے کہ صحابہؓ اپنے بیٹوں کو کفار کی صفوں میں دیکھتے تو انہیں قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

۸۔ ما رایت من ناقصات العقل والدین کی تشریح میں فرمایا۔

نوشیرواں کو ایک ماہی گیر نے ایک مچھلی ہدیہ میں لا دی۔ اس نے ہزار درہم بطور انعام دئیے ساتھ ہی اس کی بیوی بیٹھی تھی۔ اس نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ ایک مچھلی کی اتنی قیمت دینا اسراف ہے۔ اس لئے اس آدمی کو بلا کر پوچھ لینا چاہئے کہ یہ مچھلی نر ہے یا مادہ اگر کہے کہ نر ہے تو یہ کہہ کر رقم واپس لے لینا کہ نر مچھلی میری طبیعت کے موافق نہیں اور اگر کہے کہ مادہ ہے تو کہہ دینا کہ مادہ مچھلی مجھے راس نہیں آتی۔

بادشاہ نے ماہی گیر کو بلا کر مچھلی کی نوعیت کے بارے میں پوچھا تو ماہی گیر نے جواب دیا۔ کہ یہ خنثیٰ (ہیجڑا) ہے۔ یہ جواب سن کر بادشاہ نے دو ہزار درہم اور دئیے۔ جب ماہی گیر واپس ہونے لگا تو ایک درہم اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ اس نے جھک کر اسے اٹھا

لیا

نوشیرواں کی بیوی جو پہلے سے جلی بھنی تھی نے کہا۔ دیکھو کتنا بخیل شخص ہے کہ ایک درہم گرا وہ بھی نہ چھوڑا۔ ماہی گیر نے مڑ کر جواب دیا۔ کہ درہم کے ایک طرف بادشاہ کا نام اور دوسری طرف اس کی تصویر ہے تو میں کیونکر اسے گرا ہوا چھوڑ سکتا ہوں۔ نوشیرواں نے یہ سن کر ماہی گیر کو ہزار درہم مزید دئے۔ اور منادی کرائی کہ جو شخص عورت کی ایک بات مانے گا وہ تین بار نقصان اٹھائے گا۔

خیرخواہی کی دو قسمیں ہیں، دینی اور دنیاوی۔ پھر دینی خیرخواہی کی تین صورتیں ہیں۔ اپنی تمام رعیت کے بالغ افراد تک احکام خداوندی پہنچانا، اسلام کی اشاعت کرنا، ان کے عقائد کی اصلاح کرنا، اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلانہ سکھانا، شعائر اسلام کی تعظیم کی تعلیم دینا۔ اور یہ دینی خیرخواہی دنیاوی خیرخواہی پر مقدم ہے کیونکہ دنیا کی حیات طیبہ کا دین پر انحصار اور دارومدار ہے بخلاف دنیوی مصالح کے کہ وہ صرف دنیا ہی کے لیے کام آتے ہیں! احکام خداوندی سکھانے کے بعد اس کا دوسرا فریضہ یہ ہے کہ رعیت کو دین پر عمل کرنے پر آمادہ کرے۔ بچے یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے لیے خیر کس چیز میں ہے اور شر کس میں، لیکن والدین ان کو خیر اور شر میں تمیز کراتے رہتے ہیں بچے تعلیم سے منحرف رہتے ہیں کیونکہ ان کو تعلیم کا نتیجہ معلوم نہیں ہے لیکن والدین ان کو تعلیم پر مجبور کرتے ہیں اس طرح عوام میں بھی مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں امیر کا فرض ہے کہ ان کو دینی احکام پر عمل کرنے کی طرف آمادے۔

محتسب کا تقرر امیر کے فرائض میں سے ہے۔ احکام خداوندی کی خلاف ورزی کی صورت میں امیر کا فرض ہے کہ جو تعزیرات اور عقوبات شریعت نے مقرر کی ہیں وہ ان کو نافذ کرے۔ تیسری صورت دین کی خیرخواہی کی ہے ...... الخ

(حضرت مدنی صاحبؒ کی تقریر "ارباب اختیار مسلمانوں کے حقوق و فرائض" سے اقتباس)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک واعظ میں فرمایا ہے کہ مجھ کو توسل کی حقیقت میں کچھ تردد تھا۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے پاس گیا۔ اور ان سے اس بارے میں عرض کیا حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ سائل کون ہے؟ میں نے کہا اشرف علی۔ حضرت گنگوہیؒ نے ازراہ مزاح فرمایا۔ اچھا اشرف علی کو ابھی تک توسل کی حقیقت معلوم نہیں۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جونہی حضرت نے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ دل میں جو خلش تھی وہ بالکل دور ہو گئی۔ حالاں کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے یہ جملہ از راہ مزاح فرمایا تھا۔

ہمارے حضرت مرحوم کو خداوند قدوس نے جیسا بارعب اور پُر جلال چہرہ عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے ہر شخص آپ کے سامنے آنے سے کتراتا اور سوال یا مسئلہ پوچھنے میں جھجک محسوس کرتا۔ لیکن اس کے باوجود گاہے گاہے منشاء سنتِ نبویؐ طالب علموں کے ساتھ تلطف و مزاح فرمایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت نہایت سخت بیمار تھے۔ رات انتہائی بے قراری و بے چینی میں گزاری تھی۔ میں نے دل میں سوچا۔ آج غالباً حضرت سبق نہیں پڑھائیں گے۔ لیکن جب گھنٹی بجی۔ کتاب ہاتھ میں لی۔ اور درسگاہ تشریف لے گئے۔ درد و کرب کے آثار چہرے پر عیاں تھے۔ بیٹھتے ہی طالب علموں سے مزاحاً کچھ فرمایا۔ جس پر تمام محفل کشتِ زارِ زعفران بن گئی۔ حالاں کہ حضرت خود اس شعر کے مظہرِ اتم اور کامل مصداق تھے ؎

مسکراہٹ کی لکیریں جس نے تصویروں کو دیں
اس مصوّر کی جبیں پر ہر شکن مضروب ہے

توضیح و تلویح میں ہمارے ساتھ عبدالعزیز کے نام پر دو ساتھی شریک تھے۔ حضرت نے حاضری لگاتے وقت جب ایک کا نام عبدالعزیز لیا۔ پھر دوسرے مقام پر عبدالعزیز کا نام درج تھا۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ یہ ایک نام کس طرح رجسٹر میں دو جگہ درج کرایا گیا ہے۔ اس پر ایک ساتھی نے کہا کہ یہاں پر دو عبدالعزیز ہیں۔ اس پر حضرت نے تبسم فرمایا

حافظ محمد ابراہیم فانی

حضرت الشیخ کا علمی مزاح
لطائف و ظرائف، چند مخفی گوشے

خیالک فی عینی و ذکرک فی فمی — ومثواک فی قلبی فاین تغیب
دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست — تا نہ پنداری کہ تنہا میروی
سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں — خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں
جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق — میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہوگئیں
گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید — لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید

اہل اللہ اور اہل علم کی نجی محافل اور کبھی کبھار دورانِ درس مزاح میں بھی علمی لطائف تحقیقی جواہر ریزوں، دقیق نکتہ آفرینیوں، ادبی موشگافیوں اور تاریخی اشارات و فن پاروں کا عنصر غالب ہوتا۔ متقدمین اور متاخرین علماء اور اسی طرح ہمارے اکابرین دیوبند کے باہمی نوک جھونک اور آپس کی خوش طبعی سے ایسے عقدہ ہائے لاینحل کھلے ہیں کہ انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے ایک دن کسی شخص نے کہا کہ حضرت آپ لوگوں کو کافر بناتے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے برجستہ مزاحاً فرمایا۔ کہ بناتے نہیں بتلاتے ہیں۔ ایک دوسرے شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ لوگ تشدد سے کام لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تشدد نہیں تسدد۔

کہ عبدالعزیز یا عبدالعزیز؟ پھر اس کو تنبیہ دی۔ آپ کو کس نے توضیح میں داخلہ کی اجازت دی ہے۔ آپ صاحب توضیح کی شرائط پر پورے نہیں اترتے۔

آپ کے سامنے عبارت پڑھنا نہایت مشکل اور لقمعل کسے کاردارد کا مصداق تھا بہت ہی قابل اور ذہین، ذکی اور فطین طلبا آپ کے سامنے عبارت پڑھنے سے گریز کرتے تھے۔ ایک طالب علم نے حضرت سے کہا کہ آپ مجھے عبارت میں ٹوکتے ہیں باوجودیکہ میں عبارت کے لئے بالکل مستعد اور مکمل تیاری کرکے آتا ہوں۔ لیکن پھر بھی جا بجا مجھ سے اعرابی غلطی یا صرفی ونحوی لغزش سرزد ہوتی ہے۔

یہ آپ کے رعب کا اثر ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ کہ آپ پر تا ہنوز میرا رعب چھا جاتا ہے حالاں کہ میرے ساتھ آپ کی داڑھی سیاہ اور دانت سفید ہو گئے۔

بخاری شریف میں ایک ساتھی نے غلط عبارت پڑھی حضرت نے اس کو ٹوکا اور فرمایا کہ اس کے ساتھ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہو۔ کیونکہ یہ تو آپ کے الفاظ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَن کذب علیّ مُتَعَمِّداً فلیتبوّأ مقعدہٗ من النار۔

اسی طرح ایک ساتھی نے مسلم شریف میں بِسَنْدِانہ کی بجائے بِسَنْدَانہ پڑھا۔ سندان آہنی بتے کو کہتے ہیں اس کے ساتھ مناسب "پلک" ہے۔ پلک پشتو میں بڑے مضبوط ہتھوڑے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جونہی اس نے بسندانہ کہا حضرت نے فرمایا بسندانہ نہ پڑھو بلکہ پلک کہو۔ وہ شخص نہایت شرمندہ ہوا اور آئندہ کے لئے عبارت پڑھنے کی جرأت نہ کر سکا۔

ایک عالم نے آپ سے پوچھا۔ کہ آپ نے میرا رسالہ حقیقت مودودی دیکھا ہے اس پر حضرت نے فرمایا کہ مجھے تو معلوم ہی نہیں کہ آپ نے رسالہ لکھا ہے اور یہ نام جو آپ نے اس کے لئے منتخب کیا ہے یہ موزوں نہیں کیونکہ حقیقت مودودی تو حیوان ناطق ہے۔

وہ ایک بدیہی بات ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ آپ حقیقت عقائد مودودی یا حقیقت نظریات مودودی تجویز کرتے۔

مدرسہ رحمانیہ دہلی میں شب جمعہ کو انجمن میں طلبہ اپنی قوت استدلال اور بحث وتکرار کی استعداد بڑھانے کے لئے متضاد موضوعات پر تقریری مقابلے منعقد کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ تقلید وعدم تقلید پر فریقین کے درمیان مناظرہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ چوں کہ مدرسہ میں اکثریت غیر مقلدین کی تھی۔ جن طلبہ کو تقلید کا موضوع دیا گیا تھا۔ وہ بھی در حقیقت غیر مقلد تھے۔ وہ طلبہ حضرت کے پاس آئے اور آپ سے التجا کی کہ ہمیں تقلید پر ایک مختصر مدلل تقریر فرمادیں۔ جس میں تقلید کے بارے میں اہم دلائل کی نشان دہی کی گئی ہو۔ حضرت نے قدرے توقف کے بعد از راہ مزاح فرمایا۔ کہ تقلید کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ تقلید بدیہی امر ہے اور بدیہی کے لئے حجت ودلیل کی ضرورت نہیں۔ اور جو لوگ اپنے آپ کو غیر مقلدین کہتے ہیں وہ بھی ادّعائی غیر مقلدین ہیں۔ کیونکہ جس طرح ہم امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہم کی تقلید کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ حضرات بھی قاضی شوکانیؒ، داؤد ظاہری، علامہ ابن حزم، حافظ ابن تیمیہ اور نواب صدیق حسن وغیرہم حضرات کے مقلد ہیں۔ طالب علم یہ سن کر حیران رہ گئے۔ پھر حضرت نے ان کو فرمایا بعد از عصر آپ تشریف لائیں۔ اوران کے لئے اس مسئلہ پر دلائل قلمبند کروا لئے۔

توضیح تلویح میں "وبعد فانی" پر بحث کے دوران فرمایا۔ کہ بعض شارحین یہ بھی لکھتے ہیں کہ ایراد فاء توہم امّا کی بنا پر ہے۔ یعنی مصنف کو یہ وہم ہوا ہے کہ میں نے امّا ذکر کیا ہے اس لئے اس نے فاء کو ذکر کیا۔ یہ جواب نہایت ہی رکیک ومردود ہے اس کے علاوہ مصنف پر بے جا بہتان اور اس کی جلالت شان کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مصنف اتنا غبی ہے کہ تین حروف (لبعد) لکھتے اس کو اتنا علم نہیں کہ امّا ذکر کیا ہے یا نہیں۔ اس لئے یہ نہایت ہی رکیک

اور حد درجہ ضعیف توجیہہ ہے۔

مسلم الثبوت میں راقم ایک عبارت پڑھ رہا تھا۔ معرّف کی تعریف صاحب مسلم نے یوں کی ہے:۔ مالمینع الوالج من الخروج والخارج من الولوج۔ عربیت اور ادبیت اس جملہ کے حرف حرف اور لفظ لفظ سے عیاں ہے۔ عبارت کی جدّت اور الفاظ کی ندرت پر میں حیران ہوا۔ (کیونکہ اور کتابوں میں اس طرح تعریف نہیں ہے۔ اگرچہ مفہوماً تمام ایک ہیں) حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ میرے لئے اس وقت ناآشنا تھے۔

حضرت نے چہرے سے میرا تاثر بھانپ لیا۔ فرمایا علاّمہ محب اللہ بہاریؒ عباراتِ نادرہ سے مرعوب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ وہ مطلب نہایت ہی آسان پیرایہ میں بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ایک دفعہ بطور لطیفہ کے فرمایا۔ کہ تیمور لنگ عذر لنگ کی وجہ سے دربار میں پاؤں پھیلا کر بیٹھا کرتا تھا۔ بالکل اسی ہیئت پر علامہ تفتازانیؒ بھی تشریف فرما ہوئے۔ اس پر امیر تیمور علاّمہ سے مخاطب ہوئے اور کہا۔ معذورم دار مرا لنگ است۔ علامہ نے برجستہ جواب دیا۔ معذورم دارمرا ننگ است۔

غالباً ۱۹۶۲ء کی بات ہے۔ سالانہ تعطیلات میں بندہ نے حضرت سے عرض کیا کہ مجھے شرح تہذیب پڑھائیے۔ ابھی رمضان المبارک کو تھوڑے دن باقی تھے۔ اس پر آپ نے متبسمانہ انداز میں فرمایا۔ یہ مہینہ (رمضان) اللہ تعالیٰ نے قرآنی خدمت کے لئے پیدا کیا ہے اور تم اس میں منطق پڑھنے کی فکر میں ہو۔ پھر فرمایا کہ آخری پارہ عمّ یتساءلون کی ترکیب بمعہ ترجمہ کے آپ کو شروع کر دوں گا۔

مسلم شریف پڑھانے کے بعد ایک دن آپ اپنے حجرہ میں تشریف لائے۔ ایک

طالب علم دوڑتا دوڑتا آپ کے پاس آیا۔ اور کہا۔ کہ آپ ۔ نے جو تحقیق آج درس میں فرمائی۔ یہ تحقیق نہ امام نوویؒ نے کی ہے اور نہ علاّمہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں۔ آپ کی تحقیق کا ماخذ کیا ہے؟ اس نے اس کو جواب میں فرمایا۔ کہ علم در پیش است۔

فرمایا۔ کہ آریہ تناسخ کے قائل ہیں۔ اس پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا واقعہ سنایا۔ کہ حضرت نانوتوی اور ایک آریہ عالم کے مابین مناظرہ طے پایا۔ حضرت نانوتویؒ نے آریہ سے پوچھا کہ ارواح کل کتنے ہیں۔ اس نے ایک خاص تعداد بتائی۔ قریب ہی ایک تالاب میں بہت سے مچھر تھے۔ حضرت نے اس سے پوچھا کہ ان مچھروں کی تعداد آپ کی مذکورہ تعداد سے زیادہ ہے یا نہیں۔ اس نے کہا۔ زیادہ ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے اس سے فرمایا۔ پھر تو آپ جسد بلا روح ہیں۔ پس وہ آریہ خاموش و ششدر رہ گیا۔

مجھے ان کے ایک پرانے ہم سبق نے حضرت کے بچپن کا واقعہ سنایا۔ کہ حضرت اور ان کے بھائی مولانا عبدالحکیم جو کہ آپ سے عمر میں بڑے تھے۔ بچپن میں اخوت کے علاوہ گہرے دوست بھی تھے۔ ایک دن انہوں نے ایک ہندو دکاندار سے سموسے خرید لئے۔ اور حضرت کو کہا کہ لو۔ حضرت نے انکار کیا۔ بھائی نے آپ سے انکار کی علّت دریافت کی۔ حضرت نے فرمایا یہ ہندو نے پکائے ہیں۔ جن کے بارے میں خداوند قدوس فرماتے ہیں:۔

انما المشرکون نجس

ایک واقعہ کے ضمن میں فرمایا۔ کہ تقسیم ہند سے قبل میں ایک مدرسہ میں مدرس تھا۔ پھر دوسرے مدرسہ سے مدرسی کی پیش کش ہوئی۔ چونکہ اس مدرسہ میں طالب علموں کا راج تھا جو بھی مدرس یہاں آتا۔ طلبہ اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دیتے۔ چنانچہ وہ مدرس دو تین دن بعد وہاں سے چلا جاتا۔ مہتمم صاحب طلبہ کی رائے کو ترجیح دیتے۔ ان سے پوچھتے کہ یہ مولوی کیسا ہے کیا آپ کو مطمئن کر سکتا ہے تو اسی مدرسہ کی طرف سے مجھے بھی تدریس کی دعوت دی گئی۔ میں نے مشروط طور پر ان کو جواب دیا کہ تین دن میں اپنے مدرسے سے فراغت کے

بعد اس مدرسہ کو آؤں گا۔ اور طالب علموں کو نہ پڑھاؤں گا۔ اگر ان کو میری پڑھائی پسند آئی تو نبھا۔ ورنہ پھر اپنے مدرسہ میں بدستور رہوں گا۔ حضرت نے فرمایا۔ میں نے تحقیق کی کہ کونسی کتاب والے زیادہ مدرس کے لئے دردِ سر ہیں۔ معلوم ہوا کہ شرکار متبنی۔ مدرسے والوں نے بہت سی کتابیں میرے حوالے کیں۔ جس میں متبنی بھی میرے ہی ذمہ تھی جب متبنی کا پریڈ شروع ہوا۔ تو میں نے ابتداء سے کتاب شروع کی۔ حالاں کہ انہوں نے دوسرے اساتذہ سے کافی حصہ پڑھایا تھا۔ میں نے صرف ایک مصرعہ

یالائمی کف الملام عن الذی

پر ایک گھنٹہ درس دیا۔ میں نے طلبہ سے پوچھا سمجھ گئے یا نہیں۔ وہ خاموش بیٹھے تھے۔ بالآخر ایک طالب علم نے سکوت توڑا۔ اور کہا۔ اور کہا کہ متبنی کا نام کیا ہے۔ میں نے کہا۔ یہ ہے آپ کی علمیت و استعداد اور قابلیت کا شہرہ۔ کہ متبنی والے نئے استاذ کو بھگا دیتے ہیں۔ میں نے دل میں سوچا تھا کہ آپ واقعی عظیم ہوں گے۔ لیکن اس سوال سے معلوم ہوا کہ آپ میں کتنی کمی ہے۔ ؎

چوں دربستہ باشد چہ داند کسے
کہ جوہر فروش است یا پیلہ ور

مصنف کا نام تو کتاب کے سرورق پہ لکھا گیا ہے۔ ہاں اگر سوال کی ضرورت تھی تو پھر آپ یہ پوچھتے کہ وقال وقد امرہ سیف الدولہ باجازۃ ہذہ الابیات۔ میں یہ واؤ کس قسم کی ہے ؎

اب کہاں ایسی وہ زنگار رنگ بزم آرائیاں
یعنی سب نقش و نگار بہ طاقِ نسیاں ہو گئیں

جب میں کافیہ پڑھ رہا تھا تو دورانِ درس اس کے اشارات قلم بند کرتا ۔ فراغت کے بعد میں استاد کی مکمل تقریر ان اشارات کی مدد سے صاف اور خوشخط لکھا کرتا۔ ایک دن میں اسی تقریر میں مگن تھا کہ حضرت مرحوم تشریف لائے۔ فرمایا۔ یہ کیا ہے۔ میں نے عرض

کیا کہ کافیہ کی تقریر ہے۔ فرمایا تم کتاب سیکھنے آئے ہو یا فن۔ یہ ضروری نہیں کہ تم کافیہ کی تدریس پر مامور ہو گے۔ مقصود کتاب دانی نہیں فن دانی ہے۔ کافیہ سیکھنا نہیں علم نحو سیکھنا ہے۔

فرمایا۔ آج کل چھاپ قلمی اور قلمی چھاپ کرنے کا رواج ہے۔ ہر شخص جو کچھ پڑھا لکھا ہے اس سوچ میں ہے کہ کوئی کتاب یا رسالہ تصنیف کرے۔ حالاں کہ تخلیق اور تحقیق بہت ہی کم بلکہ نایاب ہے۔ الا ماشاء اللہ ایہی وجہ ہے کہ جب آپ سے کوئی پوچھتا کہ آپ تصنیف یا تالیف کی طرف کیوں توجہ نہیں دیتے۔ تو تبسم فرماتے۔ وہ کونسی تحقیق ہے یا کونسی کمی ہے جو علماء متقدمین و متاخرین یا اکابرین دیوبند سے رہ گئی ہے جس کو میں پورا کروں۔ سبحان اللہ!

خاکساران جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

کہا کرتے تھے کہ مولوی بلکہ علامہ بننا آج کل بہت ہی آسان ہے۔ مختلف مذہبی رسالے پڑھ لئے اور بس علامہ بن گیا۔ اس کو اتنا علم بھی نہیں ہوتا کہ میں جس شخص کی کتاب مطالعہ کر رہا ہوں۔ یہ کافر ہے یا مسلمان۔ اب جس پر چاہے تنقید کرے۔ جس شخصیت کی چاہے خامیاں نکالے۔ اس کے نزدیک سوائے اپنی ذات کے کوئی بھی شخص تنقید سے بالاتر نہیں ہوتا۔

فرمایا۔ کہ ہمارے گاؤں کے سکول سٹاف نے ماہوار پرویزی رسالہ طلوع اسلام جاری کرایا۔ مجھے معلوم ہوا تو میں نے ان کو کہا کہ آپ یہ رسالہ بند کر دیں۔ کیونکہ آپ کے پاس حق و باطل میں تمیز کرنے کے لئے کوئی کسوٹی نہیں۔ یا وہ رسالہ پہلے مجھے دیا کریں میں اس کے زہریلے مقامات کی نشان دہی کے بعد آپ کو واپس کروں گا۔

بخاری شریف میں یاساریۃ الجبل کے متعلق فرمایا۔ کہ عقل کے اندھوں اور مادہ پرستوں کو یہ مستبعد اور محال معلوم ہوتا تھا۔ لیکن وائرلیس کی ایجاد نے ان کی عقل پرستی پر طمانچہ رسید کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست ایمانی سے کون منکر ہو گا جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں۔ اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ۔

اسی طرح نبیذ کے متعلق بخاری شریف کی کتاب الاشربہ میں فرمایا کہ آج کل کے واعظین نہایت ہی بیباک ہیں۔ رطب ویابس ضعاف اور موضوعات پر تقاریریں برسرِ منبر بیان کرتے ہیں۔ اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابو شحمہ کے متعلق بھی ایک من گھڑت قصہ مشہور ہے۔ کہ اس نے شراب پی کر عالمِ مدہوشی میں زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ معاذ اللہ! یہ واقعہ سراپا جھوٹ کا پلندہ ہونے کے علاوہ شیعوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو کمزور اور داغدار کرنے کے لئے اختراع کیا ہے۔

ایک آدمی نے اسقاط کے متعلق سوال کیا۔ کہ آیا حضورؐ کے زمانہ میں اسقاط رائج تھا۔ اس کا مطلب اپنے آپ کو سمجھانا نہیں تھا۔ بلکہ مخصوص شرارت کی وجہ سے سوال کیا تھا۔ کیونکہ اس کے نزدیک مدارِ کفر و ایمان اور شرک و توحید حیلۂ اسقاط کرنے اور نہ کرنے پر موقوف تھا۔ آپ خود نہایت سختی سے اس مروجہ حیلۂ اسقاط کی تردید فرمایا کرتے۔

ایک دفعہ کسی مسکین شخص کے جنازہ میں جا رہے تھے۔ دیکھا کہ گڑ کی بوری بھی جنازہ گاہ میں پڑی ہے۔ حضرت نے فوراً اس کے واپس کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح بہت سے غریب و کم استطاعت لوگ اس بلائے بے درماں سے بچ گئے) تو حضرت نے ازراہِ مزاح فرمایا۔ کیا حضورؐ کے زمانہ میں بے نمازی اور روزہ خور موجود تھے؟ ؎

الٰہی کیسی کیسی صورتیں تو نے بنائی ہیں
کہ ہر ایک دست بوسی کیا قدم بوسی کے قابل ہے

توضیح تلویح میں "حیث" پر بحث کے دوران فرمایا کہ اگر حیث کو تقییدی معتبر کریں تو پھر اتنے اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ اس کے متعلق بہلول دانا کا واقعہ سنایا۔ کہ بہلول دانا اکثر نیم برہنہ حالت میں مقبروں میں رہا کرتا تھا۔ ایک دن اس کا بھائی اس کے پاس آیا۔ اور اس کی نہایت منت سماجت کی۔ کہ میں آپ کے لئے شلوار سلواتا ہوں۔ بہت ہی اصرار کے بعد

وہ اس پر راضی ہوا۔ چند روز بعد بھائی نے اس کو کہا کہ شلوار کے ساتھ قمیص بھی ضروری ہے۔ جس کے لئے وہ تیار نہ تھا۔ بالآخر جہدِ تمام کے بعد وہ اس پہ راضی ہوا۔ پھر بھائی نے اس کو کوٹھی کی پیش کش کی۔ کہ میں آپ کے لئے کوٹھی بنواؤں گا۔ تم کب تک ویران جنگلوں مقبروں، لق و دق بیابانوں میں گذر بسر کرو گے۔ کافی لیت و لعل کے بعد اس پر صاد کرنا پڑا۔ اب بھائی نے کہا۔ تمہارے لئے شادی کا انتظام کرتا ہوں۔ آخر تابکے عالمِ تجرد میں رہو گے۔ بس اس بات کا سننا تھا کہ بہلول نے شلوار اتار کر دور پھینکی۔ اور کہا کہ یہ ہی تمام فساد کی جڑ ہے۔ تو یہ اعتراضات اس وجہ سے پیش آئے کہ ہم نے حیث کو تقییدی معتبر کیا تھا۔

ایک شخص نے جو کہ نہایت ہی ذہین و فطین اور عصری تعلیم سے کافی حد تک آگاہ تھا لیکن عربی صرف و نحو اور معتزلہ و اہلِ سنت کی کلامی موشگافیوں سے نابلد۔ اس نے تفسیر عثمانی کا حوالہ دیتے ہوئے پوچھا کہ تفسیر عثمانی میں وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ پر تفسیری نوٹ میں علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رقمطراز ہیں۔

"جاننا چاہئے کہ آیت فی طغیانہم فعل یمدہم کے متعلق ہے۔ مگر تراجم دہلویہ جدیدہ میں اس کو یعمہون کے متعلق کیا ہے۔ جس سے معنی بگڑ کر معتزلہ کے موافق، اہلِ سنت کے خلاف اور استعمال اہلِ عرب کے مخالف ہو گئے۔" اس کا مطلب کیا ہے۔ معتزلہ لوگ کون ہیں؟ ان کے عقائد کیا ہیں؟ اور یہاں پر کس طرح (اگر جار مجرور کو متعلق مان لیں۔) ان کا مذہب ثابت ہو گا۔ اس پر حضرت نے تبسم فرمایا۔ کہ یہ تو ایک طویل تاریخ ہے۔ اور یہاں پر متعلق میں بات کرنا صرف و نحو سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے بھی آپ نابلد ہیں۔ میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں۔ پھر اپنی مخصوص قوتِ فصاحت، طلاقتِ لسانی اور ملکۂ افہام سے اس مقام کی تشریح و توضیح فرما کر مسئلہ اس کا ذہن نشین کر دیا۔

بیضاوی شریف میں اس شعر فلا وابی ایطرا المربتہ بالفلی پر مزاحاً فرمایا کہ سبق

پڑھنے سے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ ورنہ پھر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی بغیر مطالعہ کے خالی الذہن ہو کر آنا بھی مفید ثابت ہوتا ہے۔

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب دیوبندیؒ سے ہم دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف پڑھتے تھے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ اگر کوئی طالب علم گھنٹی بجنے کے فوراً بعد درس میں حاضر نہ ہوتا۔ تو پھر حضرت اس کو درسگاہ میں داخل نہیں ہونے دیتے۔

ایک دفعہ میں نے کسی کام کی وجہ سے رات کو مطالعہ نہیں کیا تھا اور صبح بھی درس کو ذرا دیر سے پہنچا۔ تو خاموشی سے دروازے کے باہر بیٹھ گیا۔ حضرت کی نظر مجھ پر نہیں پڑتی تھی۔ اس روز یہی سبق تھا۔ جب اس شعر پر پہنچے تو فرمایا۔ خالی الذہن ہو کر بیٹھو۔ یہاں مطالعہ کام نہ آئے گا۔ میں دل میں بہت خوش ہوا۔ کہ اچھا ہوا۔ میں نے تو آج مطالعہ ہی نہیں کیا ہے۔ فلا وأبی الطیر میں حضرت فرماتے تھے کہ یہاں پر ابی الطیر مضاف الیہ صحیح نہیں بلکہ فلا وابی یہ قسم ہے اور الطیر مرفوع ہے۔

فرمایا۔ عبارت پڑھتے وقت معنی کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اس پر ایک لطیفہ سنایا۔ کہ ویجوز التیمم بالتراب۔ کتاب میں تراب کی تا پر سیاہی کا چھینٹا پڑ گیا تھا جس کی وجہ سے تا غین معجمہ کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ طالب علم عبارت پڑھ رہا تھا اس نے کہا ویجوز التیمم بالغراب۔

شعر کے متعلق فرمایا۔ شعراء خیالی دنیا میں بستے ہیں۔ شعر کیا ہے صرف تخیّل آفرینی کما علّمناہ الشّعر وما ینبغی لہٗ پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے وحی سے سرفراز فرمایا ہے۔ جو کہ تمام تر حقیقت ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کی نفی فرمائی۔

ایک طالب علم حضرت کے پاس آیا اور عرض کیا۔ کہ میں نے آپ کی دعوت کی ہے اور مرغ حلال کیا ہے۔ (یعنی ذبح کیا ہے) حضرت نے فرمایا مرغ تو حلال ہے مُردار نہیں۔

فرمایا۔ ایک رمضانی حافظ ہوتا ہے اور ایک رحمانی۔ رمضانی حافظ وہ ہے جو ماہ رمضان میں تراویح میں سنانے کے لئے قرآن کریم کی چند روزہ تلاوت کرتا ہے۔ اور رحمانی وہ ہے جو روزانہ حسبۃً للہ قرآن کی تلاوت کرتا رہے۔

بیبنڈی میں ایک طالب علم جس کا نام گل میران تھا۔ کبھی کبھی بے محل سوالات پوچھتے ایک دفعہ اس نے اسی طرح کچھ سوالات پوچھے تو حضرت نے فرمایا۔

عقل خو یو درد ے چہ نادرو تخہ دی

نہ چہ گل میران غوبند ے بنکرو تخہ دی

بخاری شریف میں عیادت مریض کے متعلق ایک لطیفہ سنایا۔ کہ ایک بہرہ آدمی کسی مریض کی عیادت کے لئے جارہا تھا تو ایک ساتھی سے پوچھا کہ میں جا کر مریض کے ساتھ کس طرح آغاز گفتگو کروں۔ ساتھی نے اس کو کہا کہ آپ جب اس کے پاس جائیں تو اس سے پوچھو کہ اب طبیعت کیسی ہے۔ وہ آپ کو کہے گا کہ اب قدرے بہتر ہے۔ تم کہو کہ الحمد للہ۔ پھر اس سے پوچھو۔ کونسی دوا استعمال کر رہے ہو۔ وہ کہے گا کہ فلاں۔ تم کہو کہ یہ بہت اچھی دوا ہے اس کا استعمال جاری رکھو۔ اور ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اس پر عمل کرو۔ پھر اس سے پوچھو۔ کس حکیم کے زیر علاج ہو۔ وہ کہے گا فلاں حکیم۔ تم کہو۔ یہ بہت اچھا حکیم ہے ان شاء اللہ جلد ہی صحت یاب ہو جاؤ گے۔

اتفاق سے مریض اس وقت تکلیف میں مبتلا تھا۔ اس نے اس سے پوچھا کہ اب طبیعت کیسی ہے۔ مریض نے جواب دیا کہ آج تکلیف زیادہ ہے نہایت کرب میں مبتلا ہوں۔ وہ تو بہرہ تھا۔ اس نے مریض کی بات نہیں سنی۔ کہا۔ الحمد للہ۔ مریض نہایت غصہ ہوا۔ کہ یہ میری تکلیف پر خوش ہے۔ پھر اس نے پوچھا۔ کونسی دوا استعمال کر رہے ہو۔ اس نے کہا۔ زہر۔ بہرے نے سر ہلایا۔ اور کہا کہ یہ بہت ہی مفید دوائی ہے۔ اس کو استعمال کرو۔ اور ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اس میں ناغہ نہ کرنا۔ مریض اور بھی پریشان ہوا مار نے پوچھا کہ

کون سے حکیم کا علاج کرتے ہو۔ اب تو ضبط کا بندھن بھی ٹوٹ گیا تھا۔ مریض عاشق نے جواب دیا کہ عزرائیل سے۔ اس نے کہا کہ یہ بہت ہی بہترین حکیم ہے۔ اس سے علاج جاری رکھو جلد ہی صحت یاب ہو جاؤ گے۔

ایک طالب علم نے آپ سے پوچھا کہ غیر مقلدین حضرات تقلید کو شرک فی النبوت سے تعبیر کرتے ہیں۔ فرمایا تقلید تو قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ فاسئلوا اہل الذکر الآیۃ انما شفاء العیّ السوال الحدیث۔

باتوں باتوں میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا تذکرہ چل پڑا تو فرمایا کہ دنیا میں جتنے مقلدین ہیں ان کا ¾ حصہ حضرت الامام کے ساتھ وابستہ ہے۔ اصول اجتہاد آپ ہی نے وضع کئے ہیں اور پھر یہ کہ امام صاحب تابعی ہیں۔ ۲۶ صحابہ سے آپ کی ملاقات ثابت ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک حنفی اور شافعی کا مناظرہ طے پایا۔ شافعی المسلک نے کہا کہ جب امام شافعی دنیا میں تشریف لائے تو امام ابو حنیفہؒ نے دنیا ہی کو چھوڑ دیا۔ تو حنفی نے جواب دیا کہ جب تک ہمارے امام صاحب دنیا میں تھے تو امام شافعی کو دنیا میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

امام ابو حنیفہؒ کی فقاہت کے بارے میں فرمایا کہ سلیمان اعمش جو کہ مسلم شریف کے راویوں میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم نے مجھے لفظاً یا کتابتاً اطلاع دی کہ آٹا ختم ہو گیا ہے یا کسی ذریعہ تو نے خبر دی تو تجھے طلاق ہے۔ وہ عورت حیران ہو گئی اور حضرت الامام کے پاس پہنچ گئی۔ امام صاحب نے اس کو فرمایا کہ اس کی چادر کے ساتھ وہ تھیلا باندھ دو جس میں آٹا ہوتا ہے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور وہ چادر اس کے سرہانے رکھ دی۔ اس نے جب چادر اٹھائی تو اس کے ساتھ تھیلا بندھا ہوا تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ خدا کی قسم یہ طریقہ تمہیں امام ابو حنیفہؒ نے سکھایا ہے اور جب تک وہ زندہ ہے تو ہم آپ پر کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔

۱۹۶۹ء میں جب صعود قمر کا واقعہ پیش آیا تو بعض علماء نے اس کے عدم امکان کے بارے میں سخت موقف اختیار کیا۔ حضرت سے اس بارے میں پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ ضروریات دین میں سے نہیں۔ اور نہ اس کا اسلام کے ساتھ تعلق ہے کہ اس کے لئے قرآن و حدیث سے دلائل پیش کئے جائیں۔ اگر فی الواقعہ صعود واقع ہوا ہو اور آپ قرآن و حدیث سے اس کے عدم وقوع کے بارے میں استشہادات و دلائل پیش کریں۔ تو ان لوگوں کی قرآن و حدیث کے بارے میں کیا رائے ہوگی۔ پھر فرمایا کہ قرآن پاک میں جو کل فی فلک یسبحون آیا ہے۔ اس سے مراد مدار ہے نہ کہ آسمان۔ چاند آسمان سے بہت نیچے ہے۔ تو بدرجہ امکان اس کو صعود ممکن ہے۔ قرآن و حدیث کے ساتھ اس کا کوئی تناقض نہیں۔ اس کے چڑھنے اور نہ چڑھنے کو اہمیت نہیں دینی چاہئے۔

فرمایا۔ کہ پرانا مریض نئے حکیم سے تجربہ کار ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہندوستان میں ایک حکیم کے پاس بغرض علاج گیا۔ حکیم صاحب نے تشخیص کی اور کہا کہ آپ کو تپ دق (ٹی بی) لاحق ہے۔ میں نے کہا۔ کہ میری یہ بیماری نہیں۔ اس پر وہ حکیم سیخ پا ہوئے اور کہا کہ حکیم میں ہوں اور تشخیص تم کرتے ہو۔ میں نے کہا کہ جسم تو میرا ہے۔ مجھے اس کا حال معلوم ہے۔ پھر میں دہلی کے مشہور زمانہ حکیم عبدالوہاب صاحب عرف نابینا حکیم صاحب رحمہ اللہ کے پاس چلا گیا۔ انہوں نے جب تشخیص کی تو بجائے اس کے کہ وہ کچھ کہتے میں نے کہا کہ کیوں حضرت میری ٹی بی ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ انا للہ۔ کس نے آپ کو کہا ہے کہ ٹی بی ہے۔ آپ کا خون تھوکنا تو جگر کی گرمی کی وجہ سے ہے۔

زندگی کے دو مبارک سال

جو

اُن کے زیرِ سایہ گذرے!

خلیل احمد مخلص

حضرت الشیخ مولانا عبدالحلیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے تعلقات کا قصہ بہت طویل اس لئے ہے کہ ہمارے اور ان کے خاندانی تعلقات بہت پرانے اور قدیم ہیں۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے نانا حضرت مولانا شاہ سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے استاذ کل تھے۔ ان کے والد حضرت مولانا خلیل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے جدِ امجد حضرت مولانا عبدالجبار صاحب کوشوی رحمہ اللہ (سابق صدر مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) کے استاذ اول تھے ان کے ماموں اور استاد شفیق حضرت مولانا محمد صاحب زروبوی میرے جدِ امجد کی ابتدائی کتب سے لے کر دورۂ حدیث تک زمانہ طالب علمی کے ساتھی تھے۔

حضرت شیخ خود فرمایا کرتے تھے کہ: مولانا عبدالجبار صاحب میرے والد مرحوم کے شاگرد تھے۔ چنانچہ اسی نسبت و تعلق کی وجہ سے مولانا عبدالجبار صاحب میرا بہت احترام کرتے تھے اور تقسیم ہند سے قبل جب بھی میں ہندوستان سے اپنے گاؤں آتا تو مولانا مرحوم مجھ سے

ملنے کے لئے ہمارے ہاں تشریف لایا کرتے تھے۔

ایک دن فرمایا کہ: انہوں نے مجھے بخاری شریف کا ایک نسخہ تحفۃً دیا تھا جو اب بھی میرے پاس محفوظ ہے۔

۱۹..ء میں احقر نے مکمل طور پر مادرِ علمی دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ لیا۔ ابتدائی سالوں میں اکثر ان کے ہاں اُن کی خدمت کے لئے جایا کرتا تو ان کے ساتھ اور بھی خصوصی تعلقات پیدا ہو گئے۔ اور انہی تعلقات کی وجہ سے بعد میں مستقل طور پر اُن کے زیرِ سایہ اُن کے کمرے میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور دو سال تک تادمِ وفات اُن کا خادم رہا۔

ان دو سالوں میں احقر نے حضرت شیخ کو بہت قریب سے دیکھا۔ اُن کے اوصاف و کمالات فضائل و خصائل، محاسن و اخلاق، اخلاص و للہیت، رفعت و عظمت، زہد و تقویٰ، علم و کمال کو ضبطِ تحریر میں لانا میرے بس کی بات نہیں۔ لیکن پھر بھی اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ جن لوگوں کا حضرت شیخ سے تعلق رہا ہے یا جو لوگ اُن کے علمی مقام اور محاسنِ اخلاق کا مشاہدہ کر چکے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ حضرت شیخ کن خصوصیات کے حامل تھے۔

تلامذہ و احباب سے حد درجہ شفقت

حضرت شیخ سے تمام طلبہ اور تلامذہ سے باپ کی طرح شفقت فرماتے تھے۔ ان کی ضروریات کو پورا فرماتے۔ اور ان سے نہایت خوش طبعی سے پیش آتے۔ اکثر فضلاء جب دارالعلوم تشریف لاتے تو حضرت شیخ کے ہاں قیام فرماتے۔ حضرت ایک خاص جذبے سے ان کی مہمان نوازی اور ان کے آرام و راحت کا خیال فرماتے۔

ایک دفعہ میری موجودگی میں حضرت شیخ کے شاگردِ خاص مولانا عبدالمتین صاحب حقانیہ تشریف لائے تھے۔ صبح سویرے ہم نماز فجر کے لئے اٹھے۔ نماز سے فارغ ہو کر مولانا عبدالمتین صاحب حضرت کے ہمراہ سیدھے قیام گاہ آئے۔ احقر مسجد سے ذرا

دیر سے آیا۔ باورچی خانہ میں داخل ہوا تو مولانا عبدالمتین صاحب کو دیکھا کہ وہ خود چائے بنانے میں معروف ہیں۔ وہ زمانہ طالب علمی میں حضرت کے خادم رہ چکے تھے۔ اور حضرت کی طبیعت سے واقف تھے۔ حضرت کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ عموماً نماز فجر ادا کرنے کے فوراً بعد ناشتہ پسند فرماتے۔ اس کے بعد مطالعہ کتب یا تلاوت قرآن مجید میں مصروف ہو جاتے۔

میں نے مہمان کو چائے تیار کرتے ہوئے دیکھا تو شرمندگی محسوس کی۔ وہ سمجھے تو کہنے لگے اور کوئی بات نہیں۔ آج شوق سے چائے بنانے بیٹھا ہوں تاکہ حضرت کی خدمت کی پرانی یاد تازہ ہو جائے۔"

جب ہم ناشتہ کرنے بیٹھ گئے تو مولانا عبدالمتین صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ حضرت آج آپ کا ساتھی دیر سے آیا ہے۔ چائے میں نے خود بنائی ہے۔ حضرت نے خوش طبعی کے طور پر برجستہ جواب دیا۔ "آپ ایک پیالی زیادہ نوش فرمائیں"

ایک دن سبق سے فارغ ہو کر کمرے میں آیا۔ اندر داخل ہوا تو میری آنکھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ حضرت چارپائی پر تکیہ لگائے ہوئے ہیں۔ اُن کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہہ رہے ہیں۔ سامنے میز پر ٹیپ ریکارڈ پڑا ہوا ہے۔ میں نے یہ منظر دیکھا تو حیران ہو کر ان کے قریب بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے خود میری حیرانگی کو محسوس کرتے ہوئے مجھ سے گفتگو شروع فرمائی۔ کہ

"برخوردارم محمد اسماعیل (جو ان دنوں ملازمت کے سلسلے میں بیرون ملک مقیم تھے) کا کیسٹ موصول ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آپ اب ضعیف و کمزور ہو چکے ہیں۔ میرا مشورہ ہے آپ گھر پر بیٹھ کر آرام اور سکون کی زندگی بسر کریں۔"

حضرت شیخ نے فرمایا۔ "طلباء اور علماء کے اس دینی ماحول میں مجھے جو سکون اور اطمینان حاصل ہے۔ وہ یہاں سے باہر نکل کر مجھے کہاں مل سکے گا۔ فرمایا۔ "میرے لئے طلبہ کے بغیر ایک لمحہ گذارنا بھی مشکل ہے۔ چنانچہ اس انتہائی محبت و شفقت کی وجہ سے آپ آخر دم

تک دارالعلوم حقانیہ سے وابستہ رہے۔

اس کے علاوہ اپنے احباب و متعلقین پر بھی انتہائی شفقت فرماتے اور ان سے نہایت محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔

اکوڑہ خٹک کے قیام کے دوران سول ہسپتال کے ڈاکٹر عبدالاحد صاحب کے زیر علاج رہتے۔ موصوف ہمارے علاقے کے ایک مشہور علمی و روحانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ حضرت شیخ کے حد درجہ معتقد تھے۔ ہفتہ میں ایک دن باقاعدگی سے حضرت ...حاضر ہوتے اور علاج و معالجہ کے ساتھ ساتھ طبی مشورے بھی دیتے۔

چنانچہ ایک روز حضرت شیخ کے دائیں ہاتھ میں درد شروع ہوا۔ اس درد اور تکلیف کی وجہ سے دائیں ہاتھ سے لکھنا وغیرہ بھی ان کے لئے مشکل ہو گیا تھا۔ شدت درد کی وجہ سے آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ "ڈاکٹر صاحب کے پاس چلتے ہیں کہ ان سے معائنہ کرائیں" اسی وقت میں نے ہسپتال تک جانے کے لئے سواری کا انتظام کیا۔ ...د طالب علم بھی ہمارے ساتھ ہسپتال چلے گئے۔ ہسپتال پہنچتے ہی ڈاکٹر صاحب کو خبر ہوئی تو وہ فوراً باہر نکلے اور ہمیں اپنے کمرے میں لے گئے۔ کچھ دیر کے لئے ہم ان کے کمرے میں بیٹھے رہے۔ وہ حضرت شیخ کی موجودگی میں آخر دم تک ادب و احترام سے کھڑے رہے۔ بعد میں فارغ ہو کر جب ہم واپس آنے لگے تو ڈاکٹر صاحب نے

...لگے کہا۔

"بھئی آپ نے مجھے بہت شرمندہ کیا۔ حضرت کو تکلیف تھی تو مجھے اطلاع دیتے میں خود حاضر ہو جاتا۔" میں نے جواب دیا۔ آج حضرت نے خود از راہ شفقت فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب کے پاس چلتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالاحد صاحب نے وفات تک حضرت کی بہت خدمت کی۔ یہاں تک کہ آخر میں کراچی کے جناح ہسپتال میں ڈاکٹر عبدالاحد صاحب کے ...ے بھائی ڈاکٹر عبداللہ مد نے بھی حضرت کے علاج میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

اخلاص وللہیت

حضرت شیخؒ کے ہر عمل میں اخلاص وللہیت کا جذبہ کارفرما ہوتا تھا۔ ان کے ہاں نمود وتشہیر کا نام ہی نہ تھا۔ طلباء کو ہر وقت اخلاص وللہیت، رضا الٰہی اور صحت نیت کا درس دیتے تھے۔ فرمایا کرتے کہ "علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ ان کے ہر عمل میں اخلاص وللہیت اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہونی چاہیئے۔ فرمایا کرتے کہ علم دین کو دولت کمانے کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیئے۔ اگر تم اپنے اندر اخلاص پیدا کرو تو دنیا تمہارے قدموں میں آپڑے گی۔

وفات سے قبل تعلیمی سال کے آغاز میں جس دن بیضاوی شریف کے درس کا افتتاح فرمارہے تھے تو مجھے بھی اس دن تبرکاً درس میں شریک ہونے کی سعادت نصیب ہوئی اگرچہ میں فنون کی آخری کتابوں کا طالب علم تھا۔ حضرت نے تصحیح نیت کے موضوع پر مبسوط اور رقت انگیز تقریر فرمائی۔

فرمایا: ہم اور آپ نے وطن چھوڑا ہے۔ والدین اور رشتہ دار احباب وغیرہ چھوڑے ہیں۔ اور حتیٰ کہ تمام دنیاوی اسباب کو ترک کرکے یہاں آئے ہیں۔ ہمارا یہاں آنے کا مقصد رضا الٰہی اور اصلاح نفس ہے۔ اور یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ یہاں سے نکل کر لوگوں کی اصلاح بھی کریں گے۔ پھر اس کے لئے صحت نیت شرط ہے۔ جب ہماری نیتیں درست ہوں اور ہمارے اندر اخلاص موجود ہو تو ہم اصلاح نفس بھی کرسکتے ہیں۔ اور دوسروں کی بھی اصلاح کرسکتے ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں آپ صحت نیت کے متعلق پڑھیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا

او الی امراۃ ینکحھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ۔

اور پھر اس حدیث کے ذیل میں حضرات صحابہ کرامؓ کے کئی واقعات سنائے۔

نظافت ونفاست

حضرت شیخ نہایت ہی نفیس ونظیف طبیعت کے مالک تھے۔ ہمیشہ سفید، صاف اور اجلے کپڑے زیب تن فرماتے۔ عموماً سفید یا سبز قسم کی قیمتی پگڑی باندھتے اور سردی کے موسم میں بہترین قسم کا جبہ پہنتے۔

رہائش گاہ کی صفائی کا خیال رکھتے۔ استعمال کے برتن اور دستر خوان وغیرہ صاف ستھرا دیکھتے تو بہت خوش ہوتے۔

میں ان کی نظافت طبعی کو سمجھ چکا تھا۔ صبح سویرے عموماً برتن دھونے اور مکان کی صفائی میں لگا رہتا تھا۔ کبھی سبق شروع ہونے کی وجہ سے کوئی چیز یا برتن وغیرہ میلی رہ جاتی تو حضرت خود صاف فرماتے۔ سبق سے فارغ ہوکر میں جب کمرے میں آتا۔ اور کسی میلی چیز کو پاتا۔ یا حضرت کو صاف کرتے ہوئے دیکھتا تو شرمندگی سے عرض کرتا۔ حضرت سبق شروع ہونے کی وجہ سے یہ مجھ سے رہ گئی تھی۔ میری بات سنتے تو متبسم لہجے میں جواب دیتے۔ "کوئی بات نہیں۔ اس کی صفائی میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے۔

ایک دفعہ میں مکان کے دروازوں اور کھڑکیوں کی صفائی میں مصروف تھا۔ کچھ دیر بعد اچانک حضرت اندر تشریف لائے۔ میرے قریب آکر سلام کیا اور فرمایا۔ "کوئی کام میرے بھی حوالے کردو۔ تاکہ میں بھی تمہارے ساتھ صفائی میں شریک ہوجاؤں"۔ میں نے جواباً عرض کیا حضرت صفائی ختم ہونے والی ہے اور بعد میں انہوں نے میرے ساتھ بعض اشیاء نہایت سلیقے اور خوش اسلوبی سے اپنی اپنی جگہ رکھیں۔

اور باقاعدگی سے متعلقہ اسباق شروع کئے۔ ماہ ذی الحجہ میں آپ پر دل کے دورے پڑنے شروع ہوئے۔ چنانچہ اسی بیماری کے دوران چند احباب و متعلقین کے مشوروں پر آپ کراچی چلے گئے۔ اور جناح ہسپتال کے شعبہ امراض قلب میں ڈاکٹر عبد الصمد صاحب اُن کے معالج رہے۔ ۶ر نومبر ۱۹۸۲ء کو کراچی سے واپس تشریف لائے۔ حضرت کی کراچی سے واپسی کے وقت احقر رائے ونڈ گیا ہوا تھا۔ اجتماع رائے ونڈ کے دوران ان کی واپسی کا علم ہوا۔ اجتماع کے اختتام پر سیدھا اکوڑہ خٹک آیا۔ پھر وہاں سے جمعہ کے دن چند طالب علم ساتھیوں کی ہم رکابی میں حضرتؒ کی عیادت کے لئے اُن کے گاؤں زروبی چلا گیا۔ وہاں پہنچے تو حضرت الاستاذ مولانا مغفور اللہ صاحب استاد دار العلوم حقانیہ بھی ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ نماز جمعہ ہم نے وہاں ادا کی۔ عصر کے وقت جب ہم نے حضرت سے رخصت چاہی تو وہ رات ٹھہرنے کے لئے اصرار فرماتے رہے۔ لیکن ہم اجازت لے کر اکوڑہ خٹک چلے گئے۔ اس کے بعد ۶ جنوری کو بروز جمعرات میں اکوڑہ خٹک سے اپنے گاؤں چلا گیا۔ گھر پہنچا تو میرے بڑے بھائی حافظ محمد سلیم صاحب فاضل حقانیہ (جو حضرت شیخؒ کے تلمیذ خاص ہیں۔) پہلے ہی سے موجود تھے۔ میں نے ان سے حضرت کا حال دریافت کیا اور قصد کیا کہ صبح سویرے بروز جمعہ خود حاضر ہو جاؤں گا۔ دوسرے دن بروز جمعہ میں گھر سے نکلا ہی تھا کہ راستے میں حضرت شیخؒ کی موت کی خبر آ گئی۔ حقیقتاً مجھے اس وقت یوں محسوس ہوا کہ گویا میری شعوری زندگی کا سب سے بڑا حادثہ ہو۔ اسی وقت زروبی پہنچا۔ پھر مجھے کچھ یاد نہیں ؎

وہ آئے بزم میں اتنا تو میرؔ نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

بعد از نماز جمعہ ان کو اپنے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا اور اُس دن سے

معمولات

اوراد و وظائف۔ حضرت شیخؒ نماز عصر سے فارغ ہو کر اپنی اقامت گاہ میں تشریف فرما ہوتے اور شام تک تلاوت قرآن مجید، دلائل الخیرات اور حزب البحر کے معمولات میں مشغول رہتے۔ جب کبھی سفر پر جاتے تو اوراد و وظائف کی کتابیں بھی ضرور ساتھ لے جاتے۔

نماز مغرب کے بعد کھانا تناول فرماتے اور اس کے بعد اُن کے کمرے میں طلباء کا ہجوم ہوا کرتا تھا۔ اس مجلس میں اکابر کے تذکرے ہوتے۔ خصوصاً حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا ابراہیم بلیاویؒ کے واقعات اور ان ہی حضرات کا ذکر خیر ہوتا کبھی کبھی شعر و شاعری کے موضوع پر گفتگو شروع فرماتے۔ اور رومیؒ، شیرازیؒ اور سعدیؒ کے واقعے اور قصے سنا سنا کر سامعین کو محظوظ فرماتے۔

تہجد۔ حضرت شیخ رات کو پابندی اور باقاعدگی سے تہجد پڑھتے تھے تہجد ان کا دائمی معمول تھا۔ بیماری اور ضعف و کمزوری کے باوجود بھی میں نے ان کو تہجد و نوافل پڑھتے دیکھا بلکہ اکثر یوں ہوا کہ حضرت تہجد کے لئے اٹھتے تو میں پہلے ہی سے بیدار ہوتا۔ اُن کے لئے پانی گرم کرتا اور وضو کا انتظام کرتا۔ تہجد سے فارغ ہوتے تو کافی دیر تک طویل دعا میں مشغول رہتے۔

اوابین۔ نماز مغرب کے بعد صلوٰۃ الاوابین ہمیشہ پڑھتے تھے۔ عموماً مسجد میں پڑھنے کا معمول تھا۔ کبھی کبھی اپنے کمرے میں بھی پڑھتے تھے۔

مرض وفات اور چند آخری ملاقاتیں

۱۴۰۲ھ کے تعلیمی سال کے آغاز میں حضرت شیخ دار العلوم حقانیہ تشریف لائے۔

علم ومعرفت کی یہ محفل ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی۔ اب ہم اس عظیم انسان اور شفیق استاد و مربی جو ہر وقت ہمارے لئے دست بدعا رہتے، کے مزار پر حاضر ہو کر ان کے لئے دعائے مغفرت اور ان کے فراق پر آنسو بہاتے ہیں۔

اللھم اغفرہ وارحمہ وادخلہ واسکنہ
فی الجنۃ ولا تعذبہ برحمتک یا ارحم الراحمین

صدر نشین مسندِ تدریس

استاذ المحققین ـــــ فنا فی العلم

از مولانا عبید اللہ صاحب چترالی پشاور۔ فاضل دار العلوم حقانیہ

۱۹۶۹ء میں راقم نے دار العلوم حقانیہ میں داخلہ لیا۔ اس سال مختصر المعانی اور اس درجے کی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ جب کہ میر زاہد تک منطق کی کتابیں دیگر مدارس میں پڑھ چکا تھا ویسے تو دار العلوم کا ہر ایک شعبہ نہایت ہی منظم اور مرتب ہے۔ کیونکہ اراکین وعملہ کی اعلیٰ صلاحیتیں اگر ایک طرف اس میں کارفرما ہیں تو دوسری طرف حضرت شیخنا واستاذنا شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب مدظلہ کی سرپرستی اور خلوص نے اس کی عظمت وشان کو دوبالا کیا ہے۔ یہ آپ ہی کے حسن اخلاق کا پرتو ہے کہ دار العلوم کا پتھر پتھر اور اینٹ اینٹ مجسمۂ اخلاص ہے۔ مادر علمی حقانیہ کی خصوصیات تو بے شمار ہیں۔ اس کے لئے تو علیحدہ مضمون اور مقالے کی ضرورت ہے۔ لیکن یہاں پر اس کی ایک منفرد اور امتیازی خصوصیت کا ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا وہ یہ کہ دار العلوم میں ذہنی اور روحانی سکون اور اس کی فضا اور ماحول میں ایسی طمانیت ہے کہ اس میں قدم رکھتے ہی تمام پریشانیاں کافور ہو جاتی ہیں۔ اساتذہ اور تلامذہ کے درمیان جو محبت اور رشتہ ہے۔ کسی بھی مدرسہ میں ایسا نقشہ آپ کو نظر نہیں آئے گا۔ دار العلوم کا ہر استاذ اخلاق پیغمبری کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ باوجود عظمت شان اور فضل وکمال کے

ان کی اس بارعب شخصیت کو دیکھ کر مرعوب ہو جاتا اور دل ہی دل میں سوچنے لگتا کہ کتاب کھول کر ان کے سامنے تلمذانہ انداز میں بیٹھنا، یا سوال پوچھنا تو میرے بس کی بات نہیں۔ مگر طلبہ کی زبانی ان کی پُرخلوص محبت، طلبہ کے ساتھ بے تکلفی اور خوش مزاجی کی باتیں سن کر پھر اپنے دل کو تسلی دے دیتا۔ کہ یہ ہیبت و رعب، ڈر اور خوف کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ نہایت ہی احترام اور وقار کی وجہ سے ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ کو کسی تکلیف کا سامنا نہ ہوگا۔

طلبہ کی زبانی حضرت الشیخ کی علمی مہارت، کمال بلاغت اور پُرمغز تحقیق کی باتیں سن سن کر دل میں جذبہ اٹھتا کہ کب ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا سنہری موقع ملے گا الحمد للہ کہ کئی سالوں کے بعد "تلویح، توضیح" تک رسائی حاصل ہوئی۔ جس کو ہر سال حضرت الشیخ پڑھایا کرتے تھے۔ جس میں ان کی مہارت کی خبر طلبہ میں شہرت رکھتی تھی۔ امسال دیگر تمام گذشتہ سالوں کی بہ نسبت نہایت خوشی اس بات کی تھی کہ حضرت صاحب کے تلمذ کا شرف حاصل کیا جائے گا۔ مگر ان کی بارعب شخصیت کو دیکھ کر گھبراتا کہ حضرت کے سامنے عبارت کس طرح پڑھی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اسباق شروع ہو کر کئی دن تک میں نے عبارت نہیں پڑھی۔ بالآخر ایک دن دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے عبارت پڑھنے کی جسارت کی۔ اور خدا خدا کر کے اخیر تک پہنچایا۔

حضرت صاحبؒ کی عمیق تحقیقات سن سن کر دنگ رہ جاتا۔ اور تمام طلبہ پر حیرانگی و تعجب کا سکوت طاری تھا۔ درس کے بعد مجھ جیسے نئے شریک طلبہ درسگاہ سے باہر آکر واہ جی واہ کے ساتھ حضرت استاذ المکرم کو داد دیتے ہوئے ان کی تعریفوں میں مشغول ہو جاتے۔ چند دن تک میں حضرت الشیخ صاحب کی صحبت میں رہا تو ان کو خوش مزاج، حلیم الطبع اور بے تکلف پاکر اپنے لگائے ہوئے ان سارے اندازوں کو غلط قرار دیا۔ جو حضرت صاحب کو دیکھ کر ابتداء میں فرض کئے تھے۔ حضرت استاذ المکرم طلبہ کے ساتھ اتنی

عاجزی اور انکساری ان کی ہر بن مو سے ٹپکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو بھی یہاں آتا ہے اس کے احوال سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

حقیقتاً ان اوصاف جمیلہ میں اساتذہ کرام کے درمیان فرق مراتب معلوم کرنا بڑا ہی مشکل معاملہ ہے۔ پھر بھی مجموعی یا جزوی طور پر بعض حضرات کا دوسروں پر برتری قانون فطرت کا تقاضا ہے۔ زندگی میں جن اساتذہ کرام سے بہت زیادہ متاثر ہوا ان میں صدر المدرسین استاذ المحققین حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب قدس سرہ سر فہرست ہیں۔

دارالعلوم میں درس کے شروع ہونے کو جب چار پانچ منٹ باقی ہوں تو طلباء اعلان گاہ میں اکثر جمع ہو کر آپس میں علمی اور اخلاقی مباحثوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس وقت جب کسی استاد کا ان پر گذر ہوتا ہے تو ادھر ادھر ہو کر مؤدب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نو وارد اس صورت حال کو دیکھ کر یوں تصور کرتا ہے۔ گویا کسی معزز مہمان کی آمد آمد ہے۔ اور ایک استقبالی نقشہ بنایا جا رہا ہے۔ چونکہ اس حسین گلستان علم کے عنادل میں بندہ کو شرف حاصل ہے۔ میں دارالعلوم میں نو وارد تھا۔ اس لئے طلباء کے ہر احترامی رویے کو دیکھ کر متاثر ہوتا۔ مگر بعض اوقات طلباء کے مجتمع گروہ میں اچانک ہیجان پیدا ہو جاتا۔ "صلکہ حلکہ" کے الفاظ نہایت سرعت اور مرعوب لہجے کے ساتھ کہتے ہوئے فوراً ادھر ادھر ہو جاتے میں بھی پریشان ہو کر ایک طرف کھڑا ہو جاتا۔ اور دل ہی دل میں حیران ہوتا کہ آخر بات کیا ہے تو ایک پروقار بارعب اور نہایت ہی سنجیدہ و متین شخصیت نمودار ہو جاتی۔ جب آپ گذر جاتے تو تھوڑی دیر کے لئے ماحول پر سکتہ سا طاری ہو جاتا۔ میں اس صورت حال کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا کہ درمیانہ قد۔ دبلا پتلا بدن۔ گندم گوں رنگ۔ لمبی اور ستواں ناک موٹی موٹی سیاہ آنکھوں والے، نیلے رنگ کا عمامہ باندھے ہاتھ میں رومال دبائے ہوئے نہایت ہی پروقار شخصیت کے مالک کون ہیں۔ حیرانگی کے اس عالم میں جب میں نے طلبہ سے دریافت کیا۔ تو پتہ چلا کہ جناب صدر صاحب ہیں۔

بے تکلفی اور محبت و شفقت سے ملتے کہ کسی جگہ یا کسی استاذ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

تلویح و توضیح پڑھاتے ہوئے جہاں جہاں علامہ تفتازانی نے صاحب توضیح کا مواخذہ کرتے ہوئے احناف پر رد کیا ہے۔ جب حضرت جی وہاں پہنچتے تو اس دن ابتدائے درس سے ان کی کیفیت کچھ اور ہو جاتی۔ جب علامہ کے دلائل ذکر کرنے کے بعد ان پر رد شروع کرتے تو آپ ایسا محسوس کرتے کہ علامہ تفتازانی سامنے بیٹھے ہوئے ہیں اور استاذ جی ان سے مخاطب ہیں۔ پھر اس زور سے مسلک احناف کو ثابت کرتے کہ اس میں ذرا بھی ابہام و خفاء نہ رہ جاتا۔ استاذ محترم کے درس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ایک لفظ بھی زائد از مطلوب نہ فرماتے۔ اکثر اساتذہ کے تکیۂ کلام ہوا کرتے ہیں مگر حضرت الشیخ کا درس تکیہ کلام سے پاک ہوتا اور اتنی واضح باتیں زبان سے نکل جاتیں کہ ایک ایک ہو کر علیحدہ علیحدہ ترتیب کے ساتھ ذہن میں جگہ پکڑتیں۔

اسی طرح بیضاوی شریف میں بھی حضرت الشیخ کی کامل مہارت تھی۔ بیضاوی پڑھانے کا ان کا خاص انداز تھا۔ کہیں قاضی بیضاوی کی تحقیق حضرت کو پسند نہ آئی۔ تو اس زور سے قاضی صاحب کی بات کو رد کرتے کہ استاذ محترم کے زور دار دلائل کو سن کر قاضی صاحب کی تحقیق نہایت معمولی ہو جاتی۔ اور آدمی حیران رہ جاتا۔ کہ قاضی صاحب نے ایسی بات کیوں کہی ہے۔ استاذ محترم تدریس میں تعمق، نکتہ بیانی اور تحقیق کے قائل تھے۔ سرسری اسباق اور بے تحقیق دوروں کے سخت مخالف تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ اب تو ادب کے بھی دورے شروع ہو گئے۔ ہم نے تو متنبی کے ابتدائی سطر میں تین دن سبق پڑھا تھا۔ یہ باتیں حضرت الشیخ طلبہ کو تحقیق و تفتیش کی طرف رغبت دلانے کے لئے فرماتے تھے: تاکہ کہیں طلبہ سرسری بن کر اپنی علمی استعداد کھو نہ بیٹھیں اور یہ حقیقت ہے کہ تحقیق کے ساتھ کتابیں پڑھانا دینی مدارس کا طرۂ امتیاز ہے۔ دینی مدارس کے اساتذہ درس کے دوران طلبہ کے سامنے اس طرح کی نکتہ بیانی کرتے ہیں کہ طالب العلم میں رجحب کہ جدید

تعلیم یافتہ طبقہ علم دین کو علم ہی نہیں مانتے اور عالم دین کو تعلیم یافتہ نہیں سمجھتے) فضلائے علوم دینیہ ہر جگہ ہر مقام اور ہر موڑ پر اپنی قابلیت و صلاحیت کا لوہا منوا چکے ہیں اور ہر محاذ پر ہر لحظہ سے اپنے آپ کو قیادت کا اہل ثابت کر چکے ہیں۔ نیا تعلیم یافتہ طبقہ تسلیم کر چکا ہے کہ علماء میں قیادت و رہنمائی میں جو اہلیت ہے وہ کسی بڑے سے بڑے نئے تعلیم یافتہ میں نہیں پائی جاتی۔ بھٹو دور کی اسمبلیوں میں علماء کرام کی لاجواب تقاریر، مولانا مفتی محمودؒ کی وزارت کے دور کی سنہری اور یادگار تاریخ اور پھر اتفاق رائے سے بھٹو کے مقابلے میں انہی کو لیڈر چننا یہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ قوم کے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بجا طور پر علماء کی صلاحیتوں کے قائل ہیں۔ اگر کوئی اپنی خوشی سے اس بات کا قائل نہ ہو جائے تو مجبوراً اس کو علماء کی عظیم مہارت، کمال علمی اور قیادت کے واضح صلاحیتوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔

حضرت الشیخ کے درس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اپنی وسعت مطالعہ اور تبحر علمی کی وجہ سے گاہ گاہ تاریخی واقعات بھی بہت دلچسپ انداز میں بیان فرماتے۔ تاریخ اسلام اور تاریخ برصغیر پر آپ کی گہری نگاہ تھی۔

مدارس دینیہ کے اساتذہ طلباء کی تعلیمی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی تربیت پر بھی بہت زور دیا کرتے ہیں اور طالب علم کے لئے حصول علم کے دوران عملی سیاست میں حصہ لینے اور سیاسی معاملات میں وقت ضائع کرنے کو ناپسندیدہ نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ایسے کاموں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ دار العلوم میں علاقائی انجمنوں کے علاوہ تمام دار العلوم کی سطح پر جمعیت الطلبہ کی ایک تنظیم ہوتی۔ اس کے انتخابات کے دوران کافی گرما گرمی اور رونق ہوتی۔ چونکہ اس دوران طلبہ کی تمام تر توجہ ان انتخابات اور اس کے نتائج پر مرکوز ہوتی۔ اس لئے حضرت الشیخ اس پر اظہار افسوس فرماتے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ صدر اعقل الناس ہوا کرتا ہے۔ لیکن طالب علموں کا صدر اس کے برعکس۔

ہاں اگر تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ کوئی طالب علم سیاسیات اور ملکی حالات سے باخبر رہنے کی کوشش کرتا یا تعمیری کام اور اصلاحی پروگرام کے لئے تنظیم وغیرہ بنانے کی سعی کرتا تو اس کی حوصلہ افزائی اور ہر قسم کے تعاون سے گریز نہیں فرماتے۔

جب طلبہ امتحان سے فارغ ہو کر رخصت لینے کے لئے آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوتے تو پرخلوص لہجے میں خصوصی دعاؤں سے نوازتے۔ اور نہایت ہی محبت وشفقت سے پیش آتے حضرت کی ملنساری تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ طلباء میں سے ہر ایک کا یہ خیال ہوتا کہ حضرت الشیخ ؒ کی میرے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہے۔ بندہ پر تو حضرت کی خصوصی نظر کرم تھی۔ کئی مرتبہ سفر میں بھی اس ناچیز کو ساتھ رکھا۔ اور بعض چیزوں کو خریداری کے لئے بھی بندہ کو مامور فرماتے۔ اور یہ ناچیز جب کوئی چیز خرید کر خدمت اقدس میں پیش کرتا۔ تو نہایت خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے انتخاب کی داد دیتے۔

حضرت الشیخ رحمہ اللہ کی رحلت کا سانحہ جب پیش آیا تو اس وقت یہ حقیر پشاور سنٹرل جیل میں محبوس تھا۔ ریڈیو پاکستان پر حضرت کے وصال کی خبر سن کر صدمے سے نڈھال ہو گیا۔ اور نہایت افسوس ہوا کہ حضرت کے آخری دیدار سے محروم اور نماز جنازہ میں شرکت نہ کر سکا۔ خداوند قدوس حضرت کے مساعی قبول فرمائے۔ ان کو درجات عالیہ سے نوازے اور ان کے صاحبزادے مولانا محمد ابراہیم صاحب فانی کو ان کا صحیح جانشین بنائے۔ آمین

حضرت صدر صاحب
اور
جہاد افغانستان

از حافظ محمد ابراہیم فانی

سابق فرماں روائے افغانستان ظاہر شاہ کو جب سردار داؤد نے ایک خونی انقلاب کے ذریعے تخت وتاج سے دستبردار کیا تو یہ بات محسوس کی گئی کہ افغانستان پر اب کمیونزم مکمل طور پر مسلط ہو گا۔ اور اسی وقت سے دینی حمیت اور اسلامی درد رکھنے والے مسلمان کمیونزم کے خلاف فعال ہوئے۔ بعد ازاں جب سردار داؤد بھی سابق شاہ کی طرح انقلاب سے دوچار ہوا اور نور محمد ترکی نے عنانِ اقتدار سنبھالی تو افغانستان میں مسلح جہاد کا آغاز ہوا۔ افغانستان کی بدلتی ہوئی صورت حال سے اسلامی دنیا پر انتہائی ناخوشگوار اثر ہوا۔ لیکن اس انقلاب سے براہ راست جس ملک کو سامنا تھا وہ پاکستان ہی تھا۔ اور یہ بالکل فطری اور منطقی امر تھا۔ اس لئے کہ افغانستان کے ساتھ نہ صرف ہمارا جغرافیائی تعلق ہے۔ بلکہ دینی، اسلامی اور روحانی رشتہ کی لڑی میں بھی یہ دونوں ممالک آپس میں پروئے گئے ہیں۔ اور اہل علم حضرات تو اس وجہ سے اس انقلاب سے زیادہ پریشان تھے۔ کیونکہ ان کے سامنے سمرقند وبخارا کی خونین تاریخ کی داستانیں

کھلی کتاب کی مانند پڑی تھیں۔

دارالعلوم حقانیہ میں پڑھنے والے افغانی طلبہ اس صورت حال سے انتہائی کبیدہ خاطر اور از حد مشوش تھے۔ اور اکثر حضرت صدر صاحبؒ کے پاس آکر ان کو اپنی تشویش اور ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے۔ ابتداء میں تو حضرت صدر صاحب نے ان کو فرمایا کہ آپ لوگوں کا جذبہ قابلِ تحسین ہے۔ لیکن انفرادی طور سے آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ سوائے اپنا نقصان اٹھانے کے۔ اس لئے ضروری ہے کہ آپ لوگ منظم طریقے سے اس مقدس کام کا آغاز کریں۔ چنانچہ جب افغانستان میں اس دہری اور ملحد حکومت کے خلاف اکا دکا کاروائیاں شروع ہونے لگیں۔ تو ان طلبہ نے حضرت صدر صاحب کو آگاہ کیا آپ نے ان کو جہاد کی اہمیت و فضیلت مجاہد کے مرتبہ و مقام اور راہِ خدا میں شہید ہونے والے کا عنداللہ اعزاز و اکرام پر مختصر بصیرت افروز خطاب فرمایا۔ اور اس طرح سب سے پہلا دستہ جو جہاد کے لئے دارالعلوم حقانیہ سے روانہ ہوا۔ آپ کی ترغیب و تحریض اور آپ کی دعاؤں سے توکلاً علی اللہ میدانِ کارزار میں کود پڑا۔

ان میں سے اکثر شہادت کے ارفع و اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے۔ مثلاً مولانا حافظ عبدالکریم قندہاری۔ مولانا محمد اللہ حقانی۔ مولانا عبدالستار حقانی۔ مولانا محمد ایوب حقانی اور باقی جو بچ گئے ان میں سے اکثر روسی گماشتوں کے ہاتھوں گرفتار ہوتے اور ان کو کابل کے بدنام زمانہ جیلوں میں انسانیت سوز تکالیف و مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔

جو بھی طلبہ جہاد کے لئے جاتے۔ آپ ان کو ضروری ہدایات اور دعا کے ساتھ ساتھ یہ بھی تلقین فرماتے کہ اپنے حالات اور کارناموں سے مجھے حتی الامکان آگاہ کیا کریں۔ چنانچہ چند دنوں بعد مولوی عبدالستار صاحب قندہاری جو بعد میں خلعت شہادت سے سرفراز ہوئے نے ایک مراسلے میں آپ کو لکھا۔

" بعد از رخصتی دارالعلوم حقانیہ بہ غزنی رفتم۔ در صوبہ غزنی امیر مجاہدین مولانا معراج الدین فاضل حقانیہ بود۔ یک بار مجاہدین در کمان او بر فوج شوروی حملہ کرد۔ بسیار ٹینک ہلاک شدہ و پانزدہ صد روسی فوجیان ہلاک۔ دیگر بار حملہ کرد۔ دو عدد جہاز تباہ شد بفضل خداوند تعالیٰ دعائے خیر بہ ہیئت اجتماعی دوبارہ مجاہدین افغانستان بکنید؛"

مولانا شیراجان صاحب جو دورۂ موقوف علیہ کے طالب علم تھے اور بیضاوی شریف میں حضرت صدر صاحب کے شاگرد۔ افغانستان کو جہاد کے لئے روانہ ہونے سے پہلے حضرت کے پاس آئے اور کہا کہ میرا اب یہاں جی نہیں لگ رہا اور وہاں پر میری والدہ بھی اکیلی ہے میرا ارادہ جہاد کا ہے۔ اس دن اس نے بہترین کپڑے پہنے، سرمہ لگایا اور ایک نئے عزم ولولے اور جذبے کے ساتھ روانہ ہوا۔ جیسے ہی وہ گھر پہنچا۔ خلقیوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور اس کو پکڑ کر ایک جیپ کے ساتھ باندھا اور یوں وہ لیلائے شہادت سے ہمکنار ہوا ع

صلہ شہید کیا ہے تب و تاب جاودانہ

جہاد افغانستان کے مشہور زمانہ رہنما مولانا جلال الدین حقانی جو کہ آپ کے محبوب ترین شاگردوں میں سے ہیں۔ جب کوئی میدانِ جہاد یا اس کے زیر کمان محاذ سے آتا تو اس کی خیریت دریافت کرتے اور اس کے مجاہدانہ تگ و تاز پر از حد خوشی اور مسرت کا اظہار فرماتے۔

اسی طرح آپ کے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں بالواسطہ اور بلاواسطہ تلامذہ اس مقدس جہاد میں روسی استعمار کے خلاف برسرپیکار رہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ نام نہاد بہی خواہان جہاد افغانستان سے از حد نالاں تھے۔ جنہوں نے اس مقدس نام پر اپنی لیڈری چمکانے کی دوکان کھولی ہے اور مجاہدین و شہداء کے خون بیچنے کا گھناؤنا کاروبار کر رہے ہیں۔

طلبہ میں سے جب بھی کوئی مجاہد آپ کے پاس ملاقات کے لئے حاضر ہو جاتا آپ کو

ازحد خوشی ہوتی اور ان سے مجاہدین کے فتوحات کی داستانیں بڑے انہماک سے سنتے۔ اور اپنی جیب خاص سے جو بھی میسر ہوتا عطا فرماتے ؎

ہم نے پہلے سامنے اس گل کے خنجر رکھ دیا
پھر کلیجہ رکھدیا دل رکھ دیا سر رکھ دیا
خونِ دل سے کی تواضع مہمانِ عشق کی
سامنے مہمان کے، جو تھا میسّر رکھ دیا

اقوام کے عروج وزوال اور آزادی و غلامی کیلئے بھی اسباب ہوتے ہیں، مانند دوسرے حوادث کے یہ اسباب دو قسم کے ہیں۔ سماوی یعنی امدادِ غیبی اور مادی یعنی عادی اسباب قسم اول کے متعلق پہلے عرض کیا گیا کہ وہ مشروط بالایمان والطاعۃ ہیں۔ ہاں کبھی قانونِ مجازات کے مطابق کافروں کو دوسرے کافروں یا مسلمانوں پر مسلط کرلیتا ہے کما قال تعالیٰ و نذیق بعضھم بأس بعض اور ہم چکھاتے ہیں بعض کو دوسروں کی شدت۔ جیسا کہ یہودیوں پر جالوت، بخت نصر، طیطوس رومی اور ہٹلر وغیرہ کو مسلط کرا دیا اور مسلمانوں پر سزائے جرم کی پاداش میں یا تنبیہ اور عبرت حاصل کرنے کے لیے مختلف ادوار میں نصاریٰ یا تاتاری وغیرہ کا تسلط ہوا۔

مادی اسباب: عروج و آزادی کے عادی اسباب جب کوئی قوم پورے طور پر مہیا کرے (مثلاً اتفاقِ باہمی، مواساۃ، قربانی، راعی و رعایا میں تعاون، طاعت اور اعتماد، مدافعت اور تسلط کے لیے مطابقِ زمانہ ہر نوع اسلحہ کی فراہمی، جفاکشی، ایثار یعنی سیاستِ مدنی و ملکی کے لیے شریعتِ مطہرہ نے بہ تفصیل تمام جو چیزیں بیان کی ہیں) تو حکومت اور غلبہ حاصل ہوگا، کفر اس کے لیے مانع ہوگا۔ آجکل امریکہ اور روس کو جو فوقیت حاصل ہے وہ انہی اسباب مادیہ کی بناء پہ ہے نہ کہ وہ کلمہ گو ہیں۔

(صدر صاحب کے مضمون "یہود کا ذکر قرآن میں" سے اقتباس)

حضرت صدر صاحب

اور

فتنۂ مرزائیت

از۔ حافظ محمد ابراہیم فانی

دینی غیرت و حمیت ان اولوالعزم سرفروشوں کا کام ہے جن کے نزدیک اس دنیائے دنی اور چند روزہ عیش و عشرت کی کوئی وقعت نہیں۔ کیونکہ اس وادی پُرخار میں بہت سے ایسے مشکل مقام آتے ہیں۔ جہاں پائے استقامت میں لغزش اور تزلزل آنے کا خطرہ ہے۔ حضرت صدر صاحب قدس سرہ بھی ان چیدہ اور ملت کی ان برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے۔ جنہوں نے ہمیشہ عزیمت کو رخصت پر ترجیح دی اور اپنے پیشرو اسلاف و اکابرین حضرت الامام الاعظم ابوحنیفہؒ۔ امام احمد بن حنبلؒ، امام ابن تیمیہؒ۔ حافظ ابن قیمؒ۔ عزالدین عبدالسلامؒ۔ مجدد الف ثانیؒ۔ امام ولی اللہ دہلویؒ۔ سیدین شہیدینؒ حضرت نانوتویؒ۔ حضرت گنگوہیؒ۔ شیخ الہندؒ اور حضرت مدنیؒ جیسے اعاظم امت اور اساطین ملت کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مصائب و آلام کی دشوار گھاٹی کو عبور کیا اور سرخرو ہو کر نکلے۔ دشمنانِ دین کے زورِ بازو نے آپ کا بال بیکا کیا۔ اور نہ زر و دولت اور سکوں کی جھنکار آپ کی نگاہِ قناعت اور سیر چشم دل کو خیرہ کر سکی۔ دینِ قیم کے خلاف جو بھی تحریک اٹھتی جو بھی فتنہ سر اٹھاتا۔ اور جس فرقہ نے اس قصر شریعت میں نقب زنی کی کوشش

کی۔آپ کی دور اندیش نگاہیں ان حرکات کو تاڑ لیتیں۔ چنانچہ سب سے پہلے جب علاقے میں مرزائیت کا فتنۂ کبریٰ ابھرا۔ اور بہت سے صاحب جاہ و حیثیت افراد اس کی تبلیغ و اشاعت میں معروف ہو گئے۔ تو آپ نے ان کے ساتھ ہر محاذ پر مقابلہ کیا۔ اس راہ میں آپ کو نہایت مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ جیل تک نوبت پہنچی۔ لیکن یہ مرد قلندر باوجود مہلک بیماریوں کے ان سختیوں کے سامنے سینہ سپر رہے۔ ۱۹۵۳ء میں جب پورے ملک میں تحریک ختم نبوت زوروں پر تھی اور فدایان ختم نبوت خاک و خون میں تڑپ تڑپ کر جان جاں آفریں کے سپرد کر رہے تھے۔ اس وقت آپ کا جوش و ولولہ دیدنی تھا۔ اس دوران صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ خان قیوم نے انتہائی سخت احکامات جاری کئے تھے اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر کسی نے اس تحریک میں حصہ لیا تو میں اس "مولوی" کی زبان کٹوا دوں گا۔ حضرت صدر صاحبؒ نے اس "مرد آہن" کو للکارا۔ اور کہا کہ زبان کیا چیز ہے۔ اگر ہمارے سر بھی ناموس رسالت مآبؐ پر کٹ جائیں تو یہ گھاٹے کا سودا نہیں ؎

ہری ہے شاخ تمنا ابھی جلی تو نہیں — جگر کی آگ دبی ہے مگر بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی — کٹی ہے بر سر میداں مگر جھکی تو نہیں

آپ ہی کی کوششوں اور انتھک محنت سے علاقے میں مرزائیت کا زور ٹوٹا۔ اور ہر میدان میں خواہ وہ علمی میدان تھا یا اور کوئی محاذ۔ ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آپ ہی کے ہاتھوں سے کئی مرزائی توبہ تائب ہو کر صحیح مسلمان ہوئے۔ اس بارے میں آپ حضرت محدث عصر مولانا شاہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، خطیب ملت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور محدث کبیر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کے مساعی کے از حد مداح تھے۔

۱۹۷۴ء میں جب مرزائیت کے خلاف ملک گیر تحریک چلی جس کی قیادت حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرما رہے تھے۔ آپ نے اپنی تقریروں سے اس فتنہ کی شر انگیزیوں سے

عوام الناس کو آگاہ کیا۔ اور جب مرزائیوں کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو آپ کی خوشی قابل دید تھی۔ کیونکہ جس مقصد کے لئے آپ نے ساری زندگی تج دی تھی آج اس مقصد میں آپ کو تھوڑی بہت کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس موقع پر مولانا سمیع الحق صاحب مدیر "الحق" کے اس سوالنامے کہ

۱. آئینی فیصلہ کے بارے میں آپ کے تاثرات اور جذبات۔
۲. کیا اس فیصلہ کے بارے میں ہماری ذمہ داری ختم ہو گئی۔
۳. ملک و بیرون قادیانی فتنہ کے سیاسی اور دینی اثرات۔
۴. ایسے مہلک اثرات کے تعاقب کا طریقۂ کار اور لائحہ عمل۔

کے جواب میں تحریر فرمایا:-

انگریزوں کے زمانہ میں قادیانی مسئلہ کا موجودہ حل نہایت مشکل تھا کیونکہ انگریزوں نے خود اس گروہ کو اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے پیدا کیا تھا۔ گذشتہ زمانہ میں بھی وہ ان کی سرپرستی کر رہے تھے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ تو انگریزی حکومت سے قادیانیوں کے خلاف اقلیت اور کفر کا فیصلہ ان کے مقاصد کے خلاف تھا۔ اگرچہ جزوی طور پر بعض عدالتوں میں ان کو ملت سے خارج قرار دیا گیا تھا۔ اور ان کے بارہ میں فسخ نکاح کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

پھر جب انگریز ملک چھوڑنے لگا اور پاکستان کا نظریہ ظہور میں آیا تو چونکہ یہ نظریہ دو قومیت پر مبنی تھا اور متحدہ ہندوستان کی تقسیم کا دارومدار اکثریت اور اقلیت قرار دیا گیا تو کچھ لوگوں نے جن میں مسلم لیگی پیش پیش تھے ان کو شاید ملکی مفاد کی خاطر غیر مسلم (ہندو سکھ وغیرہ) کے مقابل شمار کیا۔ باوجود اس کے کہ سر ظفر اللہ نے واضح طور پر اعلان کیا تھا کہ احمدی جماعت ان لوگوں کو کافر سمجھتی ہے جو مرزا کی نبوت سے انکار کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ متعارف مسلمان نہیں ہیں اور خود مرزائیوں نے ایک تیسری

قوم کی حیثیت سے الگ ریاست حاصل کرنے کی سعی کی۔ اگرچہ اس وقت بعض لیڈر اور اسلام کے بہی خواہ تنبیہ کر چکے تھے کہ احمدی جماعت اسلام سے خارج ہے ان کو مسلمانوں میں شامل کرنا ملک وملت دونوں کے لئے سخت مضر ہے مگر افسوس کہ ان کی آواز کو نظر انداز کر دیا گیا۔ مگر واقعات نے ظاہر کر دیا کہ وہ لوگ حق بجانب تھے۔

اب بھی وہی لوگ جنہوں نے ان کو مسلمانوں میں شامل کیا تھا تحریک ختم نبوت کے خلاف رہے۔ اور اس مسئلہ کو سیاسی مسئلہ کہہ کر مسلمانوں کے خیالات کو بدلنا چاہا یہ لوگ حتی الامکان اس تحریک کو ناکام بنانا چاہتے تھے ان لوگوں نے ۲۵ سال تک برسر اقتدار رہتے ہوئے انگریز کے اس خودکاشتہ پودے اور مارِ آستین کی پوری حفاظت کی۔ تمام مسلمان چونکہ دیکھتے ہیں کہ مرزائی جماعت والے صلوٰۃ وصوم کے پابند ہیں اور مرزائی مذہب کے اصول وفروع میں قرآنی نصوص اور احادیث سے بعد التحریف استدلال کرتے ہیں۔ مگر یہ تحریفات اور عقائد میں رد وبدل چونکہ عامیانہ فہم سے بالاتر ہیں لہذا عوام ان کو ان کے ظاہری اعمال کی بنا پر ملت میں شامل سمجھتے تھے اور ان کے خلاف تکفیر کا فتویٰ مولویانہ ضد یا احمقانہ سیاست جانتے تھے۔

الحمد للہ کہ قومی اسمبلی نے کافی غور وتامل کے بعد اس مسئلہ کا ایسا حل پیش کیا کہ ایک طرف تو دنیا کے مسلمانوں کے شکریہ کے مستحق ہوئے اور ختم نبوت کے ساتھ صحیح شغف اور سرور کائنات کے ساتھ قلبی محبت کا ثبوت دیا۔ اور دوسری طرف ان لوگوں کے خیالات فاسدہ اور شبہات باطلہ کو ختم کر دیا جو کہ اس تحریک کو احمقانہ سیاست اور مولویانہ ہٹ دھرمی یا کفر سازی کا نتیجہ سمجھتے تھے۔

لیکن مرزائی جماعت پہلے سے اسلام اور مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے، وہ ایک زمانہ سے خواب دیکھ رہے تھے کہ کسی وقت وہ پاکستان پر قبضہ کریں گے اور جو مسلمان یا علماء ان کے خلاف تحریک چلا رہے تھے اور چلا رہے ہیں ان کو بجبر یا لالچ دے

کہ مرزائی بنائیں گے یا ان کو قتل کرائیں گے۔ چنانچہ ان کے معاملات اور بیانات سے واضح ہو چکا ہے۔ اسی خاطر انہوں نے اعلیٰ فوجی عہدوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ بری، بحری اور ہوائی فوج کے افسروں میں اکثریت ان کی ہے۔ سول محکموں کے کلیدی مناصب ان کے ہاتھ میں ہیں۔ بیرونی ممالک میں حکومت کے وسائل سے پرچار کر رہے ہیں مسلمانوں کے خلاف جماعتی اور حکومتی ذرائع استعمال کر رہے ہیں۔ شخصی وسائل اور اثر ورسوخ سے کام لے رہے ہیں ربوہ کا بند شہر ہونا۔ وہاں ہر قسم کا اسلحہ فراہم کرنا۔ وہاں متوازی حکومت قائم کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے امور ان کے ارادوں کی غمازی کر رہے ہیں۔ اب جب کہ ان کے خلاف قومی اسمبلی کا فیصلہ بھی صادر ہوا۔ تو ہر شخص کو محتاط ہونا ہے کہ ان کا جذبہ انتقام اور مسلمانوں کی عداوت کا جذبہ تیز سے تیز تر ہوا ہو گا۔ حالات حاضرہ اس کے شاہد ہیں اور پھر بہت سے نام کے مسلمان ان کے ہمدرد ہیں اور ان کی سرگرمیوں کو جائز سمجھتے ہیں۔

تو ایسی صورت میں عام مسلمانوں کا عموماً اور پاکستانی مسلمانوں کا خصوصاً فرض ہے کہ قوم وملک اور دین کی حفاظت کے لئے پہلے سے زیادہ بیدار ہو جائیں اور ہر قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں واعدوا لهم ما استطعتم پر عمل کریں۔ اور حکومت سے بھی مطالبہ کریں کہ مسلمانوں کے دیرینہ مطالبات پر جلد از جلد عمل کریں۔ اور قوم وملک کو فتنہ سے بچانے کے لئے اپنا فرض ادا کریں۔ ولینصرن اللہ من ینصرہ

باب پنجم

عِلمی افادات ومکتوبات

اُٹھ گیا دُنیا سے دل عزلت گزینی کے لیے
یاد تیری مل گئی ہے ہم نشینی کے لیے

اب یہ عالم ہے ذرا جب بھی کبھی خلوت ہوئی
پھر وہی جانِ تصور پھر حدیثِ دل وہی

بخاری شریف کی آخری حدیث کی تشریح

ضبط وترتیب :- حافظ محمد ابراہیم فانی

دارالعلوم کے تعلیمی سال سنہ ۱۴۰۳ھ کے اختتام پر یہ تقریر ختم بخاری شریف کے موقع پر کی گئی جو ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے ضبطِ تحریر میں لائی گئی۔ (فانی)

خُطبہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔ ونشھد ان سیدنا و مولانا محمداً سید الاولین والاخرین سید الانبیاء والمرسلین عبدہ ورسولہ۔ صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ واتباعہٖ اجمعین۔

اما بعد! وبالسند المتصل الی امیر المؤمنین فی الحدیث ابی عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراھیم بن مغیرہ بن بردزبہ قال باب قول اللہ عزوجل ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ وان اعمال بنی آدم وقولھم توزن۔ وقال مجاھد القسطاس العدل بالرومیہ

و ل القسط مصدر المقسط و ھی العادل و اما القاسط فھو الجائر

حدثنا۔ احمد بن اشکاب قال حدثنا محمد بن فضیل عن عمارۃ بن قعقاع عن ابی زرعۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم ۰

تمہید حدیث شریف کے ترجمہ کی ضرورت نہیں۔ اس میں آٹھ ابحاث ہیں۔

بحث اول بیان ربط ہے۔ آخر کتاب کا اول کے ساتھ یعنی ربط خاتمہ فاتحہ کے ساتھ کہ فاتحہ اور خاتمہ کے درمیان کونسی مناسبت ہے۔ ان دونوں کے مابین کیا ارتباط ہے۔ تو فاتحہ میں بیان بدء کیفیت وحی ہے اور ساتھ ساتھ انما الاعمال بالنیات ذکر کیا ہے اور خاتمہ میں یہ حدیث مذکور ہے کہ بنی آدم کے اعمال و اقوال تولے جائیں گے۔ اور اس طرح اس بحث میں بیان مناسبت ہے۔ اس باب کا کتاب کے ساتھ جو کہ کتاب الرد علی الجہمیہ التوحید ہے۔ تو یہ حدیث اس کتاب کے ذیل میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لائی ہے۔ اس باب اور کتاب کے مابین کونسی مناسبت ہے اور اسی طرح باب مذکورہ کا ارتباط ابواب سابقہ کے ساتھ باب قرأۃ الفاجر والمنافق واصواتہم وتلاوتہم لا یجاوز حناجرہم۔

تو بحث اول میں انہی مناسبات اور ارتباطات کا ذکر ہوگا۔

۱۔ مناسبت خاتمہ فاتحہ کے ساتھ۔

۲۔ مناسبت باب مذکورہ کتاب الرد علی الجہمیہ کے ساتھ

۳۔ اس باب کا ربط ابواب سابقہ کے ساتھ۔

دوسری بحث اس حدیث سے من حیث العربیہ۔ تیسری بحث من حیث اللغۃ یعنی مشکل

لغات سے بحث اس دوسری اور تیسری بحث میں لغت اور ترکیب کے لحاظ سے بیان ہو گا۔ چوتھی بحث ہے رجالِ سند کے بیان میں۔ اس میں حدیث کے راویوں کا بیان ہوگا۔ پانچویں بحث حدیث باب سے من حیث علم الحدیث۔ چھٹی بحث حدیثِ باب سے باعتبار علم الکلام۔ ساتویں بحث باب سے باعتبار تصوف وعرفان۔ آٹھویں بحث امور متعلقہ بالمیزان تو یہ آٹھ ابحاث ہیں۔ بترتیب وار ان کا بیان ہوگا۔

بحث، ربط خاتمہ فاتحہ کے ساتھ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فاتحہ کتاب میں دو امرین ذکر کئے ہیں۔ امر اول بیان کیفیت وحی۔ امر ثانی انما الاعمال بالنیات یعنی مناط اور مدار مقبولیت اللہ کے ہاں نیات ہیں۔ امر اول میں اشارہ ہے اس بات کا کہ حیات انسانی کی تشکیل یہ وحی کے ساتھ منوط اور متعلق ہے۔ جو کہ بواسطہ رسل من جانب اللہ پیغام ہے بندوں کو۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس تمام عالم کا جس کا ایک جزء انسان ہے خالق و مالک اور رب ہے۔ انسان کی حیثیت عبد مملوک مخلوق اور مربوب کی ہے۔ عبد کا فریضہ رضائے مالک کے مطابق کام اور خدمت کرنا ہے۔ اب حیاتِ انسانی کے مختلف شعب اور مختلف زاویے ہیں۔ عقائد و عبادات ہیں معاملات و معاشرات ہیں۔ اخلاقیات وعقوبات ہیں جن کے مجموعے کا خلاصہ سیاست ملی اور سیاست ملکی ہے اسی کا نام دین ہے۔ اور یہ تمام شعب متعلق ہیں وحی من جانب اللہ کے ساتھ۔

ضرورت وحی اور ضرورت رسل انسان کو اللہ تعالیٰ کی مرضی ملحوظ خاطر رکھنی چاہئے کہ عقائد میں رضائے مولا کیا ہے؟ عبادات و معاملات بھی اللہ کی مرضی کے مطابق نبھانے ہوں گے۔ اسی طرح باقی اجزا میں رضائے رب کو دیکھنا ہوگا۔ اور رضائے الٰہی معلوم کرنا بغیر اعلام من اللہ کے ناممکن ہے۔ اس اعلام الشرائع کو وحی کہتے ہیں۔ اس مختصر بات سے ضرورت وحی بھی ثابت ہوئی۔ لیکن وحی سے

ہر شخص مستفید نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہر شخص کے روگ کا یہ کام ہے ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اللہ تعالیٰ اس (عظیم الشان بوجھ) کی برداشت کے لئے اور وحی سے استفادہ کیلئے خاص بندگان پیدا کرتے ہیں۔ جن کی تربیت خداوند قدوس خود فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کو ارشاد ہے۔ "واصطنعتک لنفسی" اور بنایا میں نے تجھ کو خاص اپنے واسطے۔

اس سے ضرورتِ رسالت اور ضرورتِ رسل ثابت ہوئی۔ اس قسم کے پاک باز اشخاص اور قدسی نفوس اللہ تعالیٰ سے استفادہ کرتے ہیں اور بندگانِ خدا کو افادہ دیتے ہیں اس رسالت اور واسطے کو خدا کی ضرورت نہیں بلکہ ہم اس کے محتاج ہیں کیونکہ ہم براہِ راست اللہ تعالیٰ سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہیں کمال تجرد سے اور ہم مادی محض ہیں۔

بطور مثال

جیسا کہ آپ جسم طبعی کو دیکھتے ہیں۔ انسانی بدن گوشت اور ہڈی دونوں سے مرکب ہے۔ ہڈی میں انتہائی درجہ صلابت اور سختی ہے جب کہ گوشت نہایت نرم ہے۔ سختی اور نرمی دونوں کے درمیان تضاد اور باہم دگر تباین ہیں ایک دوسرے سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ اگر ان کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو تو پھر یا تو ہڈی بغیر غذا کے رہ جائے گی اور گوشت بیکار ہو جائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کو دونوں کی نشوونما تناسب سے منظور ہے تو اللہ تعالیٰ نے دونوں عضدوں پیدا کر دیئے جو گوشت سے سخت اور ہڈی سے نرم ہے اس کا دونوں کے ساتھ یعنی عظم و لحم کے ساتھ معتدل تناسب ہے جو دونوں کے لئے قابلِ برداشت ہے اور اسی کے ذریعہ دونوں کے درمیان سلسلہ ربط جاری ہے۔

یہی حال بندوں کا ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے ایسی ذوات پیدا کئے جو انبیاء اور برگزیدہ رسل ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے استفادہ اخذ کرتے ہیں۔ اور مخلوقِ خدا کو پہنچاتے

پس امر اول میں اشارہ ہے اس امر کا کہ تشکیلِ حیاتِ انسانی منوط اور موقوف ہے وحی پر۔ تو وحی و اعلام کو ضرورت پیش آئی۔ اور وحی کا نزول پیغمبر پر ہوتا ہے تو اس سے احتیاج الی الرسل بھی ثابت ہوا۔

عقل رہنمائی میں مستقل نہیں

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو جوہر عقل سے سرفراز فرمایا ہے۔ لیکن ان شعب حیاتِ انسانی میں عقل رہنمائی میں مستقل نہیں۔ جب تک اس کے ساتھ وحی الٰہی کا نور شاملِ حال نہ ہو۔ یہ قاعدہ کیفیت بدء وحی سے حاصل ہوا۔

امر ثانی جو کہ انما الاعمال بالنیات ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کا کہ حیاتِ انسانی بھی شعب ہیں اس کے صرف ظاہری شکل پر آثار مرتب نہیں ہوتے جب تک اس میں روح نہ ہو۔ تم کاغذ یا دیوار پر گھوڑے کا نقشہ اور تصویر کھینچو۔ تو اس پر کیا؟ نہ تم اس پر سوار ہو سکتے ہو۔ نہ تم اس پر گھر پہنچ سکتے ہو نہ بوجھ لاد سکتے ہو نہ تانگہ کھینچ سکتے ہو اس لئے کہ اس میں روح موجود نہیں۔ تو اسی طرح جب ان اعمال میں روح موجود نہ ہو۔ اس پر آثار مرتب نہیں ہو سکتے۔ اور اعمال کی روح اخلاص اور نیتِ خالص لوجہ اللہ ہے۔ تو وہ انما الاعمال بالنیات میں بیان فرمایا۔ ابتداء کتاب سے لے کر یہاں تک دو جلدیں بخاری شریف کی ختم ہوئیں۔ شعب حیات انسانی کی تشکیل ہوئی۔ اور اس کی روح کا بھی بیان ہوا۔

حدیث باب اور کتاب التوحید کے درمیان ربط

کتاب الرد علی الجہمیہ یعنی کتاب التوحید یہ موضوع ہے برائے بیان توحید اور حدیث باب موضوع ہے۔ برائے تنزیہہ و تقدیس کہ اللہ تعالیٰ تمام نقائص سے پاک اور مبرا ہے۔ اور تمام صفاتِ کمال کے لئے جامع ہے۔

سبحان اللہ سے اول معنی حاصل ہوا۔ یعنی پاک ہے پروردگار عالم تمام ان نقائص سے جو منافی ہیں الوہیت و ربوبیت کے۔ اور جامع ہے ان صفات کمال کے لئے جو

ملائم اور مناسب ہیں۔ ربوبیت والوہیت کے ساتھ۔ یہ معنی بحمدہ سے حاصل ہوا۔ اور سبحان اللہ العظیم میں عظمت افعال کی طرف اشارہ ہے۔

صفات سلبی وثبوتی

تو سبحان اللہ سے صفات سلبیہ کی طرف اشارہ ہے اور بحمدہ سے صفات ثبوتیہ کو اور تیسرے جملہ (سبحان اللہ العظیم) سے صفات افعال کو۔ ان تمام کمالات میں خداوند قدوس متفرد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور یہی توحید ہے۔

حدیث باب کی مناسبت ابواب سابقہ کے ساتھ

ابواب سابقہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ افعال عباد جو کہ کتابت وتلاوت اور قرأت ہیں۔ یہ تمام حادث اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں یہ وزن کئے جائیں گے یہ وارد ہیں اس قرآن پر جو کلام نفسی قدیم ہے تو وارد حادث ہے اور مورد قدیم۔

امام بخاری پر ایک شبہ کا ازالہ

امام بخاریؒ نے فرمایا کہ لفظی بالقرآن حادث۔ اس سے ان پر شبہ وارد ہوتا تھا کہ قرآن تو قدیم ہے آپ نے کس طرح اور کیوں اس پر حادث کا اطلاق کیا۔ تو حدیث باب سے اس شبہ کا ازالہ فرمایا اور ابواب سابقہ کے ساتھ مناسبت بھی ظاہر ہوئی۔

بحث من حیث العربیہ اور بحث من حیث اللغۃ

فرماتے ہیں ونضع الموازین القسط لیوم القیامہ لفظ قسط اور قسط (بالفتح والکسر) قسط کسرہ کے ساتھ عدل کو کہتے ہیں۔ انصاف کو کہتے ہیں اور قسط فتح کے ساتھ جور وظلم کو کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے۔

واما القاسطون فکانوا لجہنم حطبا۔ اور جو بے انصاف ہیں وہ ہوئے جہنم کے ایندھن امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ جو امام لغات القرآن ہیں کہتے ہیں کہ قسط حظ نصیب اور حصہ کو کہتے ہیں۔ قاسط اس شخص کو کہتے ہیں جو دوسرے شخص کو اپنا حصہ نہیں دیتا۔ تو یہ جور ہے۔

اور مقسط وہ شخص ہے جو دوسرے کو اپنا حصہ دیتا ہے تو یہ عدل اور انصاف ہے۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ القسط مصدر المقسط اس پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ مقسط تو باب افعال ہے مصدر اس کا اقساط ہے۔ نہ کہ قسط۔ تو اس کی توجیہ آسان ہے یہاں پر عبارت میں حذف مضاف ہے یعنی القسط مصدر مصدر المقسط ہے قسط کا مصدر اقساط اور اقساط کا مبدأ و مصدر قسط ہے جب قسط کو جور کے معنی پر لیا جائے تو پھر ہمزہ اقساط میں برائے سلب آئیگی۔ اندریں صورت سلب جور انصاف اور عدل۔

ونضع الموازین القسط لیوم القیامہ یہاں پر القسط منصوب ہے تو اگر اس کو ہم صفت مان لیں موازین کے لئے۔ تو اس پر سوال وارد ہوتا ہے کہ صفت اور موصوف کے درمیان مطابقت اور موافقت ضروری ہے۔ یہاں پر صفت اور موصوف کے مابین موافقت نہیں۔ کیونکہ القسط مفرد ہے اور موازین جمع ہے۔ تو اس کے مختلف جوابات ہیں۔ ایک جواب یہ ہے کہ قسط مصدر ہے اس کی جمعیت کو ضرورت نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے تقدیر عبارت کچھ یوں ہے۔ ونضع الموازین لاجل القسط اور لاجل القسط متعلق ہے نضع کے ساتھ علت ہے نضع کے لئے۔

ایک اشکال اور تفسیر میں امام بخاری کی عادت

اس کے بعد فرماتے ہیں قال مجاہد القسطاس العدل۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قسطاس کا ذکر کس مناسبت سے یہاں کیا گیا ہے۔ حدیث باب میں تو قسطاس کا ذکر نہیں۔ اس لئے امام بخاری نے کیونکر القسطاس العدل فرمایا۔ لیکن کتاب التفسیر میں آپ امام بخاریؒ کی عادت سے واقف ہو گئے ہوں گے۔ کہ ایک لفظ کسی آیت یا نظم یا سورت میں آیا ہو۔ تو امام بخاری اس دوسرے لفظ کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ چونکہ قسط اس کے ساتھ مادہ میں شریک ہے ق س ط اسی مناسبت سے قسطاس کے معنی کرتے ہیں۔

قرآن پاک میں غیر عربی لغات کے بارے میں علماء کی آراء

قسطاس رومی لفظ

ہے جس کے معنی عدل و انصاف کے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَزِنُوا بِالقِسطَاسِ المُستَقِيم

اور تولو سیدھی ترازو سے

یہاں سے دوسری بحث کا آغاز ہوتا ہے کہ قسطاس تو لفظ رومی ہے اور قرآن پاک متصف ہے عربیت کے ساتھ انا انزلناہ قرآناً عربیاً (الآیہ) ہم نے اسے اتارا ہے قرآن عربی زبان کا۔ تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں لفظ رومی کیسے آیا؟ اس بحث میں علما کے تین اقوال ہیں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم الحمد سے لے کر والناس تک اس میں سوائے عربی کے دوسرا کوئی لفظ نہیں۔ تمام عربی الفاظ ہیں۔ جن الفاظ کے متعلق یہ توہم ہوتا ہے کہ وہ غیر عربی ہیں۔ رومی وغیرہ تو وہ الفاظ غیر عربی نہیں بلکہ عربی ہیں۔ البتہ یہ توارد لغات ہے جس طرح کہ توارد اسامی۔ ایک شخص اپنے بیٹے کے لئے زید نام رکھتا ہے اسی طرح دوسرا شخص اپنے بیٹے کے لئے زید نام رکھتا ہے۔ بایں طور تیسرا شخص۔ ہر ایک کو دوسرے کے بارے میں معلوم نہیں کہ یہ نام فلاں کے بیٹے کا بھی ہے۔ اسی طرح یہاں یہ لفظ عربی میں بھی مستعمل ہے رومی میں بھی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ قرآن پاک میں غیر عربی الفاظ موجود ہیں لیکن بعد التعریب یعنی یہ الفاظ غیر عربی تھے پھر یہ عربی میں منتقل کر دئے گئے۔ عربی میں منتقل ہونے کے بعد ہم ان کو عجمی نہیں کہہ سکتے جس طرح مشکوٰۃ۔ قسطاس۔ سجیل وغیرہ۔

تیسرا قول یہ ہے کہ قرآن کریم میں غیر عربی الفاظ موجود ہیں بغیر تعریب کے۔ یعنی عربی زبان کو منتقل کئے بغیر اس میں غیر عربی الفاظ مستعمل ہیں۔ اور یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ قرآن حکیم تو متصف ہے عربیت کے ساتھ جب اس میں عجمی الفاظ آگئے تو یہ کس طرح عربی ہوا۔ تو اس کی دو توجیہہ ہیں۔

اول توجیہہ تو یہ ہے کہ یہ باعتبار اکثر الفاظ کے قرآنِ کریم کے اکثر لغات عربی ہیں۔ تین یا چار غیر عربی لغات اس میں آئی ہیں تو عربیت قرآن کے لئے قادح نہیں۔ دوسری توجیہہ یہ ہے کہ یہ عربی ہے باعتبار اسلوب کے یعنی قرآنِ کریم کا اسلوب عربی ہے۔ اگر الفاظ اس میں غیر عربی آجائیں تو یہ عربیت قرآن کے ساتھ منافی نہیں۔

موازین کی تحقیق اور علمار کے اقوال

موازین میں دو اقوال ہیں۔ مشہور قول تو یہ ہے کہ موازین جمع ہے میزان کی اور بعض علما فرماتے ہیں کہ جمع ہے موزون کی جس طرح مشاہیر جمع ہے مشہور کی۔

موازین کی جمعیت میں آرار مختلفہ

اب یہاں موازین جمع کیوں لایا۔ آیا میزان کے افراد متعدد ہیں۔ یا کیا وجہ ہے؟ تو اس بارے میں بھی تین آرار ہیں۔ بعض علما فرماتے ہیں کہ ہر شخص کے لئے علیحدہ علیحدہ میزان ہے۔ تو موازین متعدد ہو گئے۔ بعض فرماتے ہیں۔ باعتبار تعداد اعمال کے اور بعض کے نزدیک چونکہ عمّال اور اشخاص مختلف ہیں عاملین متعدد ہیں تو باعتبار عاملین موازین جمع لایا ہے۔ عبارت یہاں مقدر ہوگی۔

ونضع الموازین لحساب یوم القیامۃ۔ اور مراد میزان سے بنا بر قول راجح و مشہور یہی آلہ جسمانی ہے۔ کیفیت اس کی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور معتزلہ کے نزدیک مراد اس سے فیصلہ عدل ہے۔ اس کا بیان آگے آرہا۔

آگے فرماتے ہیں۔ کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن الخ یہاں چار خبر مقدم ہیں اور مبتدار مؤخر ہے۔ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم یہ مجموعہ مبتدار مؤخر ہے اور اخبار مقدم ہیں کلمتان بمعنی کلامان۔ یہ پہلی خبر حبیبتان الی الرحمٰن یہ دوسری خبر خفیفتان علی اللسان یہ تیسری اور ثقیلتان فی المیزان یہ چوتھی خبر ہے۔

فائدہ تقدیم تو یہ چار اخبار مقدم ہیں مبتدار پر کہ سبحان اللہ و بحمدہ باعتبار

بذاالقول فائدہ مصر تشویق ترغیب اور تحریض ہے ۔ دو کلمات ہیں حبیبتان الی الرحمٰن ۔ دل میں شوق جذبہ اور رغبت پیدا ہو وہ کونسے ہیں ۔ پھر فرماتے ہیں خفیفتان اور شوق بڑھ گیا ۔ ثقیلتان فی المیزان ۔ دل میں اور رغبت پیدا ہوئی تو تحریض بمعنی برانگیختہ کرنا ترغیب و رغبت پیدا کرنا تشویق شوق بڑھانا ۔ یہ تقدیم کا فائدہ ہے کہ مخاطب کو معلوم ہو جائے ۔ اس کا شوق اس کے سننے اور یاد کرنے کو پیدا ہو جائے ۔ کہ وہ کلمات کونسے ہیں ۔

" سبحان اللہ وبحمدہ ، سبحان اللہ العظیم "

سبحان اللہ ۔ سبحان مصدر ہے اس کے لئے فعل محذوف ہے ۔ اُسبح سبحان اللہ وبحمدہ اس میں ایک توجیہہ یہ ہے کہ واؤ حالیہ ہے ۔ تقدیر عبارت یوں ہے اُسبح اللہ تسبیحاً متلبساً بالحمد یا واؤ عاطفہ ہے تو پھر فعل کو مقدر کرنا پڑے گا ۔ اسبح والبس بالحمد یا تقدیر فعل از مصدر ثنا لاؤ گے تو عبارت یوں ہوگی ۔ واثنی علی اللہ بحمدہ ۔

آگے فرماتے ہیں سبحان اللہ العظیم ۔ تسبیح ، تقدیس اور تنزیہہ کو کہتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ تمام شوائب نقصان سے پاک ہے تمام شوائب نقصان اس جملہ میں آئے ۔ سبحان اللہ وبحمدہ تمام محامد صرف اللہ کے لئے ثابت ہیں ۔ اس میں منحصر ہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اگر کسی اور کی حمد ہوتی ہے تو وہ بالواسطہ اور مجازاً ہوتی ہے ۔ اس لئے کہ حمد کے لئے احسان صفت کمال اور نعمت ضروری ہے اور اللہ کے پاس کمال کا خزانہ ہے ۔ احسانات اور نعماء کے خزانے اللہ کے ہاتھ میں ہیں ۔ باقی کسی کے پاس بھی نہیں ۔ وما بکم من نعمتہ فمن اللہ ۔ تو صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ دونوں اللہ کے لئے ثابت ہوئے ۔ سبحان اللہ العظیم اللہ پاک عظیم الافعال ہیں ۔

بحث باعتبار سند اور بحث باعتبار علم الحدیث

اس حدیث میں جو سند آئی ہے
حدثنا احمد بن اشکاب الخ

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ تمام رواۃ سوائے صحابی کے کوفیین کوفہ کے رہنے والے ہیں خواہ وہ ابتداءً کوفی تھے یا کوفہ کو منتقل ہو گئے تھے ۔ سوائے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کہ وہ

صحابی اور مدنی ہیں ۔

مغالطہ اور اس کا ازالہ

احمد بن اشکاب ۔ یہ اشکاب لقب ہے احمد کے والد کا ۔ اس کا اصل نام یا معمر ہے یا مجمع ۔ اس اشکاب لقب پر تین افراد ملقب ہیں ۔ احمد بن اشکاب ۔ علی بن اشکاب اور محمد بن اشکاب ۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ کہ بظاہر اس سے یہ توہم پیدا ہوتا ہے کہ یہ تینوں ایک ہی والد یعنی اشکاب کے بیٹے ہیں ۔ حالانکہ ان میں کسی قسم کا اشتراک نہیں ۔ ایک کا گاؤں علیحدہ ۔ دوسرے کا وطن جدا اور تیسرے کا علاقہ کوئی اور ۔ صرف اشکاب کے تلفظ میں اشتراک آیا ہے ۔ ایسا نہیں کہ اشکاب ان کا والد ہے اور ان تینوں کے درمیان اخوت ہے ۔

ابوزرعہ یہ ابوزرع سے روایت کرتے ہیں ۔ ابوزرعہ تین آدمیوں کی کنیت ہے تین راویوں کا کنیہ ابوزرع ہے ۔ حرم بن عمر بن جریر بن عبد اللہ البجلی مدنی اس کو ابوزرع کہتے ہیں ۔ دوسرا ابوزرع دمشقی ہے اس کا نام عبد الرحمٰن ہے تیسرا ابوزرع رازی ہے اس کا نام عبید اللہ بن عبد الکریم ہے ۔ یہاں پر ابوزرعہ سے پہلا یعنی حرم بن عمرو بن جریر بن عبد اللہ البجلی مراد ہے ۔

امام بخاری نے اس حدیث کو تین جگہ بخاری شریف میں ذکر کیا ہے ۔ کتاب الایمان والنذور کتاب الدعوات میں اور تیسرا اس مقام پر یہ حدیث سوائے ابو داؤد کے تمام صحاح ستہ نے ذکر کی ہے ۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ حدیث غریب حسن صحیح ۔ غریب بایں اعتبار کہ صحابی سے لے کر نیچے راوی تک ہر ایک اپنے شیخ میں منفرد ہے ۔ ابوزرع ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ۔ اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ۔ عمارہ بن قعقاع تنہا ابوزرع سے روایت کرتے ہیں ۔ محمد بن فضیل اور اسی طرح احمد بن اشکاب ۔ اس وجہ سے چونکہ ہر طبقہ میں راوی منفرد ہے ۔ اپنے شیخ میں اس لئے اس کو غریب کہا ۔ تو یہ حدیث اس کتاب میں تین جگہ لائی ہے ۔

بحث اس حدیث سے باعتبار علم الکلام

اس سے ثابت ہوا کہ وزن اعمال حق ہے۔ اب وزن کے لئے وازن موزون اور موزون بہ چاہئے اور اس طرح اعمال۔ آیا اعمال اسی ہیئت کذائی پر جب کہ یہ اعراض ہوں وزن کئے جائیں گے یا مجسم کئے جائیں گے یا اعمالنامے تولے جائیں گے۔

اعمال کس طرح وزن کئے جائیں گے

اس میں تین اقوال ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اعمال تو اعراض ہیں ان کو کس طرح وزن کریں گے۔ اب ان کے دماغ صحیح ہو گئے ہوں گے۔ پرانے زمانے میں تو اعراض کی نمائش نہیں کی جا سکتی تھی اب ایک معمولی ڈاکٹر آتا ہے وہ زبان کے نیچے تھرمامیٹر رکھتا ہے اور حرارت کی پیمائش کرتا ہے کہ اتنے درجے حرارت ہے تو اس قسم کے سوالات آج کل بے ہودہ ہو چکے ہیں آج کل لوگوں نے سورج کی شعاعیں وزن کی ہیں کہتے ہیں کہ سورج کی بجلی ۸۰۴۴ من ہے اور تمام دنیا میں یہ جو بجلی پھیلی ہے اور جس پر کارخانے چلتے اور جس پر کاروبار حیات چالو ہے اس کا وزن سوا چھٹانک ہے۔ یہاں سے سورج نو کروڑ تیس لاکھ دور ہے۔ وہاں سے ہم تک جو روشنی پہنچ جاتی ہے اس کی اتنی تپش اور روشنی ہے کہ تمام کائنات اس سے منور ہے حالانکہ کچھ تو راستے میں ضائع ہو جاتی ہے اور ہر شخص کو اس کی گرمی پہنچتی ہے۔ بہرحال اب تو اس قسم کے آلات پیدا ہو گئے ہیں کہ اعراض کو بآسانی ناپتے ہیں بعض علماء فرماتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضؓ سے بھی منقول ہے کہ اعمال مجسم کئے جائیں گے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اعمالنامے یعنی یہ اوراق تولے جائیں گے۔

بحث متعلقہ بالمیزان

میزان سے کیا مراد ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ میزان سے مراد عدل اور انصاف ہے جمہور علماء فرماتے ہیں کہ نہیں یہی آلہ وزن ہے مختلف اشیاء کے مختلف میزان ہیں۔ سونے کا علیحدہ۔ دکاندار کے پاس علیحدہ۔ سٹیشن میں سامان تولنے کا میزان علیحدہ۔ یہ تمام میزان کے اقسام ہیں۔ اس میزان کی کیفیت

اللہ کو معلوم ہے کیونکہ یہ عالم آخرت سے متعلق ہے۔ بہرحال میزان سے یہی جسمانی میزان مراد ہے۔

وازن کے بارے میں اقوال

رہ گئی یہ بات کہ اس کا وازن کون ہوگا۔ تو اس میں بھی اختلاف ہے ایک روایت یہ ہے کہ وازن خود اللہ تعالیٰ ہی ہوں گے۔ کیونکہ آیت میں ونضع صیغہ متکلم لایا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ملک الموت وازن ہوگا۔ کیونکہ لوگوں کو ملک الموت جمع کرتا ہے۔ ان کے ارواح قبض کرتا ہے۔ تو بس یہی عزرائیل وزن کے لئے موزوں ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ وازن جبرائیل امین ہوگا۔ کیونکہ قانون تو اس نے لایا تھا۔ اعمال اس کے موافق ہوں گے یا ناموافق۔ چوتھا قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام وازن ہوں گے۔ امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ تمام اقوال صحیح ہیں۔ اور تمام کو اس میں دخل ہے۔ اللہ یا خود وازن ہوگا یا عزرائیل کہ اس نے ان کے ارواح قبض کئے ہیں۔ یا جبرائیل امین کہ اس نے قانون لایا ہے۔ دیکھتا ہے کہ کس نے قانون کی پابندی یا خلاف ورزی کی ہے۔ یا آدم علیہ السلام جو ابو البشر ہیں۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ ظلم تو کسی کے ساتھ نہیں ہو رہا۔ شفقت پدری کی وجہ سے تو اس کو بھی اس میں دخل ہے۔

موزون لہ میں اختلاف

وہ کون سے اعمال ہیں اور کن لوگوں کے ہوں گے جو تولے جائیں گے۔ امام بخاریؒ کے قول سے ثابت ہوا کہ ان اعمال بنی آدم وقولہم یوزن۔ تو بنی آدم ذکر کیا۔ اس میں پیغمبر بھی آئے، شہداء اور اولیاء بھی، معصومین تمام چھوٹے بڑے اس میں داخل ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ معصومین اور پیغمبر اس سے مستثنیٰ ہیں۔ تیسرا قول یہ کہ کفار کا عمل کے ساتھ کیا کام۔ ان کے پاس حسنات ہی نہیں تاکہ ایک پلڑا میں حسنات اور دوسرے میں سیئات رکھے جائیں تو وازن، موزون اور میزان تمام معلوم ہو گئے۔

آخری بحث من حیث العرفان والتصوف

اس حدیث سے آپ کو یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ کے لئے صفات ہیں سلبی۔ یعنی نقائص سے منزہ ہے اور ثبوتی یعنی صفات کمال کے لئے جامع ہے۔ افعال اس کے افعال خیر ہیں۔ کامل افعال ہیں۔ ہم کو اس میں یہ سبق دیا گیا۔ کہ تخلقوا باخلاق اللہ۔ اپنے آپ سے نقائص دور کریں۔ جو انسانیت کے منافی ہیں۔ کمال انسانیت کے لئے جو صفات مقتضی ہیں وہ اپنے آپ میں پیدا کریں۔ جو کہ علم ہے تخلقوا باخلاق اللہ۔ اپنے افعال نیک کریں۔ صفات کاملہ اپنے آپ میں پیدا کریں۔ نیک کردار نیک گفتار و نیک اطوار نہیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

دعا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دوسرے محدثین اور شراح نے نہایت عرق ریزی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زریں اقوال ہم تک پہنچائے ہیں۔ اللہ ان کا مسکن جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔ اور تمام وہ طلبہ جو اس درس میں شریک ہیں یا پہلے شریک ہوئے تھے اللہ تعالیٰ ان کو فہم وعلم تبلیغ وعمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تعریف علم فقہ ـــــ اور ـــــ علامہ تفتازانی

درس تلویح وتوضیح کی ایک جھلک

ضبط وترتیب :- مولانا سیف اللہ حقانی۔ فاضل دارالعلوم حقانیہ۔ اکوڑہ خٹک

درس کی تمام خوبی حضرت الاستاذ اور خامی وکمی راقم کے سوء فہم کی طرف منسوب کی جائے

شوافع رحمہم اللہ تعالیٰ نے فقہ کی تعریف العلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ من ادلتہا التفصیلیۃ سے کی ہے۔ علامہ عبیداللہ بن مسعود، صاحب تنقیح وتوضیح نے اس تعریف کو مختلف وجوہات سے رد کرتے ہوئے از خود فقہ کی یہ تعریف بیان فرمائی ہے۔

علم بکل الاحکام الشرعیۃ العملیۃ التی قد ظہر نزول الوحی بہا والتی انعقد الاجماع علیہا من ادلتہا مع ملکۃ الاستنباط الصحیح منہا

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مصنف کی اس تعریف پر تلویح میں چار اعتراضات کئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:۔

ثم ہہنا ابحاث الاول ان المقصود تعریف الفقہ المصطلح بین القوم و ہو عندہم اسم لعلم مخصوص معین کسائر العلوم

وعلى ما ذكره هو اسم لمفهوم كلى يتبدل بحسب الايام والاعصار فيوما
يكون علما بجملة من الاحكام ويوما باكثر واكثر وهكذا يتزايد
الى انقراض زمن النبى صلى الله عليه وسلم ثم اخذ تيزايد بحسب الاعصار
وانعقاد الاجماعات وايضا ينقص بحسب النواسخ والاجماع
على خلاف اخبار الاحاد والثانى ان التعريف لا يصدق على فقه
الصحابه فى زمن النبى عليه الصلوٰة والسلام لعدم الاجماع
فى زمانه فكانه اراده انه العلم بما ظهر نزول الوحى به فقط
ان لم يكن اجماع وبه وبما انعقد عليه الاجماع ان كان
ومثله فى التعريفات بعيد - الثالث انه يلزم ان يكون العلم
بالاحكام القياسية خارجا من الفقه وذلك عندهم معظم مسائل
الفقه اللهم الا ان يقال انه فقه بالنسبة الى من ادى اليه
اجتهاده اذ قد ظهر عليه نزول الوحى به وح يكون الفقه
بالنسبة الى كل مجتهد شيئا اخر - الرابع انه ان اريد بظهور
نزول الوحى الظهور فى الجملة فكثير من فقهاء الصحابه لم يعرفوا
كثيرا من الاحكام التى ظهر نزول الوحى بها على بعض الصحابه كما
رجعوا فى كثير من الوقائع الى عائشه رضى الله عنها وعنهم ولم يقدح
ذالك فى فقاهتهم وان اريد الظهور على الاعم الاغلب فهو غير
مضبوط لكثرة الرواة وتفرقهم فى الاسفار والاشغال ولو سلم
فيلزم ان لا يكون العلم بالحكم الذى يرويه الاحاد من الفقه
حتى يصير شائعا ظاهرا على الاكثر فيصير فقها وبالجمله هذا
التعريف لايخ من الاشكال والاختلال۔

اول اعتراض خود شرح سے ظاہر ہے۔ اس کا جواب حضرت الاستاذ نوراللہ مرقدہ نے یوں دیا کہ علامہ تفتازانی عظیم شخصیت ہیں۔ لوگ ان کو علامہ کہتے ہیں۔ یہ اعتراض اول ان کے شایانِ شان نہیں۔ لیکن تعصب بری بلا ہے۔ وہ کبھی کبھار آدمی کو غیر لائق اور غیر مناسب بات کہنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ کونسا علم ہے کہ وہ نام ہو مقدار مخصوص اور معین کا اور قابلِ زیادہ اور نقصان نہ ہو۔

دیکھو نحو ابتدا میں چند مسائل تھے بعد میں اس میں زیادہ آگئی۔ آغاز میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے شاگرد ابوالاسود سے کہا کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ اور کلمہ کی تین قسمیں ہیں۔ اسم۔ فعل۔ حرف۔ اب آپ اس میں زیادت کریں تو جیسا کہ معلوم ہوا کہ نحو ابتدا میں چند مسائل کا نام تھا۔ اور بعد میں بڑھ گیا۔ اسی طرح حال ہے فقہ کا۔

حاصل جواب یہ ہے اگر تعیین بحسب الموضوع مراد ہو۔ سو یہ یہاں موجود ہے۔ کیونکہ موضوع فقہ فعل المکلف ہے۔ اور اگر تعیین سے یہ مراد ہو کہ فقہ چند مخصوص و معین مسائل کا نام ہے تو یہ ممنوع ہے۔ کیونکہ ایسا کوئی علم نہیں کہ چند مسائل مخصوصہ متعینہ کا نام ہو۔ اور قابل زیادہ اور نقصان کا نہ ہو۔

اور اعتراض ثانی کا خلاصہ باعتبار الآخر خلاصہ یہ ہے۔ کہ تعریف میں تردید لازم آتی ہے۔ کیونکہ تعریف کا خلاصہ یوں بنتا ہے ہو العلم بما ظہر نزول الوحی بہ فقط ان لم یکن اجماع وبہ وبما انعقد الاجماع ان کان ومثلہ فی التعریفات بعید۔

حضرت الاستاذ قدس سرہٗ نے جواب میں فرمایا۔

کہ اسی طرح تردید لبعید جب ہوتا ہے کہ مقام میں کوئی اشتباہ ہو اور یہاں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ قطعاً معلوم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اجماع نہ تھا۔ اور بعد کے زمانہ میں متحقق ہوا تو یہ بدیہی طور پر معلوم ہے کہ مسائل اجماعیہ کا اعتبار زمانہ ثانی میں ہوگا۔ نہ کہ زمانہ اول میں۔ یعنی زمانہ جناب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں۔

تیسرے[۱] اعتراض کا جواب خود علامہ تفتازانی نے دیا ہے۔ اور آخر میں اس جواب پر اعتراض کیا ہے۔ چنانچہ کہا ہے۔

و ح یکون الفقہ بالنسبۃ الی کل مجتہد شیئًا آخر لہٰذا فقہ علم واحد نہیں رہے گا بلکہ علوم مختلفہ ہوں گے اور یہ خلاف متقرر ہے۔

اس لئے اصل اعتراض سے ہم یوں جواب دیتے ہیں کہ مسائل قیاسیہ فقاہۃ اور اجتہاد کا نتیجہ ہے فقہ سے جزء نہیں ہیں۔ مگر جب کہ یہ مسائل قیاسیہ فقہ کے ثمرات لازمہ تھے اور یہ مسائل بھی فقہ جیسے نفع بخش تھے اور مکلفین ان مسائل قیاسیہ کو محتاج تھے کاحتیاجہم الی المسائل الفقہیہ عملاً۔ اسی وجہ سے یہ مسائل، مسائل فقہ کے مقارن اور ان کے ساتھ مدون کئے گئے تاکہ ان کے مصالح کی تکمیل آجائے اور یہ مقارنتہ اور تدوین مع المسائل الفقہیہ اسی وجہ سے نہیں کہ یہ مسائل قیاسیہ جزء من الفقہ ہیں۔ لہٰذا علم بالمسائل القیاسیہ کی تعریف فقہ سے خارج ہونے سے کوئی حرج لازم نہیں آتا۔

بنابریں علامہ تفتازانی کا جواب اور اعتراض اختلاف فقہ بالنسبۃ الی کل مجتہد دونوں صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ علامہ نے اپنے جواب سے مسائل قیاسیہ داخل کئے ہیں اور یہ خارج ہیں اور اعتراض اس لئے صحیح نہیں ہے۔ کہ جب مسائل قیاسیہ خارج ہوئے۔ تو فقہ خالی علم بالاحکام الشرعیۃ العملیہ التی ظہر نزول الوحی بہا والتی انعقد الاجماع علیہا من ادلتہا مع ملکۃ الاستنباط الصحیح ٹھہرا۔ اور یہ ایک چیز ہے۔ مختلف اور متعدد نہیں۔

اور چوتھے اعتراض سے (جس کا حاصل شرح سے ظاہر ہے) یہ جواب دیا کہ یہاں ظہور فی عبارت المعو سے وہ معانی مراد نہیں ہیں جو معترض نے ذکر کئے ہیں۔ بلکہ ظہور سے مراد

---

[۱] تیسرے اعتراض کے متعلق جو کچھ لکھا گیا۔ یہ میں نے از خود تکمیلاً للمقام لکھا ہے۔

ظہور للمجتہد لا بتوسط القیاس ہے۔ اور اس تقدیر پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اور یہ ظاہر ہے۔ لہٰذا فقہ کی تعریف میں کوئی اشکال اور اختلال باقی نہ رہا۔

نذرانۂ عقیدت

خدا در انتظارِ حمد ما نیست　　محمدؐ چشم بر راہِ ثنا نیست

خدا مدح آفرینِ مصطفےٰ بس　　محمدؐ حامدِ حمدِ خدا بس

مناجاتے اگر باید بیاں کرد　　بہ بیتے ہم قناعت میتواں کرد

محمدؐ از تو میخواہم خدا را　　خدایا از تو عشقِ مصطفےٰ را

دگر لب وا مکن مظہر فضولیست

سخن از حاجت افزوں تر فضولیست

(مرزا مظہر جان جاناںؒ)

امام بخاری اور قیاس

ضبط۔ مولانا قاضی فضل اللہ جان فاضل حقانیہ

درس بخاری شریف کے دوران ایک حدیث کے ضمن میں استاذنا المحترم مولانا عبدالحلیم صاحب مرحوم قدس سرہ نے امام بخاری اور قیاس کے موضوع پر جامع انداز میں روشنی ڈالی جو افادہ عام کیلئے پیش خدمت ہے۔ (فضل اللہ جان حقانی)

باب ما یذکر من ذم الرای وتکلف القیاس قال اللہ تعالیٰ و لا تقف ما لیس لک بہ علم الخ

بظاہر امام بخاری قیاس کی مذمت کر رہے ہیں۔ جیسا کہ ترجمۃ الباب سے ظاہر ہے اور باب مندرجہ بالا سے اس مذمت پر استدلال بھی فرمایا ہے۔ لیکن درحقیقت وہ مطلق قیاس کی مذمت نہیں کر رہے۔ کیونکہ امام کے جامع کے اکثر تراجم قیاس ہی ہیں۔ بلکہ وہ رائے مجرد اور قیاس فاسد کی مذمت کر رہے ہیں۔ یعنی وہ قیاس جس میں شرائط قیاس موجود نہ ہوں۔ تو سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ قیاس کیا چیز ہے۔ علماء اصول فقہ فرماتے ہیں کہ قیاس شریعت کا اصل رابع ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک منصوص حکم کی علت منصوصہ یا علت مستنبطہ کسی دوسری جگہ میں موجود ہو جائے۔ تو بوجہ اشتراک علت اصل یعنی منصوص کا حکم فرع یعنی غیر منصوص

(علت) شرعی اور شامل ہو جاتے۔ اور یوں غیر منصوص چیز کا شرعی حکم معلوم ہو جاتے۔ لیکن علت میں اشتراک ضروری ہے۔ کیونکہ علت اگر مشترک نہ ہو بلکہ مجرد علم ہو تو پھر یہ قیاس نہیں بلکہ اس کو دلالۃ النص کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کہ ولا تقل لھما اف حرمت اف کی علت ایذا ہے۔ جو سب و شتم اور ضرب میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ سو حرمت سب و شتم بطریقہ دلالۃ النص ثابت ہے۔

قیاس کے لئے شرائط

اول یہ کہ اصل کا حکم مخصوص نہ ہو۔ ورنہ پھر مختص بمورد ہ ہو گا۔ اور غیر کو تعدیہ نہ ہو گا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خزیمہ رض کی منفرد شہادت کو دو شاہدین کے برابر ٹھہرایا۔ اور من شہد خزیمۃ ہو کافیہ فرمایا اور یوں اس کا نام ذوالشہادتین پڑ گیا۔ پس یہاں حکم الاصل مخصوص ہے۔ کوئی دوسرا آدمی کتنا ہی سچا، صادق، متقی اور پرہیزگار کیوں نہ ہو اس کی شہادت دو آدمیوں کے برابر نہیں ہو سکتی۔ حتیٰ کہ اس مخصوص حکم کو اصل بنا کر اس پر اس کا قیاس کیا جا سکے۔

دوم یہ کہ حکم الاصل عقل معدول نہ ہو۔ جیسا کہ مقدرات شرعیہ جو عقل سے معلوم نہیں کئے جا سکتے۔ مثلاً تعداد رکعات نصاب زکوٰۃ وغیرہ۔

سوم یہ کہ قیاس سے حکم الاصل میں تغیر نہ ہونے پائے۔ جیسا کہ کفارۃ الیمین میں کسوۃ کی تملیک لازم ہے۔ اور اطعام کا حکم للاباحۃ ہے۔ سو اگر کوئی اسے بھی تملیک لازماً قرار دے تو اصل حکم تغیر آجائے گا۔

پھر بعض علماء نے مزید تحقیق کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ قیاس کے چند معانی ہیں۔

اول تحقیق مناط۔ یہ کہ حکم اور علت دونوں منصوص ہوں۔ جیسا کہ سرقہ اور قطع ید۔ ایک علت دوسرا حکم۔ اور دونوں منصوص وارد ہیں سو جہاں بھی سرقہ وارد ہو جائے تو قطع ید لازم ہے۔

اور جہاں بھی تعریف سرقہ صادق نہ آتے وہاں قطع ید نہیں۔ مثلاً غاصب اور نباش (کفن کش) کی مثال لیجئے۔ وہاں قطع ید کا حکم نہیں۔ کیونکہ تعریف سرقہ ان پر صادق نہیں آتی۔ کیونکہ علماء نے فرمایا ہے کہ:۔ سرقہ هو اخذ المال الغير المحترم المحترز فی خفية ہے جو غصب اور نبش میں نہیں۔

دوئم۔ تنقیح مناط۔ وہ یہ کہ ایک حکم منصوص اوصاف متعددہ سے متصف ہو۔ اب مجتہد اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ ان جملہ اوصاف میں سے کون سا وصف اس قابل ہے کہ اسے علت گردانا جائے۔ اور جہاں جہاں وہ موجود ہو وہاں پر یہ حکم بھی ثابت ہو جائے یا یہ کہ حکم الاصل میں وصف ایک ہو لیکن مجتہد یہ تنقیح کرے کہ اس میں خصوص مؤثر ہے یا کہ عموم جیسا کہ صوم رمضان کا کفارہ جس میں منصوص علت جماع نہار ہے۔ اب کفارہ کے لئے یہ علت عام مؤثر ہے یا خاص۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس علت میں خصوص مؤثر ہے۔ سو کفارہ صرف زنا وغیرہ میں ثابت ہوگا۔ کھانے پینے میں نہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس علت میں عموم مؤثر ہے کیونکہ یہ علت مفطرات ثلثہ میں عام ہے۔ پس کھانے پینے میں بھی کفارہ لازم ہوگا۔

سوئم۔ تخریج مناط۔ وہ یہ کہ علت منصوص نہ ہو۔ بلکہ علت کا استخراج مجتہد ہی کرے اور پھر اس علت کو متعدی بنا کر غیر منصوص کا حکم معلوم کرے۔ جیسا کہ حدیث ربوا ”الحنطة بالحنطة“ (الحدیث) میں یداً بید مثلاً بمثل والفضل ربوا آیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حرمت ربوا کی علت یہاں قدر اور جنس ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک طعم اور ثمنیت ہے اور امام مالکؒ کے ہاں ثمنیت اور ادخار ہے۔ اب فقہاء کے نزدیک جب قیاس کا ذکر ہو رہا ہو تو یہی قسم ثالث یعنی تخریج مناط مراد ہوگا۔ اور یہی امام بخاری کے نزدیک مذموم ہے۔ اہل ظواہر تو کلی طور پر قیاس کے منکر ہیں اور یہ استدلال کرتے ہیں کہ ”قرآن تبیاناً لکل شئی“ ہے۔ پس قیاس کی ضرورت ہی نہیں رہی لیکن جواباً عرض ہے کہ تبیان کا معنی یہ ہے کہ بیان کا محتاج ہے =

ترتیب و تہذیب:

مولانا سیف اللہ بنوری حقانی

درس بیضاوی کا ایک سبق

تکلیف بمالا یطاق

واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۷۰ء میں دار العلوم حقانیہ میں ہم ان سے بیضاوی شریف پڑھتے تھے ابتدائی چند اسباق پڑھا کر آپ حج پر تشریف لے گئے۔ ان کے بعد بیضاوی شریف حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب مدظلہ سابق شیخ الادب و استاذ حدیث دار العلوم حقانیہ نے ”ان الذین کفروا سواء علیہم ءانذرتہم“ الی لایومنون پڑھایا۔ مگر تفسیر لایومنون رہ گیا تھا تو بنابریں حضرت نور اللہ مرقدہ نے لایومنون سے پھر شروع فرماتے ہوئے درمیان سبق فرمایا کہ اول ہی دن سے مشکل سبق سے تمہیں سامنا کرنا پڑا تم نے اس کو میرے ہی لئے چھوڑا تھا کم از کم یہ تو ختم کر دیتے۔

اس کے بعد استاد نے قاضی بیضاوی کے اس قول والآیة مما احتج بہ من جوز تکلیف مالا یطاق فانہ سبحانہ اخبر عنہم الخ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ مالا یطاق کے معنی ہے مالا قدرة علیہ اور یہاں مالا یطاق سے مراد ممتنع لذاتہ ہے اور جواز سے مراد جواز وقوعی ہے۔ اور فرمایا کہ ممتنع کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ اول یہ کہ نہ قدرت حادثہ کے تحت داخل ہو اور نہ قدرت قدیمہ کے اندر داخل ہو۔ اور اسے ممتنع لذاتہ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ شریک الباری و اجتماع النقیضین۔ اور اس چیز کا قدرت قدیمہ کا مقدور نہ ہونا یہ قادر قدیم کے نقصان کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ نقصان اس مقدور ہی کا ہے۔

متقدمین کے ایک استاد نے ایک طالب علم سے کہا۔ کیا آپ لوہا کھا سکتے ہیں؟ کہا نہیں فرمایا یہ نقصان آپ میں ہے یا لوہے میں۔ فرمایا یہ نقصان آپ میں جب ہوتا کہ لوہا غذا ہوتا اور آپ کھا نہ سکتے۔

۲۔ دوم یہ کہ قدرت قدیمہ کے تحت تو داخل ہوں مگر قدرت حادثہ کے تحت داخل نہ ہوں جس طرح کہ خلق جواہر کا ہوا۔ تم شرح عقائد میں معتزلہ کے خلاف اہل سنت والجماعۃ کے ساتھ پڑھ چکے ہو۔ معتزلہ کہہ رہے ہیں کہ عباد افعال اختیاریہ کا خلق خود کر رہے ہیں لیکن اس میں سب کا اتفاق ہے کہ جواہر کا خالق فقط اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ایضاً اعراض (سوائے افعال اختیاریہ عباد کے) کے خلق میں معتزلہ اہل سنت والجماعۃ کے ساتھ متفق ہیں کہ مثلاً بیاض وسواد وغیرہ اعراض کا عدم سے وجود کو خارج کرنا فقط قدرت قدیمہ کا کام ہے۔

۳۔ سوم وہ ممتنع ہے جو کہ فی نفسہ تو ممکن ہو مگر مانع موجود ہے جس کی وجہ سے ممتنع ہو گیا ہے جس طرح کہ کسی شخص کے پاؤں تم نے باندھ دیئے تو اس کے لئے مشی اس قید اور شد کی وجہ سے ممتنع ہوئی۔ ورنہ فی نفسہ ممکن ہے اور یا مثلاً ایمان ابوجہل کو لیجئے کہ فی نفسہ تو ممکن ہے مگر چونکہ اس کی جانب علوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی اور اخبار بہ لایومنون متعلق ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ممتنع ہو گیا۔ اور یا حکماء کے قول کے مطابق عدم العقل الاول کو لیجئے فانہ ممکن فی نفسہ ممتنع بالغیر (وہو عدم الواجب الذی ہو ممتنع بالذات) لان عدم العقل الاول یستلزم عدم الواجب وہو ممتنع بالذات اور اس قسم کے ممتنع کو ممتنع بالغیر کہا جاتا ہے۔

۴۔ چہارم وہ ہے جو کہ فی نفسہ ممکن ہو۔ اور مانع بھی موجود نہ ہو۔ مگر اتنا ہو کہ مشکل ہو جیسا کہ طیران فی الہواء اور مشی علی البحار ہو اگر یہ ممتنع بالمعنی الرابع ہیں۔

(بیان المذاہب المختلفہ)

بعد ازیں فرمایا کہ جمہور اشاعرہ کا مسلک ہے۔ کہ تکلیف بالممتنع لذاتہ عقلاً جائز ہے۔ مگر شرعاً واقع نہیں ہے۔ اما جوازہ عقلاً سو اس لئے کہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو ممتنع لذاتہ پر مکلف کرے تاکہ اس کا امتحان ہو جائے۔ کہ وہ تسلیم و اعتقاد کرتا ہے یا نہیں۔ کما فی فریضۃ خمسین صلوٰۃ فی المعراج فانہ کان المقصود ہناک الاعتقاد والتسلیم لا الامتثال۔ واما عدم وقوعہ شرعاً فلقولہ تعالیٰ لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا۔ ولانہ یلزم علی تقدیر وقوعہ کون الامر جاہلاً او مستخرا بالمامور وکلا المعنیین غیر متصورین فی حقہ تعالیٰ وہو سبحانہ وتعالیٰ منزہ عنہا۔ اور معتزلہ کہہ رہے ہیں کہ ممتنع لذاتہ پر تکلیف جس طرح کہ شرعاً واقع نہیں ٹھیک اسی طرح عقلاً بھی جائز نہیں۔ کیونکہ تکلیف سے غرض امتثال ہوتا ہے۔ ای ایقاع مامور بہ فی الخارج اور یہ چونکہ ممتنع لذاتہ میں ممتنع ہے لہٰذا تکلیف بھی عقلاً ممتنع ہوئی اور بعض اشاعرہ کالامام الغزالی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ تکلیف بالممتنع لذاتہ جس طرح کہ عقلاً جائز ہے اسی طرح شرعاً واقع بھی ہے اور اس آیۃ مبارکہ ان الذین کفروا سواء علیہم الی لایومنون سے استدلال کر رہے ہیں۔ اور اس طرز استدلال قاضی بیضاوی نے اپنے اس قول والایۃ مما احتج بہ من جوز تکلیف مالا یطاق سے ذکر فرمایا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ اس کے بعد قاضی بیضاوی نے مذہب جمہور اشاعرہ کو اختیار کر کے باقی دونوں فریق (معتزلہ اور بعض اشاعرہ) پر اپنے اس قول۔ والحق ان التکلیف بالممتنع لذاتہ وان جاز عقلاً الخ سے رد فرمایا ہے۔ رد کا حاصل یہ ہے کہ ممتنع لذاتہ پر تکلیف جس طرح کہ جمہور اشاعرہ کہتے ہیں عقلاً جائز ہے۔ اور معتزلہ نے اپنے انکار پر جو دلیل پیش کی ہے اس سے قاضیؒ نے یوں جواب دیا ہے کہ ان الاحکام لاتستدعی غرضاً سیما الامتثال فرمایا وجہ یہ ہے کہ افعال باری تعالیٰ معلل بالاغراض نہیں ہے کیونکہ فاعل بالغرض اپنے نفس کے لئے مستکمل ہوتا ہے اس لئے کہ غرض کا معنی ہے تحصیل کمال غیر حاصل اور اللہ تعالیٰ

میں یہ جائز نہیں ہے اس کہ اللہ تعالیٰ کے تمام صفات کمالیہ حاصل بالفعل نہیں وہاں حالت منتظرہ نہیں ہے۔ اور ایضاً فاعل بالغرض محتاج ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ منزہ عن الاحتیاج لانہ صمد۔ فلہٰذا یہ غلط ہے کہ احکام اور تکلیف کا غرض امتثال ہے حتیٰ یتم استدلال المعتزلہ۔

البتہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ لانہ حکیم والحکیم لایخلو فعلہ عن الحکمۃ۔ لیکن حکمت یہاں امتثال نہیں ہے۔ بلکہ حکمت عبد کا ابتلاء اور امتحان ہے کہ آیا وہ تسلیم و اعتقاد کرتا ہے یا نہیں۔

اس کے بعد استاذ نوراللہ مرقدہ نے فرمایا کہ امام غزالی وغیرہ کے استدلال سے جو انہوں نے اس آیت سے کیا تھا قاضی نے جو جواب والاخبار بوقوع الشیٔ اوعدمہ لاینفی القدرۃ علیہ الخ سے دیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ایمان ابوجہل ممتنع لذاتہ نہیں ہے حتیٰ تم استدلالکم بلکہ از قبیل ممتنع بالغیر کے ہے۔ فرمایا کہ کیا ابوجہل کا کفر ممکن ہے یا نہیں۔ فرمایا ممکن کیا واقع بھی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس نے یہ کفر بالاختیار کیا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جو ذات احد الاضداد میں مختار ہو تو دوسرے میں بھی مختار ہوتا ہے۔ سو ثابت ہوا کہ ابوجہل ایمان میں اختیار رکھتا تھا اور اس کا ایمان فی نفسہ ممکن تھا الا انہ صار ممتنعا بالغیر لتعلق علمہ الازلی واخبارہ تعالیٰ بجانب مخالفہ لہٰذا ابوجہل کا ایمان ممتنع لذاتہ نہ ہوا حتیٰ کہ ان بعض اشاعرہ کا استدلال تام ہو ÷

ضبط و ترتیب
حافظ محمد ابراہیم فانی

کبائرِ ذنوب

حضرت اقدس صدر صاحبؒ نے مسلم شریف کے باب الکبائر واکبرہا پر درس کے دوران صغائر کبائر معاصی پر اپنے منفرد انداز میں روشنی ڈالی۔ یہ تقریر بندہ نے دورانِ درس قلمبند کی تھی اب افادۂ عام کی خاطر پیشِ خدمت ہے ——— (فانی)

اس باب میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے وہ احادیث جمع کی ہیں جن میں گناہِ کبیرہ اور شدید ترین کبائر کا بیان ہے۔ باب کے مجموعہ احادیث میں جو کبائر ذکر کئے گئے ہیں وہ اشراکؔ باللہ۔ عقوقؔ الوالدین۔ شہادتؔ الزور۔ قتل النفسؔ۔ سحرؔ۔ اکل مالؔ الیتیم۔ اکل الربواؔ۔ تولی یوم الزحفؔ۔ قذفؔ المحصنات اور سبؔ وشتم الی الوالدین۔

باب کے متعلق چند مباحث غور طلب ہیں مبحث اول یہ کہ گناہ صغیرہ اور کبیرہ کو منقسم ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مبحث دوم یہ کہ گناہِ صغیرہ کسے کہتے ہیں اور کبیرہ کا مفہوم کیا ہے؟ مبحث سوم یہ کہ ان کی تعداد کتنی ہے؟

مبحث اول گناہ صغیرہ اور کبیرہ کو منقسم ہو سکتا ہے یا نہیں

اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: کُلُّ شیٍٔ نھی اللہ عنہ فھو کبیرۃٌ اس حدیث کی بناء پر امام ابواسحاق اسفرائینی اور قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ہر مخالفت بنسبت جلال خداوندی کے کبیرہ ہے۔ تو گویا یہ حضرات تقسیم کے سرے سے

ہی نہیں اور انہوں نے اس قول کو محقق قرار فرمایا ہے۔ لیکن بخلاف ان حضرات کے جمہور علماء کے نزدیک گناہ منقسم ہے صغیرہ اور کبیرہ کو اور ان کے استدلال سے جواب دیتے ہیں کہ ہمارا کلام گناہ بہ نسبت جلالِ خداوندی میں نہیں۔ بلکہ نفس گناہ میں ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ نفس گناہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض گناہ فوق ہیں بہ نسبت بعض کے اور بعض دون۔ اگر جلالِ خداوندی کی رعایت اور اس کی طرف نسبت کو ملحوظ رکھا جائے تو پھر معمولی لغزش بھی اکبر الکبائر کے زمرہ میں آئے گی۔

تقسیم گناہ پر قرآن و حدیث سے استشہاد

قرآن پاک میں بھی اس تقسیم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ جب کبائر کا اطلاق کیا گیا۔ تو کبائر کا اطلاق تب صحیح ہوگا جب اس کے مقابلہ میں صغائر موجود ہوں۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ اور اسی طرح حدیث باب بھی اس تقسیم پر شاہد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَلَا اُنبئکم باکبرِ الکبائر۔ پس نفس گناہ کی تقسیم بغیر لحاظ نسبت بجلالِ خداوندی کے صغیرہ اور کبیرہ کو صحیح ہے[1]

[1] مذکورہ صدر دلائل کے علاوہ قرآن و حدیث سے اور بھی استشہادات ملتے ہیں چنانچہ سورہ نجم میں فرمان خداوندی ہے والذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم۔ اور امام مسلمؒ نے کتاب الطہارۃ میں یہ روایت ذکر کی ہے مامن امرء مسلم تحضرہ صلوٰۃ مکتوبۃ فیحسن وضوءھا وخشوعھا ورکوعھا الا کانت کفارۃ لما قبلھا من الذنوب مالم یؤت کبیرۃ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں یہ روایت بیان کی ہے الصلوٰۃ الخمس مکفرات لما بینھن ما اجتنب الکبائر اور ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں الصلوٰۃ الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ مکفرات لما بینھن مالم تغش الکبائر بعض روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ منقول ہیں۔ شفاعتی لاہل الکبائر۔ (مرتب)

بحث دوم صغیرہ اور کبیرہ کا مفہوم

یہ مسئلہ بھی علماء کے درمیان اختلافی ہے حجۃ الاسلام ابو حامد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ گناہ کبیرہ ہر وہ گناہ ہے جو بغیر استشعار خوفِ خدا کا ہو۔ یعنی گناہ کرنے والا گناہ میں مبتلا ہو۔ لیکن اس کے دل میں خوف خدا موجود نہ ہو۔ کہ میں یہ گناہ کرتا ہوں۔ اور عدالتِ خداوندی میں مجھ سے اس کے متعلق بازپرس ہوگی تو یہ گناہ، گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن اگر اس گناہ کے ساتھ خوفِ خدا مقرون ہو تو اسی صورت میں یہ گناہ صغائر میں سے ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء فرماتے ہیں لا صغیرۃ مع الاصرار ولا کبیرۃ مع الاستغفار۔

سلطان العلماء عزالدین محمد بن عبد السلام فرماتے ہیں کہ:۔

وہ گناہ جو یہ شخص کرتا ہے اگر اس کا مفسدہ مساوی ہو ان گناہوں کے ساتھ جو کہ منصوص طور پر ذکر ہیں مثلاً قتل سرقہ وغیرہ جن کے بارے میں قرآنی تصریحات موجود ہیں۔ تو کبیرہ ہے۔ اور اگر اس کا مفسدہ مساوی نہ ہو بلکہ کم ہو تو یہ صغیرہ ہے۔ ابو عمر بن صلاح کے نزدیک گناہ کبیرہ وہ گناہ ہے جو مقرون باللعن والطعن ہو یا اس کے متعلق وعید بالنار یا ایجاب حسد آیا ہو۔

اور امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

گناہ کبیرہ کا مفہوم یہ ہے ما کان فیہ المظالم بینک وبین العباد اور صغیرہ وہ گناہ ہے۔ ما کان بینک وبین اللہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ان کے مابین فرق باعتبار مبادی اور مقاصد کے ہے۔ مثلاً اگر کسی کا مقصد اور ارادہ اجنبیہ کے ساتھ باتیں کرنا ہو تو یہ گناہ کبیرہ اور اگر کوئی یہ (باتیں) وسیلہ بناتے ہوں زنا کے لئے تو یہ گناہِ صغیرہ بنا بریں مقاصد کبیرہ اور مبادی صغیرہ ہیں اور جو حضرات گناہ صغیرہ اور کبیرہ کو امور اضافیہ میں شمار کرتے ہیں تو ان کے نزدیک مفہوم یہ ہے کہ ہر مافوق گناہ بہ نسبت ماتحت کے کبیرہ ہے۔

مبحث سوم۔ صغائر اور کبائر کی تعداد کتنی ہے؟

یہ بحث بھی اختلافی ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کبائر ستّر ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف یہ قول منسوب ہے اور ان کے شاگرد سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ کبائر سات سو ہیں۔ اور بعض نے سبع الموبقات سے استدلال کر کے سات پر قول کیا ہے۔ لیکن اس بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ لا تحدید فیہ۔ اور جن حضرات نے ستّر وغیرہ خاص عدد کی نشاندہی کی ہے تو ان کے نزدیک بھی تحدید مقصود نہیں بلکہ کثرت مراد ہے جس طرح کہ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے۔

اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ تو سبعین سے مراد یہاں عدد خاص نہیں بلکہ مطلق کثرت ہے۔

امام ابوطالب مکی قوت القلوب میں فرماتے ہیں کہ منصوص علیہا کبائر ستّرہ ہیں جن میں سے چار زبان سے متعلق ہیں۔ ۱۔ قذف المحصنات۔ ۲۔ یمین غموس۔ ۳۔ سحر۔ ۴۔ شہادۃ الزور اور چار کا تعلق قلب سے ہے۔ ۱۔ شرک۔ ۲۔ یاس من رحمۃ اللہ۔ ۳۔ عدم خوف من عذاب اللہ۔ ۴۔ علی المعصیۃ اور تین بطن سے متعلق ہیں۔ ۱۔ شراب۔ ۲۔ اکل الربوا۔ ۳۔ اکل مال الیتیم۔ دو کا تعلق ہاتھ سے ہے۔ ۱۔ قتل۔ ۲۔ سرقہ۔ دو کا تعلق فرج سے ہے۔ ۱۔ زنا۔ ۲۔ لواطت ایک کا تعلق پاؤں سے ہے۔ ۱۔ تولی یوم الزحف۔ اور ایک کا تعلق تمام بدن سے ہے۔ ۱۔ عقوق الوالدین۔ تو یہ تمام ستّرہ ہوئے۔

الاشراک باللہ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ صفات وجوب الوجود یا لوازم الوہیت میں شریک ماننا۔ اس کو شرک کہتے ہیں یہ ناقابل معافی گناہ اور اکبر الکبائر میں سے ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ یہاں اس مقام پر شرک سے مراد مطلقاً کفر ہے۔ عرب میں شرک غالب تھا اس وجہ سے بجائے کفر کے شرک کا اطلاق کیا گیا۔ شرک خاص ہے

اور کفر عام ہے شامل ہے۔ دہری زندیق فلسفی معطل وغیرہ کے لئے۔ شرک فی الاعتقاد اور شرک فی العبادات کے کئی اقسام ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہے جس کا ارتکاب ثنویہ اور مجوس نے کیا ہے یہ گروہ دو خداؤں پر یقین اور اعتقاد حقیقت رکھتا ہے۔ ایک خدا کو صانع حکیم اور دوسرے کو صانع سفیہ کہتے ہیں۔ صانع حکیم مبدا خیر ہے اور صانع سفیہ شر کا مصدر ہے شرک کی دوسری قسم جس میں صابئین مبتلا ہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ علم و حکمت وجوب وجود اور قدرت تو خدا کے ساتھ خاص ہیں۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے نظام کائنات تدبیر عالم اور انتظام خیر و شر نجوم و کواکب کو تفویض کیا ہے۔ پس چاہئے کہ ہم ان نجوم و کواکب کے ساتھ انتہائی محبت اور بغایت تعظیم کے ساتھ پیش آئیں جو کہ عبادت کے بغیر ممکن نہیں شرک کی تیسری قسم جو کہ ہنود کے ہاں رائج ہے یہ ہے کہ روحانیات غیبیہ جو کہ ہم سے پوشیدہ اور پردۂ خفا میں ہیں۔ عالمی امور اور تکوین کائنات کے مدبر ہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ ہمیں چاہئے کہ ان روحانیات غیبیہ کو خوش شکل صورتوں یا سونے چاندی کی مورتی کی صورت میں بنا کر ان کی تعظیم کریں تاکہ یہ روحانیات غیبیہ ہم سے راضی ہو کر ہماری حاجت روائی کریں۔ شرک کی چوتھی قسم جو کہ بعض ناعاقبت اندیش پیر پرستوں کا عقیدہ ہے کہ جب نیک بزرگ مستجاب الدعوات شخصیت فوت ہو جائے تو اس کی روح میں غیر معمولی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ پس جو کوئی شخص اس صورت کو بتوجہ تام ذہن میں مستحضر کرے۔ یا اس کی نشست و برخاست کی جگہ یا اس کی گور پر سجدہ ریز ہو جائے اور مکمل تذلیل اختیار کرے تو یہ روح اس پر آگاہ ہو کر دنیا و آخرت میں اس کی شفاعت کرتی ہے۔ پانچویں قسم شرک کی یہ ہے جس پر جاہلوں کی ایک جماعت کا عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی ذات میں پاک ہے اس بات سے کہ اس کی کوئی عبادت کرے۔ پس اس کی عبادت کا طریقہ یہ ہے کہ مخلوقات میں کسی ایک شئی کو لا علی التعیین قبلہ توجہ بنا کر اس کی پرستش کی جائے۔ اس شئی کی طرف توجہ بعینہ توجہ خدا کی طرف ہے۔ شرک کے یہ پانچوں اقسام شرک فی الذات شرک

فی الصفات اور شرک فی لوازم الالوہیت میں داخل ہیں۔

عقوق الوالدین عقوق عق سے ماخوذ ہے بمعنی قطع (و منہ العقیقہ) یعنی والدین کی نافرمانی۔ اکبر الکبائر میں سے ہے۔ خداوند قدوس فرماتے ہیں۔ وصینا الانسان بوالدیہ حسنا۔ وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی اطاعت گزاری واجب ہے تاوقتیکہ وہ بالمعصیت نہ کہے۔ وان جاھداک علی ان تشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما اور حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ فرائض میں تو بالاتفاق معصیت ہے جب والدین اپنے بیٹے کو حکم دیں کہ فرض چھوڑ دو اور ہمارا یہ کام کرو۔ تو اس صورت میں ان کا حکم ماننا معصیت ہے۔ البتہ سنن رواتب و زوائد میں تفصیل ہے۔

ان کی ایذا رسانی خواہ وہ فعلی ہو قولی ہو یا اشارتی۔ ان تمام سے کلی اجتناب برتنا چاہئے۔ ولا تقل لھما اف ولا تنھرھما۔ حملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھا

حکایت خلیفہ ہارون الرشید کے پاس ایک بوڑھی عورت نے اپنے بیٹے پر شکایت کی کہ میرا بیٹا مجھ پر ظلم کرتا ہے۔ مجھے مارتا ہے اور گالیاں دیتا ہے۔ خلیفہ نے جب بوڑھی عورت کی یہ شکایت سنی تو مارے غصہ کے پیچ وتاب کھانے لگا۔ حکم دیا کہ اس کے بیٹے حاضر کیا جائے۔ جب اس کا بیٹا ہارون الرشید کے دربار میں حاضر ہوا تو خلیفہ نے کہا کہ اس لڑکے کے پیٹ کے ساتھ پانی کا بھرا ہوا گھڑا باندھو۔ پورے دس مہینے گزرنے کے بعد ہم اس کے لئے سزا تجویز کریں گے۔ تو ایذا رسانی الوالدین اکبر الکبائر میں سے ہے۔ اس وجہ سے اس کو اشراک باللہ کے ساتھ ذکر فرمایا۔[1]

---

[1] قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ولا تجعل مع اللہ الٰھا آخر (باقی اگلے صفحہ پر)

شہادۃ الزور زور لغت میں تحسین الشیٔ فی اعین الناس الذی لایکون حسینا یعنی کسی شئ کو لوگوں کی نظروں میں خوبصورت دکھانا جو درحقیقت خوبصورت نہ ہو۔ ملمع سازی، تلبیس، خداع اور باطل کے معنی پر آتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ والذین لایشھدون الزور اور اجتنبوا قول الزور۔ شہادت سے مراد اگر شہادت عرفی لی جائے جو کہ دعاوی میں مستعمل ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا۔

شہادۃ الزور شہادت الکذب وشہادت الباطل لتحلیل الحرام ولتحریم الحلال او لاتلاف مال الغیر۔ اور اگر شہادت بمعنی حضور لیا جائے تو اندریں صورت معنی یہ ہوگا حضور فی مجالس الفسق والفجور۔ اور معنی آیت پہلی صورت میں والذین لایشھدون الزور ای والذین لایشھدون بالباطل لتحریم الحلال او التحلیل الحرام ولا تلاف مال الغیر کما فی صورت النکاح او الدعوی الباطل وغیرھما اور دوسری صورت میں معنی آیت یوں ہوگا۔ والذین لایشھدون الزور۔ ای لایحضرون فی مجالس الکفر والشرک او محافل الفسق والفجور۔ اور جس روایت میں قول زور آیا ہے بجائے شہادت الزور کے۔ تو اس سے مراد کفر اور شرک ہے۔

قتل النفس کسی شخص کو بغیر جرم کے قتل کرنا ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق۔ ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جھنم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔ وغیر ذالک من الآیات والآثار۔

بقیہ گذشتہ صفحہ فتقعد مذموما مخذولا۔ وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا۔ الآیۃ۔ قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم الا تشرکوا بہ شیئا و بالوالدین احسانا الآیۃ (مرتب)

سحر | قرآن پاک میں جابجا سحر کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔

وما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس السحر۔ یخیل الیہ من سحرھم۔ ولا یفلح الساحر حیث اتی۔ والقی السحرۃ سجدا۔

سحر کے متعلق چند ضروری مباحث ہیں

بحث اوّل۔ سحر کا لغوی مفہوم۔ بحث دوم۔ سحر کی شرعی حقیقت بحث سوم۔ سحر کے لئے کوئی حقیقت ہے یا یہ محض فریب خیال اور شعبدہ بازی۔ بحث چہارم۔ سحر سے انقلاب فی الماہیت آسکتا ہے یا نہیں۔ بحث پنجم۔ سحر کے اقسام۔ بحث ششم سحر کا حکم۔ بحث ہفتم۔ سحر اور معجزہ میں فرق۔

سحر کا لغوی مفہوم

لغت کے اعتبار سے سحر امر مخفی اور پوشیدہ چیز کو کہتے ہیں[1] جیسا کہ علماء اصول و لغت فرماتے ہیں کل صادق و لطف مأخذہ جو نہایت ہی دقیق باریک اور اس کا مبداء و مصدر عمیق و لطیف ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے مأخذ کا سبب معلوم نہ ہو۔ پس ہر وہ نادر چیز اور غریب شئ باعتبار لغوی عموم کے سحر کے معنی میں آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام رازی کے پیش نظر وہ تمام اشیاء جو عام نگاہوں میں تعجب خیز ہوں سحر کے زمرہ میں آتے ہیں۔

سحر کی شرعی حقیقت

اصطلاح میں سحر کی تعریف امر خارق للعادۃ تصدر عن نفس شریرۃ بمزاولۃ الاسباب الممنوعۃ فی الشرع اور شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ سحر حاصل کردن قدرت است بر افعالِ عجیبہ خارقہ عادت مزاولتِ اسبابِ خفیہ بے توسل بجنابِ الٰہی بدعا یا تلاوت اسمائے او دلے نسبت آں

---

[1] اعلم ان لفظ السحر فی عرف الشرع مختص لکل امر یخفی سببہ و یتخیل علی غیر حقیقتہ۔ تفسیر کبیر ج ا۔

افعال بقدرت او تعالیٰ۔ امر خارق للعادۃ کا اطلاق اس پر باعتبار قدرت اور غربت کے کیا گیا ہے

سحر کیلئے کوئی حقیقت ہے یا یہ محض فریب خیال اور شعبدہ بازی ہے

سحر کی حقیقت و فریب خیال ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ سحر واقعی ایک حقیقت ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ضرر رساں اثرات رکھے ہیں۔ اس واسطے امام نووی فرماتے ہیں:-

والصحیح ان لہ حقیقۃ وبہ قطع الجمہور وعلیہ عامۃ العلماء بخلاف اس رائے کے امام اعظم ابو حنیفہؒ۔ ابوبکر جصاص۔ ابو اسحاق۔ اسفرائینی۔ شافعی۔ علامہ ابن حزم ظاہری ابو جعفر استر آبادی اور بعض معتزلہ فرماتے ہیں۔ کہ سحر کی حقیقت فریب خیال اور شعبدہ بازی کے علاوہ اور کچھ نہیں[1]

---

[1] امام رازی بھی جمہور کے خلاف ہیں چنانچہ اپنی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں۔

ومتی اطلق فہو اسم لکل امر مموہ باطل لا حقیقۃ لہ ولا ثبات۔ اور ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ وقد ذکر الوزیر ابو مظفر یحیی بن محمد بن ھبیرہ فی کتابہ الاشراف فی مذھب الاشراف۔ بابا فی السحر فقال اجمعوا علی ان السحر لہ حقیقۃ الا ابا حنیفۃ فانہ قال لا حقیقۃ لہ عندہ۔ قال ابو عبید اللہ القرطبی وعندنا ان السحر حق ولہ حقیقۃ ویخلق اللہ عندہ ما یشاء خلافا للمعتزلۃ وابو اسحاق الاسفرائینی من الشافعیۃ حیث قالوا انہ تمویہ او تخیل۔

اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ واختلف فی السحر فقیل ھو تخییل فقط ولا حقیقۃ لہ وھذا اختیار ابی جعفر الاستر اباذی من الشافعیہ وابی بکر الرازی من الحنفیۃ وابن حزم الظاھری وطائفۃ۔

سحر سے انقلاب فی الماہیت آسکتا ہے یا نہیں

یہ مسئلہ بھی علماء کے مابین نزاعی ہے جو فریق اس کے فریب خیال کا قائل ہے ان کے نزدیک تو انقلاب فی الماہیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جس گروہ کے نزدیک اس کے لئے تاثیر اور حقیقت ہے تو ان کا آپس میں اختلاف ہے جمہور کے نزدیک سحر میں یہ تاثیر قطعاً موجود نہیں کہ اس سے کسی ماہیت میں انقلاب آجائے۔ بلکہ اس مرحلہ پر یہ محض فریب خیال اور شعبدہ کے علاوہ اور کچھ نہیں جس طرح کہ سحرہ فرعون نے رسیوں سے سانپ بنائے تھے تو اس کے متعلق قرآنی صراحت موجود ہے۔ یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعٰی۔ تو اس میں یہ تاثیر قطعاً موجود نہیں کہ انقلاب فی الماہیت اس سے ظہور پذیر ہو جائے۔ امام راغب اصفہانی نے بھی یہی قول مختار کیا ہے۔ ہاں انقلاب فی الکیفیت اور تغیر فی المزاج کی حد تک اس میں تاثیر موجود ہے[1]

---

[1] حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:-

لکن محل النزاع هل یقع بالسحر انقلاب عین اولا۔ فمن قال انه تخیل فقد منع ذلک ومن قال ان له حقیقة اختلفوا هل له تاثیر فقط بحیث یغیر المزاج فیکون نوعاً من الامراض او ینتهی الی الاحالة بحیث یصیر الجماد حیواناً مثلاً وعکسه فالذی علیه الجمهور هو الاول وذهبت طائفة قلیلة الی الثانی۔

اور محدث عصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:-

ثم ان السحر له تاثیر فی التقلیب من الصحة الی المرض وبالعکس۔ اما فی قلب الماهیة فلا۔ وما یتراءی فیه من قلب الماهیة لا یکون فیه الا التخییل الصرف قال تعالیٰ یخیل الیه من سحرهم انها تسعیٰ۔ فلم تنقلب الحبال الی الحیات

دوسرا فریق اس کی تاثیر فی الماہیت اور تاثیر فی الکیفیت دونوں کا قائل ہے یہ گروہ حضرت کعب احبار کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: لولا کلمات اقولهن لجعلتنی الیهود حمارا۔ بہرحال جمہور کے نزدیک انقلاب فی الکیفیت کی حد تک اس میں تاثیر موجود ہے[1]

سحر کے اقسام

امام راغب اصفہانی اور علامہ ابن خلدون نے سحر کے مختلف اقسام بتائے ہیں۔ اور شاہ عبدالعزیزؒ نے آٹھ اقسام کی تفصیل بتائی ہے پہلی قسم جو کہ ان میں مشکل ترین اور قوی تر سحر ہے۔ وہ اہل بابل اور کلدانین کا تھا۔ یہ علم انہوں نے ہاروت و ماروت سے سیکھا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے نظریہ کی تردید اور ان کے عقیدہ کے بطلان کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔ انہوں نے عہد نمرود میں شہر بابل میں چھ طلسم بنائے تھے۔ جو نہایت ہی محیر العقول اور حیرت زا تھے۔ ایک یہ کہ تانبے کی ایک بط بنائی تھی کہ اس میں یہ خاصیت تھی کہ جب کبھی کوئی غیر ملکی جاسوس، چور یا ڈاکو شہر بابل میں داخل ہوتا تو اس بط میں سے عجیب و غریب آوازیں نکلتیں شہر والے فوراً جان لیتے کہ کوئی چور یا ڈاکو وغیرہ آیا ہے۔ پس اس کی بے ہنگم آوازوں سے سارا شہر بیدار

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ۔ ولکن خیل اللّٰہ الیه انها انقلب۔ وهذا ما نسب الی ابی حنیفة ان فی السحر تخییلا فقط۔ لا یرید به نفی التاثیر مطلقاً۔ فانه معلوم مشهور بل یرید به نفی التاثیر حتی الماهیات۔ ولاریب ان لیس له فیه تاثیر غیر تخییل من ههنا ظهر الفرق بین المعجزة والسحر فان المعجزة خالیة عن التخییل فهی علی الحقیقة البحتة ونفس الامر المعروف۔ ولهذا قال تعالیٰ فاذا هی تلقف ما صنعوا۔ الی جعلت تفعل فعل الافعوان من بلع الحیات واکلها۔ ولو کان تخییلا فقط لم تفعل ذالک فنبه علی تحقیقها وحقق تخییل السحر۔ [1] فلاسفہ کے نزدیک انقلاب فی الماہیت محالات میں سے ہے۔

ہو کر اس جاسوس یا چور کے تعاقب میں نکلتا۔

دوسرا انہوں نے ایک طلسمی نقارہ ایجاد کیا تھا کہ جس کسی کی کوئی چیز گم ہو جاتی۔ اس نقارے کے پاس آتا اور چوب سے اس نقارے کو پیٹتا اس میں سے یہ آواز آتی کہ فلاں شخص کا فلاں گم کردہ چیز فلاں جگہ موجود ہے۔

تیسرا انہوں نے ایک طلسمی آئینہ تیار کیا تھا۔ جس سے غائب شخص کا حال معلوم ہو جاتا۔ جب کوئی شخص کسی غائب شخص کی تلاش میں رہتا۔ اس آئینہ کے پاس آکر دیکھتا تو وہ گم شدہ شخص صحیح، بیمار، مقتول یا جس انداز میں جہاں بھی ہوتا دکھائی دیتا تھا۔

چوتھا ایک طلسمی حوض بنایا تھا جس کے کنارے ہر سال جشن منعقد ہوا کرتا تھا جس میں اشراف و اعیانِ شہر شرکت کیا کرتے تھے جو کوئی شخص جس قسم کا شربت وغیرہ اس حوض میں ڈالتا۔ ساقی جب حوض میں پیالہ ڈبوتا تو اسی شخص کے لئے وہی چیز نکلتی جو اس نے پھینکی ہوتی

پانچواں فیصلہ مقدمات کے لئے ایک طلسمی تالاب تھا۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں اس تالاب میں کودتے۔ پس ان دونوں میں سے جو بھی حق پر ہوتا پانی اس کے ناف تک پہنچ جاتا اور جو ظالم ہوتا وہ اس حوض میں غرق ہو جاتا۔

چھٹا۔ ایک طلسمی درخت تھا جس کے نیچے نمرود دربار لگایا کرتا تھا۔ جس قدر آدمی زیادہ ہوتے جاتے تھے اس کا سایہ اس طرح بڑھتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک لاکھ تک آدمیوں کی تعداد پہنچ جاتی۔ سایہ بھی اس قدر وسیع ہو جاتا۔ ایک لاکھ سے جب تعداد بڑھتی سایہ بالکل ختم ہو جاتا۔ نمرود بھی اس علم کے ساتھ نہایت توغل اور انہماک رکھتا تھا۔

دوسری قسم سحر تسخیرِ جن و شیاطین ہے۔ تیسری قسم کسی قوی اور مضبوط شخص کی روح کو شیطانی ناموں کے ذریعہ مسخر کر کے اس سے مطالب برآری کرنا۔ چوتھی قسم افسادِ تخییل جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحرۂ فرعون نے کیا تھا۔ اس قسم کے سحر کو نظر بندی کہتے ہیں۔ پانچویں قسم تعلیق الوہم ہے۔ اس کا رواج ہندوؤں میں عام تھا۔ چھٹی قسم سحر نیرنج ہے۔

یعنی خواص اشیاء کے ذریعہ افعال عجیب صادر کرنا۔ ساتویں قسم سحر حیل ہے۔ آٹھویں قسم سحر شعبدہ۔ تو یہ آٹھ اقسام شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بالتفصیل ذکر کی ہیں۔

سحر کا حکم

امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں۔ کہ اگر سحر متضمن ہو شرک کے لئے یعنی اس میں استعانت بالارواح الخبیثہ یا بالشیاطین ہو۔ یا ان کی اس طرح تعظیم کی جائے جس طرح خدا کی تعظیم ہو بسبب عموم قدرت و علم کے۔ تو یہ سحر کفر ہے۔ یا اس ساحر کا یہ دعوٰی ہو کہ بسبب سحر کے مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ میں خدائی جیسے کام سرانجام دوں تو یہ کافر اور واجب القتل ہے۔ اور اگر ان مذکورہ باتوں کے لئے متضمن نہ ہو تو اس صورت میں فعل حرام اور گناہ کبیرہ ہے فقہاء کرام نے سحر اور ساحر کے مختلف احکام بسط و تفصیل سے ذکر کئے ہیں[1]

سحر اور معجزہ میں فرق

جیسا کہ اسباب میں تاثیر پیدا کرنا خداوند قدوس کا فعل ہے اسی طرح ان پر مسببات کا ترتب بھی فعل خداوندی ہے

---

[1] روی یونس عن الزھری قال یقتل ساحر المسلمین۔ ولا یقتل ساحر اھل الکتاب عن عمر بن عبد العزیز قال یقتل الساحر۔ قال ابو حنیفہ رحمہ اللہ الساحر یقتل اذا علم انہ ساحر ولا یستتاب ولا یقبل قولہ انی اترک السحر واتوب منہ فاذا اقر انہ ساحر فقد حل دمہ احکام القرآن لابی بکر الجصاص ج۱ ص۵۷ یہ ساحر کا حکم ہے اور سحر کے بارے میں فتاوٰی ہندیہ میں لکھا ہے (العلوم ثلثہ) علم نافع یجب تحصیلہ وھو علم معرفۃ المعبود وخلق الاشیاء سوی اللہ تعالیٰ وبعد ذالک العلم بالحلال والحرم والنواھی وما بعث الانبیاء بہ۔ وعلم یجب الاجتناب منہ وھو سحر وعلم الحکمۃ والطلسمات وعلم النجوم تاہم نفس اجتناب کی غرض سے سیکھنا مرخص ہے۔

عام سنت اللہ تو یہی ہے کہ اسباب پر مسببات مرتب فرماتے ہیں لیکن کبھی کبھی سنت عامہ کے خلاف بدون سلسلۂ اسباب و مسببات کے اپنی قدرت عامہ کا مظاہرہ فرماتے ہیں جو کہ بادی النظر میں خلاف عادت کام ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ خلاف عادت نہیں ہوتا۔ بلکہ عادت خاصہ کا ظہور ہوتا ہے[1]

معجزہ وہ خدائی فعل ہے جو بدون توسط اسباب کے کسی مدعی نبوت کے ہاتھوں پر ظاہر ہو جائے اور جس پیغمبر کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر کرایا جائے اس کو خود اس کا علم نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کا اس پر کچھ بس چلتا ہے۔ مثلاً آگ سبب ہے جلانے کا اس میں جلانے کی تاثیر خدا کے حکم پر منحصر ہے۔ اب اگر کوئی آگ لگائے اور اس سے کوئی چیز نہ جلی تو یہ بھی اللہ کے اختیار میں ہے۔ کہ سبب پر مسبب کو مرتب نہ کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ تو یہ ایک معجزہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ صادر فرمایا۔ بخلاف سحر کے کہ یہ کسی بدکار و بدکردار فاسق و فاجر مشرک کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے یہ فعل الشیطان ہے اس کے اسباب ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اسباب مخفی ہوتے ہیں ہر کوئی شخص اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ پس جب اس کے لئے اسباب موجود ہیں۔ تو اس پر خرق عادت کا اطلاق صحیح نہیں۔ بلکہ نادر و غریب اس کو کہا جاتا ہے۔ اس پر اس نفس شریرہ یعنی ساحر کا اختیار ہوتا ہے جس وقت چاہے خاص قواعد اور خاص اعمال سے اسی وقت اپنے سحر کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس معجزہ ہے۔ کہ جب کسی پیغمبر سے معجزہ کے صدور کا مطالبہ کیا گیا تو آپ نے اس کو خدا کے حکم کے سپرد کیا اور فرمایا سبحان ربی هل كنتُ إلّا بشراً رسُولاه

معجزہ کوئی فن نہیں کہ تعلیم و تعلم سے سیکھا جائے یہ وہبی ہے کسب و اکتساب کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ جب کہ سحر سیکھنے کے لئے کتابیں موجود ہیں۔ مختلف مشقیں اور ریاضتیں ہیں۔

---

[1] جس طرح کہ پیدائش عیسیٰ علیہ السلام یا خروج ناقہ من الحجر۔

جن کے ذریعہ سحر سیکھا جا سکتا ہے۔

معجزہ خداوند عالم کی طرف سے نبی کی نبوت کی عملی و فعلی تصدیق ہوتی ہے جس کا مقصد ہدایت و راہ نمائی ہوتا ہے۔ اور سحر کا تمام تر مدار شیاطین اور ارواح خبیثہ پر ہوتا ہے۔ جو کہ سبب ہیں ضلالت و گمراہی کے۔ اس کے علاوہ اور بھی ان کے درمیان بہت سے امتیازات ہیں جن پر علماء نے بہت ہی وقیع تصانیف لکھی ہیں[2]۔ سحر کے ذریعہ بند کرنے کو مأخذہ اور کھولنے کو نشرہ کہتے ہیں۔

---

[2] چنانچہ محدث جلیل علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

اعلم ان الدنيا مجموعة الاضداد كالظلمة والنور والظل والحرور۔ والطيب والخبيث والكفر والايمان۔ فاذا نظرنا انها بسطت على هذا المنوال علمنا انه لابد ان تكون فيها نفوس على نقاضة المرسلين فان لكل شئ ضداً واضداد هؤلاء لا تكون الا من جنسهم من الدجاجلة ثم اذا علمنا المعجزة وهي خارقة يظهرها الله على ايدى۔ المقدسين علمنا انه لابد ان يكون هناك شئ على مقابلتها ايضاً۔ وهو السحر۔ ثم المعجزة على نحوين۔ حسية او علمية۔ اما الحسية كاليد البيضا والعصا۔ قد مضت بصاحبها۔ اما العلمية فهى باقية الى يوم التناد ولوا معنت النظر علمت ان المعجزة الحسية ايضاً تنتهى الى العلم او العقل وذالك لانه لاسبيل الى التمييز بين المعجزة والسحر ولو كانت حسية الا بالعلم والعقل۔ فعلم ان انتها المعجزة الحسية ايضاً الى العلم والعقل دون المشاهدة۔ فاذا دريت ان الفرق بينهما عقلى وعلمى حتى بين الحسية والسحر ايضاً فاقول انهما يفترقان علما بحيث لا يكاد يلتبس على احد فان الفرق اما ان يكون من جهة الفاعل او المادة او الغاية وذالك بانواعها مثلث ههنا۔ اما الاول فالساحر يكون خبيث النفس ردى الاخلاق متلبسا بالخبا

اکل مال الیتیم

اسلام ایک عالمگیر وہمہ گیر مذہب ہے۔ اس میں حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی نہایت اہتمام کے ساتھ لحاظ رکھا گیا ہے چونکہ معاشرہ میں نہایت ہی قابلِ رحم اور باعثِ شفقت فردیتیم ہے۔ تو اس کے بارے میں حضور فرماتے ہیں۔ کہ اکل مال تیتیم اکبر الکبائر میں سے ہے۔ یتیم تو خود امداد کا مستحق ہے کیونکہ باپ کی وفات سے بظاہر بے سہارا رہ گیا ہے۔ اب جو کوئی شخص اس کے مال کو اس کی کمزوری اور بے چارگی کی وجہ سے ہضم کرتا ہے تو یہ سراسر ظلم ناانصافی اور انسانیت کے خلاف ہے خداوند کریم فرماتے ہیں۔ ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن دوسری جگہ ارشاد ہے ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً انما یاکلون فی بطونہم ناراً وسیصلون سعیرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم پر یہاں تک شفقت کی تاکید کی ہے کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے ساتھ یتیم بچے کے سامنے پیار و محبت اور شفقت والفت کا مظاہرہ نہ کرے ایسا نہ ہو کہ اس یتیم کو اپنے باپ کی شفقت یاد آجائے۔ اور اس کے احساسِ محرومی میں شدت پیدا

بقیہ گذشتہ صفحہ

واما صاحب المعجزۃ فیکون طیب النفس حسن الملکۃ شریف الاخلاق ذکی الطبع بعیداً عن الادناس۔ واما من جھۃ المادۃ فمادۃ السحر کلھا تبنی علی الخبث کالاستمداد بالشیاطین والارواح الخبیثۃ والذھاب الی جماجم الاموات واستعمال عظام النخر بخلاف المعجزہ فانھا اغلب الاحوال تصدر بلاسبب کالید البیضاء والعصا۔ فتلک لامادۃ لھا وما یصدر عن سبب لاتکون مادتھا غیر القدس والطہارۃ۔ کقراءۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ بکلمات فی طعام والبرکۃ منھا۔ اما السرقۃ فانما تاتی علی المادۃ کیف کانت فھی ایضاً تتبعھا۔ بقیت الغایۃ فھی علی ظاھر الامر۔ فیض الباری۔ ج ۴ (مرتب)

…نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود دورِ یتیمی کے صبر آزما مراحل سے گذرے ہیں۔ الم یجدک یتیماً فآوی اس وجہ سے خداوند کریم فرماتے ہیں۔ فاما الیتیم فلا تقھر

اکل ربوا

ربوا و سود ایک لعنت ہے۔ اگرچہ بظاہر اس میں منافع ہے لیکن بباطن خسارہ ہی خسارہ ہے۔ یار لوگوں نے تو اس کا نام منافع رکھا ہے لیکن نام بدلنے سے کسی چیز کی ماہیت اور حقیقت نہیں بدلی۔ اگر زہر کا نام تریاق رکھا جائے تو کیا اس زہر کا اثر زائل ہوجائے گا؟ اس کے بارے میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے۔ احل اللہ البیع وحرم الربٰو۔ یمحق اللہ الربٰوا ویربی الصدقات یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین۔ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔ یاایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا الربوا اضعافاً مضعفۃ۔ واتقوا اللہ۔ وغیرہ آیات اس کی قباحت پر دال ہیں۔

تولی یوم الزحف

چاہیے کہ مسلمان غیور ہو۔ اس میں غیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو۔ جذبہ وحرارت ایمانی اس کے ہر بن مو سے ظاہر ہو۔ خداوند قدوس فرماتے ہیں۔

یاایھا الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوا ھم الادبار ومن یولھم یومئذٍ دبرہ الا متحرفاً لقتال او متحیزا الی فئۃ۔ فقد باء بغضب من اللہ۔ وماواہ جھنم وبئس المصیر۔ بسا اوقات ایک مسلمان کا میدان جہاد و محاذ کارزار حق و باطل سے فرار تمام لشکر کے لئے باعثِ تکلیف وتشویش بنتا ہے اس سے کافروں کے دلوں سے مسلمانوں کا رعب ختم ہو جاتا ہے۔ جب مقابلہ ایک نسبت دو کا ہو۔ تو اسی صورت میں فرار گناہ کبیرہ ہے۔ اور اگر یہی نسبت نہ ہو بلکہ

…علم را قیل ۔۔ این بنوک این فکر چالاکی یہود نور دل از سینۂ آدم ربود۔

ایک مسلمان کے مقابلے میں دو سے زیادہ کافر آجائیں تو اندریں صورت تولی کبیرہ گناہ نہیں کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ الآن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا۔ فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین۔ الآیۃ۔ لیکن پھر بھی عزیمت پر عمل کرنا چاہیئے کیونکہ مسلمان کے سامنے ایک بڑا مقصد ہے جو کہ اعلاء کلمۃ اللہ ولایت مسلمین اور قیام عدل وانصاف ہے۔ اور اگر اس راستے میں موت آجائے۔ تو شہادت کی موت پر لاکھوں زندگیاں قربان ہوں یہ گھاٹے کا سودا نہیں بلکہ سراسر فائدہ ہے۔ [1]

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز [2]

قذف المحصنات کسی عفیفہ و پاک باز باعصمت و پاک دامن خاتون پر تہمت لگانا اکبر الکبائر میں سے ہے اس سے نہ صرف اس خاتون کی زندگی برباد ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات سارا خاندان اجڑ جاتا ہے۔ کیونکہ داغ بدنامی ان کے دامن سے مدتوں زائل نہیں ہوتا۔ حالانکہ قاذف نے صرف اس کی رسوائی و بدنامی کی خاطر اس بے حیائی و ذلیل حرکت کا ارتکاب کیا ہوگا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس کے بالتفصیل احکام نازل فرمائے ہیں۔ چنانچہ سورۂ نور میں ارشاد ہے۔

ان الذین یرمون المحصنات الغٰفلٰت المؤمنات لعنوا فی الدنیا والآخرۃ

---

[1] جہاد کے موضوع پر حضرت کی تقاریر نہایت ہی مؤثر ہوتی تھیں افغانستان طالب علموں میں سے جو کوئی میدان جہاد سے آپ کی ملاقات کے لئے آتا۔ تو حضرت کی خوشی و بشاشت قابل دید ہوتی جو بھی سامنے آتا اسے کہتے یہ (شخص) آپ جانتے ہیں۔ یہ فلاں مجاہد ہے میدان جہاد سے آیا ہے اور جس شاگرد کی شہادت کی خبر سنتے تو فرماتے کہ کاروان کشتگان عشق میں شامل ہوگیا نہایت ہی خوش نصیب و نیک بخت ہے جو شہادت کی موت مرے۔

لہم عذاب عظیم۔

سبّ الوالدین اپنے والدین کو گالی دینا۔ ان کی بے عزتی کرنا۔ منشار تعجب یہ ہے کہ وہ کونسا شقی ہوگا جو اپنے والدین کو گالی دے گا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تم کسی ایک شخص کے والدین کو گالی دوگے وہ آپ کے والدین کو گالی دے گا۔ تو آپ کی گالی دوسرے کے والدین کو مآلاً اپنے والدین کو گالی دینے کے مترادف ہے باقی بالتفصیل عقوق الوالدین کے ضمن میں گزر چکی ہے

درسفالیں کاسۂ رنداں بخواری منگرید
کیں حریفاں خدمتِ جامِ جہاں بیں کردہ اند
حافظ شیرازیؒ

نفس وجوب اور وجوب ادا
میں
حضرات احناف اور شوافع کا اختلاف

ایک استفسار —— کے جواب میں

برادر محترم مولانا سید شاہ جہان شاہ صاحب فاضل دارالعلوم حقانیہ نے حضرت اقدس سرہ سے بذریعۂ خط مسلم الثبوت کے اہم مسئلہ متعلقہ نفس وجوب اور وجوب ادا کے بارے میں استفسار کیا تھا۔ ذیل میں وہ استفسار اور جواب ملاحظہ ہو۔ حضرت قدس سرہ بیماری کی شدت سے انتہائی ضعیف اور کمزور تھے جو کہ ان کے مکتوب سے عیاں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اپنے شاگرد عزیز کی دل شکنی آپ کو گوارا نہ تھی۔ اور ان کو جواب مرحمت فرمایا۔ فانی

بحضور انور جناب مخدومی ومکرمی شیخنا وسندنا ومولانا حضرت صدر صاحب ادام اللہ

بقائہم علینا الی یوم القیامہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد از آداب وتسلیمات بصد احترام عرض یہ ہے کہ:۔

بندہ حقیر آں جناب کی قدم بوسی کے لئے دارالعلوم حقانیہ حاضر ہوا تھا۔ لیکن آپ حضرات بیماری کے باعث اپنے دولت کدہ تشریف لے گئے تھے۔ برادرم مولانا محمد ابراہیم فانی سے آپ کی طبیعت ناسازی کا سن کر از حد پریشانی ہوئی۔ اور دل کو انتہائی دکھ پہنچا خداوند قدوس سے امید ہے کہ اب آپ کی صحت بحال ہوئی ہوگی۔ انشاء اللہ ربیع الاول میں ضرور بالضرور ملاقات اور قدمبوسی کے لئے حاضر ہو جاؤں گا۔

جناب عالی! ابھی مجھے ایک مسئلہ میں الجھن درپیش ہے۔ اگر آں جناب اپنی عنایت خسروانہ سے اس کی طرف توجہ فرمائیں تو ذرہ نوازی ہوگی۔ مسئلہ یہ ہے!

"عند الشوافع رحمہم اللہ نفس الوجوب لا ینفصل عن وجوب الاداء فی البدنی و ینفصل فی المالی۔ وعند الاحناف رحمہم اللہ ینفصل مطلقاً"۔

فالامر المہم الذی عرض الی ہو بیان ثمرۃ الخلاف بین ہٰؤلاء الفحول وان رفعتم ہذا الی سماک القبول فہو فی غایۃ المامول۔

والسلام بصد احترام
آپ کا ناچیز شاگرد
سید شاہ جہان شاہ (حالاً) دارالعلوم عربیہ ٹل

جواب:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از طرف بندہ عبدالحلیم غفرلہ

فاضل محترم جناب مولوی سید شاہ جہان صاحب زید مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا نوازش نامہ دستی ایک طالب علم سے موصول ہوا۔ مضمون مندرجہ سے آگاہ ہوا مجھے بوجہ سینہ قلب اور پھیپھڑوں کی خرابی کے ڈاکٹر نے علاج اور آرام کی تاکید کی ہے اسی بنا پر تقریباً ایک ماہ گھر پر رہا اور علاج جاری رہا۔ روزانہ ۱۵ر۱۶ روپیہ علاج پر خرچ ہو رہا ہے اور ڈاکٹر نے پڑھائی سے منع کر دیا ہے۔ مگر میں نے استعفا نہیں دیا۔ طلبہ کا اصرار ہے کہ ہمیں ہفتہ میں دو تین سبق پڑھایا کرو۔ یہ ہمارے لئے کافی ہے۔ اور مدرسہ والے بھی استعفا پر راضی نہیں۔

علاوہ بیماری کے کمزوری اور ضعف پیری لاحق ہے۔ یہاں پر طلبہ زیادہ ہیں پڑھائی سے قلب و دماغ پر بوجھ پڑتا ہے اور مطالعہ سے بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اتوار کے روز گھر سے یہاں دارالعلوم آیا۔ دوسرے روز ایک طالب علم نے آپ کا خط دے دیا۔ جس میں آپ نے ایک اصولی مسئلہ کے متعلق استفسار کیا تھا جواب لکھنے کی طاقت نہ تھی اور نہ فرصت۔ آج بروز منگل ۱۰ر صفر کو چند سطور آپ کے اصرار کی وجہ سے لکھ دئے۔ اگر آپ اس سے مطمئن ہوئے تو بہتر ورنہ بشرط زندگی عند الملاقات جو کچھ میری ناقص سمجھ میں آئے وہ پیش کر دوں گا۔ فقط باقی خیریت ہے۔ والسلام من جانب محمد ابراہیم وغیرہ۔ اگر آپ گھر پر (گاؤں) تشریف لاتے تو مجھے بہت خوشی ہوتی۔

منشا[1] الاختلاف فی ان نفس الوجوب ینفصل عن وجوب الاداء او لا ینفصل یعنی ان نفس الوجوب ووجوب الاداء شیٔ واحد ام شیئان متغایران ہو الاختلاف فی تفسیرہما

---

[1] حضرت قدس سرہ کی متانت خسروانہ ملاحظہ ہو کہ مستفتی نے ثمرہ خلاف کے بارے میں استفسار کیا ہے اور آپ نے ثمرہ خلاف کے ساتھ منشاء اختلاف بھی ذکر فرمایا۔ فانی

فاکثر الشافعیۃ ذہبوا الی الاتحاد فی العبادات البدنیۃ والمالیۃ (وقالوا ان الوجوب ہو لزوم الاتیان فی الخارج وہو معنی وجوب الاداء) وبعض الشافعیہ وبعض الحنفیۃ قالوا بالفرق بین العبادات البدنیۃ والمالیۃ فذہبوا الی الاتحاد فی البدنیۃ والتغائر فی المالیۃ فالواجب فی البدنیۃ المال فی الذمۃ بالسبب کالثمن الواجب فی البیع۔ وعامۃ الاحناف ذہبوا الی الانفصال والتغائر بینہما فی جمیع العبادات والعقوبات وحقوق العباد وقالوا نفس الوجوب اشتغال ذمۃ المکلف بالفعل والمال والحق وہو بالسبب کالوقت والشہر والبیت والنصب والسرقۃ وغیرہا۔ ووجوب الاداء تفریغ الذمۃ بایقاع الفعل فی الخارج وذالک بالطلب ای بالخطاب۔ وثمرۃ الخلاف تظہر فی صلوٰۃ النائم والمغمی علیہ وصوم الحائض والمریض والمسافر فی الوقت الثانی بعد زوال العذر فعند عامۃ الاحناف ہو قضاء متفرع علی الوجوب السابق اذ القضاء ایقاع مثل المؤدی بدلا من الفائت۔ واختلف الشافعیہ فبعضہم قالوا ہو قضاء کما قال الحنفیہ ویرد علیہم ان القضاء یقتضی سبق الوجوب ولا وجوب لعدم توجہ الخطاب الیہم فقالوا ان القضاء یقتضی الوجوب فی الجملہ لا الوجوب علی الشخص والاول متحقق ھہنا بالوجوب علی غیرہم فہم وافقوا الاحناف فی الحکم واختلفوا فی التخریج۔

وبعضہم قالوا ہو اداء بامر جدید لعدم الوجوب السابق علیہم واما اذا لم یکن امر جدید فلیس ہناک قضاء ولا اداء۔

ثم ہذا الاختلاف مبنی علی اختلاف آخر وہو ان لاحکام الشرع اسبابا تضاف الیہا تلک الاحکام بجعل اللہ تعالیٰ وان کان الموجب الحقیقی ہو اللہ تعالیٰ اذ المؤثر فی جمیع الکائنات والخالق والموجد بہا ہو اللہ تعالیٰ لا شریک لہ فی الخلق والامر ام لا فقال ابو منصور الماتریدی وعامۃ المتکلمین وعامۃ اصحابنا رحمہم اللہ وبعض اصحاب الشافعی رحمہم اللہ ان احکام الشرع مضافۃ الی اسباب سوی ایجاب اللہ تعالیٰ۔ وقال جمہور الاشاعرہ

ان للعقوبات وحقوق العباد اسبابا یضاف وجوبہا الیہا واما العبادات فلا یضاف وجوبہا الا الی ایجاب اللہ تعالیٰ وخطابہ۔ وانکر بعضہم الاسباب مطلقاً وقالوا صفة الایجاب صفة خاصة لہ تعالیٰ کصفة التکوین والتخلیق فاضافة الاحکام الی الاسباب قطع الایجاب من اللہ تعالیٰ۔

بالجملة ان ہذا البحث طویل الذیل فلیطلب تفصیلہ فی شرح الحسامی غایة التحقیق فی فصل بیان اسباب الشرائع وفی التلویح والتوضیح فی بحث الفرق بین نفس الوجوب ووجوب الاداء صـ ٤٣١

حکومت کے ظلم کے تین طریقے ہیں۔ حکومت یعنی حکمران طبقہ براہ راست اپنی رعیت پر ظلم کرے ان کے اموال کو ان سے غصب کریں، بغیر کسی شرعی وجوہ کے، جائز وجوہ کے قتل جائز رکھے، خون خرابہ کرتا ہے بغیر کسی شرعی حجت کے لوگوں کو قتل کرتا ہے، بغیر کسی وجہ کے براہِ راست رعیت کی آبرو ریزی اور عصمت دری کرے، یہ مسلمان حکمران کا رعیت پر براہِ راست ظلم ہے۔ دوسری قسم ظلم کی یہ ہے کہ ظلم پیشہ فساق وفجار، رہزنوں اور جرائم پیشہ لوگوں کو آزاد چھوڑ دیں، غریب عوام کے ساتھ جو چاہیں کریں، کسی کو قتل کر دیا، کسی کا مال چھین لیا، کسی کی چوری کر دی، ڈاکہ کر دیا، کسی کی بیٹی اغوا کر دی، کسی کا بیٹا اغوا کر دیا، کسی کی بیوی اغوا کر دی، کسی کے بال بچے اغوا کر دیئے، حکومت اس قسم کے لوگوں کو آزاد چھوڑ دے، ان کو کوئی سزا نہ دے، ان کو جرائم سے بند نہ کرے یہ دوسری قسم ہے ظلم کی۔ تیسری قسم ظلم بیت المال کی ہے، قومی خزانے کا نام بیت المال ہے جس میں قوم کے روپے جمع ہوں، صرف مصلحتِ قوم اور مصلحتِ ملک کے لیے۔ اگر مسلمان حکمران اس قومی خزانے کو ذاتی مقاد میں خرچ کرتا ہے، یہ ظلم ہے اس کا کوئی حق اس میں نہیں ہے۔

(حضرت صدر صاحبؒ کی تقریر "ارباب اختیار مسلمانوں کے حقوق وفرائض" سے اقتباس)

تماشۂ کیفیۃ حشر

ازمولانا سیف اللہ صاحب حقانی۔ استاد جامعہ ارشادیہ پائی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

درس کی تمام خوبی حضرت الاستاذ کی طرف اور خامی وکمی راقم کے سوءِ فہم کی طرف منسوب کی جائے۔

درس کتاب التفسیر من البخاری۔ للاستاذ العلام مولانا عبد الحلیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ

باب قولہ تعالیٰ۔ واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتیٰ۔

حدثنا احمد بن صالح قال حدثنا ابن وھب قال اخبرنی یونس عن ابن شھاب عن ابی سلمی وسعید عن ابی ھریرة رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نحن احق بالشک من ابراھیم اذ قال رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تؤمن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی

[1] اور کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مشہور ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

سبب سوال ابراہیم علیہ السلام [1] | استاذ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تشریح

کہ اگر حجاب اٹھ جاوے جب بھی میرے یقین میں بیشی نہ ہو یعنی جتنی بیشی ممکن ہے وہ بعین بدون رفع حجاب ہی حاصل ہے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس قصہ میں یقین بڑھنا معلوم ہوتا ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ پہلے سے یہ مرتبہ حاصل نہ تھا۔ تو اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا وسوسہ ہوتا ہے۔ جواب برتقدیر ثبوت اس قول کے یہ ہے کہ اولاً یہی مسلم نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی یقین میں کمی بیشی ہو گئی تھی بلکہ صرف کیفیت کے مشاہدہ سے ایک کیفیت متعین ہو گئی۔ جس کو یقین کی بیشی میں کوئی دخل نہیں۔ اور اگر اس بیشی کو تسلیم بھی کر لیا جاوے تو جواب یہ ہے کہ کمال یقین نبوت کے مرتبہ کا جدا ہے۔ اور ولایت کا جدا۔ اور ولایت کا مرتبہ کمال یقین نبوت کے مرتبہ کمال یقین بلکہ اصل یقین سے بھی کم تر اور ضعیف ہوتا ہے۔ پس اگر حضرت علی کو کمال مرتبہ یقین مناسب مقام ولایت حاصل ہو جس سے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مرتبہ نفس یقین بھی بڑھا ہوا ہے۔ تو اس سے افضلیت حضرت علی کی لازم نہیں آئی۔ خوب سمجھ لو۔ (بیان القرآن ج ۱ صہ ۱۵۸)

---

[1] الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ ان اتہ اللہ الملک اذ قال ابراھیم ربی الذی یحی ویمیت قال انا احی و امیت قال ابراھیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بہا من المغرب فبہت الذی کفر (پ۳ سورہ بقرہ)

واما سوال ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام فذکر العلماء فی سببہ اوجہا اظہرھا انہ اراد الطمانینۃ بعلم (باقی اگلے صفحہ پر)

یہ ایک سبب ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان مناظرہ پیش آیا جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

بقیہ صفحہ کیفیۃ الاحیاء مشاہدۃ بعد العلم بہا استدلالاً فان علم الاستدلال قد یتطرق الیہ الشکوک فی الجملۃ بخلاف علم المعاینۃ فانہ ضروری وھذا مذہب الامام ابی منصور الازہری والثانی اراد اختبار منزلتہ عند ربہ فی اجابۃ دعائہ وعلی ھذا قالوا معنی قولہ اولم تؤمن ای تصدق بعظم منزلتک عندی واصطفائک وخلتک الثالث سأل زیادۃ یقین و ان لم یکن الاول شکا فسأل الترقی من علم الیقین الی عین الیقین فان بین العلمین تفاوتا قال سہل بن عبداللہ التستریؒ سأل کشف غطاء العیان لیزداد بنور الیقین تمکنا۔ الرابع انہ لما احتج علی المشرکین بان ربہ سبحانہ وتعالیٰ یحی ویمیت طلب ذالک من ربہ لیظہر دلیلہ عیانا وقیل اقوال اُخر کثیرۃ لیست بظاہرۃ قال الامام ابوالحسن الواحدی اختلفوا فی سبب سوالہ فالاکثرون علی انہ رای جیفۃ بساحل البحر یتناولہا السباع والطیور و دواب البحر فتفکر کیف یجتمع ما تفرق من تلک الجیفۃ وتطلعت نفسہ الی مشاہدۃ میت یحییہ ربہ ولم یکن شاکاً فی احیاء الموتی ولکن احب رویۃ ذالک کما ان المومنین یحبون ان یروا النبی صلی اللہ علیہ وسلم والجنۃ ویحبون رویۃ اللہ تعالیٰ مع الایمان بکل ذالک وزوال الشکوک عنہ ۱۲ شرح امام نوویؒ علی صحیح مسلم

تونمرود نے توحید پر دلیل کا مطالبہ کیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا۔

ربی الذی یحی ویمیت۔

نمرود نے جواب میں کہا انا احی وامیت

اب ابراہیم علیہ السلام اگر نمرود کے اس معارضہ کا جواب دیتا جبکہ نمرود احیا و امات کی حقیقت کو نہ جانتا تھا[1]۔ تو فضول تطویل بحث لازم آتی۔ لہذا جواب معارضہ اور سابقہ دلیل کو چھوڑ کر ایک ایسی واضح دلیل سے استدلال کیا جس کو ہر سفیہ و بلید جانتا ہے اور فرمایا فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بہا من المغرب فبہت الذی کفر۔ اور بعض[2] مفسرین نے کہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے سابق دلیل کو اس لئے چھوڑا کہ اس دلیل کے پیش کرنے پر نمرود نے جب ان سے کہا انا احی وامیت۔ فقال ان احیاء اللہ برد الروح الی البدن تو نمرود نے کہا ہل عاینتہ۔ کیا آپ نے یہ مشاہدہ کیا ہے۔ کہ آپ کے رب نے کسی مردے کو علی ہذا الطور زندہ کیا ہو اور یہ مشاہدہ چونکہ ابراہیم علیہ السلام نے نہیں کیا تھا۔ اس لئے دلیل سابق کو چھوڑ کر دلیل لاحق سے استدلال فرمایا۔

---

[1] بیان القرآن میں ہے کہ وہ کوڑھ مغز (نمرود) جلانے اور مارنے کی حقیقت تو سمجھا نہیں کہنے لگا (یہ کام تو میں بھی کرسکتا ہوں کہ) کہ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں چنانچہ جس کو چاہوں قتل کردوں۔ یہ تو مارنا ہے اور جس کو چاہوں قتل سے معاف کردوں یہ جلانا ہے۔ ابراہیم ؑ نے جب دیکھا کہ بالکل ہی بھدی عقل کا ہے الی قولہ اور قرائن سے معلوم ہوا کہ یہ جلانے اور مارنے کی حقیقت تو سمجھے گا نہیں۔ اس ضرورت سے دوسرے جواب کی طرف متوجہ ہوئے۔

[2] قال فی البیضاوی وقیل لما قال نمرود انا احی وامیت قال لہ ان احیاء اللہ برد الروح الی البدن فقال نمرود ہل عاینتہ فلم یقدر ان یقول نعم وانتقل الی تقریر آخر ثم سال ربہ ان یریہ لیطمئن قلبہ علی الجواب ان سئل عنہ مرۃ اخری۔

استاذ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہی واقعہ سبب بنا۔ ان کے اس سوال مذکور فی الآیہ کا۔ رب ارنی کیف تحی الموتی تاکہ اس تماشۂ کیفیت حشر سے خصم کے مقابلہ میں استدلال کرسکے اگر پھر کبھی ایسا واقعہ پیش آیا اور بعض نے اس سوال کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ سوال اس لئے کیا تاکہ یہ معلوم کرے کہ اللہ تعالیٰ میرے سوال کو شرف قبولیت سے نوازتا ہے یا نہیں اور قبول کی صورت میں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا بڑا درجہ ہے اور میں ان کے نزدیک اعلیٰ درجہ کا مقبول ہوں۔

استاذ رحمۃ اللہ علیہ نے مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ

یہاں دو چیزیں ہیں۔ ۱۔ قدرۃ الاحیاء ۔ ۲۔ کیفیۃ الاحیاء۔ اور یہ محال ہے کہ رسول کو قدرت احیاء پر علم نہ ہو۔ کیونکہ نبی تو الہیات پر سب سے زیادہ علم رکھتا ہے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لفظ کیف سے سوال کیا۔ رب ارنی کیف تحی الموتیٰ اور یہ بتایا کہ قدرت احیاء پر تو میرا علم ہے۔ یہاں مقصود[1] بالسوال صرف کیفیہ احیاء ہے جو کہ

---

[1] قال فی فتح الملہم قال بعض المحققین ان السوال لم یکن عن شک فی امر دینی و العیاذ باللہ ولکنہ سوال عن کیفیۃ الاحیاء لیحیط علما بہا و کیفیۃ الاحیاء لا یشترط فی الایمان الاحاطۃ بصورتہا فالخلیل علیہ السلام طلب علم ما لا یتوقف الایمان علی علمہ ویدل علی ذالک ورود السوال بصیغۃ کیف و موضوعہا السوال عن الحال و نظیر ھذا ان یقول القائل کیف یحکم زید فی الناس فھو لا یشک انہ یحکم فیہم ولکنہ سأل عن کیفیۃ حکمہ المعلوم ثبوتہ ولو کان سائلاً عن ثبوت ذالک لقال ... ایحکم زید فی الناس۔

احتمالات عدیدہ کا محتمل ہے۔ تاکہ کیفیت خاص پر میرا علم مشاہدہ آجائے۔ کیونکہ اس میں سکون وطمانیۃ علم استدلالی سے زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ عربی کا مشہور مقولہ ہے لیس الخبر کالمعاینہ اور فارسی میں ہے ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

بیان مذاہب مختلفہ درکیفیت حشر

کیفیت الاحیار کے متعدد ہونے کی وجہ سے علمار نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ احیار کی کیفیت یہ ہوگی۔ کہ تمام مخلوقات بالکل فناہ ونیست ونابود ہو جائے گی۔ اور پھر ان کو اللہ تعالیٰ دوبارہ وجود بخشے گا۔ یعنی احیار از قبیل اعادہ معدوم کے ہوگا۔ اور بعض نے کہا کہ احیاء کی کیفیت یہ ہوگی کہ متفرق اجزار کو جمع کر کے ان سے بدن تیار کیا جاوے گا۔ اور پھر اس میں روح ڈالی جائے گی۔ اور اس مذہب والے اجزار کے عدم اور فناہ کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ کہتے ہیں کہ اجزار ارضیہ ارض بنتی ہیں اور ناریہ نار اور ہوائیہ ہوا۔ اور مائیہ ما۔ پس اس مذہب پر احیار جمع المتفرقات ہوا لا اعادۃ المعدوم ولا الایجاد بعد العدم۔ اس قول پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ تمہارا یہ قول ان ارشادات باری تعالیٰ کے خلاف ہے

کل من علیہا فان اور کل شیئ ھالك الا وجھہ اس اعتراض کا جواب یہ ہے۔ کہ ان دونوں آیتوں کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ ہر چیز بالفعل ہلاک اور فانی ہو جائے گی۔ بلکہ دونوں آیتوں کا معنی یہ ہے۔ ان کل شئی سواہ ہالک الذات و فانیہا یعنی ہر شے سواہ بحسب الذات ہالک اور فانی ہے۔ یعنی ممکن ہے اور اس مذہب والے اس واقعہ ابراہیمی سے استدلال کرتے ہیں۔

اور بعض نے کہا ہے کہ احیار نہ اعادہ معدوم ہے اور نہ جمع المتفرقات ہے۔ بلکہ روح کا بدن کے ساتھ بعد الافتراق بینہما دوبارہ تعلق ہے۔ جیسا کہ یہ ثابت ہے کہ ابدان انبیاء اور صالحین کے قبور میں صحیح وسالم ہوتے ہیں تو حسب کہ طرق احیار متعدد

ہے۔ اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے کیفیۃ احیار سے سوال کر کے فرمایا:۔

رب ارنی کیف تحی الموتیٰ۔

دفع توہم

اور جب کہ سوال عن کیفیۃ الاحیار ہے۔ لاعن قدرۃ الاحیار تو توہم وارد نہ ہوا کہ قدرت علی الاحیار پر تو ایمان ضروری ہے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے جب کہ وہ نبی مرسل ہے۔ یہ سوال کیا کیا۔ جواب ظاہر ہے۔ کہ انہوں نے قدرت احیار کے متعلق سوال نہ کیا تھا بلکہ کیفیۃ الاحیاء کے متعلق سوال فرمایا ہے۔ اور انسان احیار کے کسی کیفیت خاص پہ ایمان لانے پر مکلف نہیں ہے۔ بلکہ انسان صرف اس کا مکلف ہے کہ وہ قدرت علی الاحیار والبعث پر ایمان لے آئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ فلاسفہ[1] کے علاوہ تمام لوگ بعث واحیار وحشر اجساد کے قائل ہیں۔ البتہ کیفیت احیار میں مختلف ہیں۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

چنانچہ تفصیل مذاہب پہلے گذر چکی ہیں اب اس کے باوجود یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب کہ ابراہیم علیہ السلام کا قدرت احیار پر ایمان ہے۔ فما معنی قولہ تعالیٰ اولم تؤمن مع علمہ تعالیٰ بانہ مومن کامل۔ تو علمار نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے کلام سے سوال[1] عن قدرۃ الاحیار بھی مفہوم ہوتا ہے۔ تو خطرہ تھا کہ عوام کو یہ وہم نہ ہو جائے۔ کہ (معاذ اللہ) ابراہیم علیہ السلام کا قدرت احیار میں شک تھا تو اللہ تعالیٰ نے اولم تؤمن ارشاد فرماتے ہوئے ان سے بلیٰ کہلوا کر ہمیشہ کے لئے اس عامیانہ وہم کو

---

[1] سأل عن کیفیۃ الاحیار دون نفس الاحیار والذی یجب بہ الایمان ہو نفس الاحیار۔ اما کیفیۃ فخارج عن الایمان کما انہ یجب علینا ان نؤمن بالحشر والقیامۃ اما بکیفیتھا فلا

(فیض الباری علی صحیح البخاری ج ۴ صـ ۱۶۶)

ختم کردیا۔

شانِ ورودِ حدیث | استاذ رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ کی تشریح کے بعد

---

١ فان ہذہ الصیغۃ وان کانت تستعمل ظاہرا فی السوال من الکیفیۃ الا انہا قد تستعمل فی الاستعجاز مثالہ ان یدعی مدع انہ یحمل ثقلا وانت جازم بعجزہ فتقول لہ ارنی کیف تحمل ہذا و انت ترید انک عاجز۔ حاشیہ بیان القرآن بادنی تغییر

٢ فاراد سبحانہ وتعالیٰ لما علم براءۃ الخلیل عن الحوم حول حمی ہذا المعنی ان ینطق فی الجواب بما یدفع ذالک الاحتمال اللفظی فی العبارۃ الاولیٰ لیکون ایمانہ مخلصا بعبارۃ تنص علیہ یفہمہا کل من یسمعہا فہما لا یتخالجہ فیہ شک الطمانینۃ حینئذ سکون القلب عن الجولان فی کیفیات الاحیاء المحتملۃ بظہور التصویر المشاہد وعدم حصول ہذہ الطمانینۃ قیل لا ینافی حصول الایمان بالقدرۃ علی الاحیاء علی اکمل الوجوہ ولا اری رؤیۃ الکیفیۃ زادت فی ایمانہ المطلوب منہ علیہ السلام شیئا وانما افادت امرا لا یجب الایمان بہ کذا فی روح المعانی۔ فتح الملہم۔

٣ قال صاحب التحریر قال جماعۃ من العلماء لما نزل قول اللہ اولم تؤمن قال طائفۃ۔ شک ابراہیم علیہ السلام ولم یشک نبینا صلی اللہ علیہ وسلم فقال صلی اللہ علیہ وسلم نحن احق بالشک منہ فذکرہ نحو ما قدمتہ۔ شرح امام نوویؒ علی صحیح مسلم۔ وقیل ان الآیۃ لما نزلت قال بعض الناس شک ابراہیم ولم یشک نبینا فبلغہ ذالک فقال نحن احق بالشک من ابراہیم

(فتح الملہم بشرح صحیح مسلم)

فرمایا کہ اس حدیث کی شانِ ورود یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا ہے اور جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شک نہیں کیا ہے۔ تو یہ بات جناب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ گئی اور بات ایسی تھی کہ اس میں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک قسم کی تنقیص تھی۔ تو جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ نے اس واہمانہ[١] بات کا ازالہ اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلاءِ شان کے لئے فرمایا نحن احق بالشک من ابراہیم اذ قال الخ

استاذ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس جملہ سے مقصود[٢] جیسا کہ معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کی تنزیہ عن الشک فی القدرۃ ہے۔ کیونکہ شک ایمان و نبوت کے ساتھ منافی ہے۔

استاذ قدس سرہ نے اس جملہ کی تفصیل چھ توجیہات سے فرمائی۔

اول یہ کہ نحن سے مراد ابراہیم علیہ السلام کے سوا دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حاصل معنی یہ ہے کہ نحن معشر الانبیاء احق بالشک من ابراہیم۔ لیکن ہم نے شک نہیں کیا ہے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے بالطریق الاولیٰ شک نہیں کیا ہے۔ کیونکہ صرف ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم میں کہا گیا ہے۔ ولقد آتینا ابراہیم رشدہ من

---

١ ولما کان الوہم قد یتلاعب ببعض الخواطر وتنسب الی ابراہیم وحاشاہ شکا من ہذہ دفع النبی ﷺ دابر ہذا الوہم بقولہ علی سبیل التواضع نحن احق بالشک من ابراہیم

(فتح الملہم)

٢ ومقصود النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ہذا الکلام تقدیس ساحۃ ابراہیم علیہ السلام مع الایماء لطف الی فضل نفسہ الکریم فانہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یسئل سوالا یوہم ولو بصورتہ وسیاقہ شکا وارد مع کونہ احق بہ حتی تجیٔ نوبۃ الخطاب من اللہ سبحانہ بقولہ اولم تؤمن فالجواب بقول ابراہیم بلی ولکن لیطمئن قلبی فتح الملہم

قبل وکنا بہ علمین ۔ وکذالک نری ابراہیم ملکوت السمٰوٰت والارض ولیکون من الموقنین ۔

اور یہ کسی اور نبی کے حق میں نہیں کہا گیا ہے ۔ تو جب کہ دیگر انبیاء نے اس اعزاز خاص کے بغیر شک نہیں کیا ۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے اس اعزاز خاص کے ساتھ کس طرح شک کیا تو ثابت ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے شک نہیں کیا ۔ لیکن اس توجیہہ پر یہ اشکال وارد آتا ہے کہ اس تقدیر پر تو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر لازم آتی ہے ۔ حضرت نے فرمایا اس اشکال کا مختلف طریقوں سے جواب دیا جاتا ہے ۔

اول یہ کہ متکلم یہاں خارج ہے اور نحن سے مراد حضور علیہ السلام کے سوا دیگر انبیاء ہیں ۔

دوم[1] یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تواضعاً و انکسارا فرمایا ہے ۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ لاتفضلونی علی یونس بن متی ۔

سوم یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا ہے جب کہ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ آپ افضل الرسل ہیں ۔

اور دوسری توجیہہ یہ کہ نحن سے مراد صرف ذات النبی علیہ السلام ہو ای انا احق بالشک من ابراہیم بمعنی یہ ہے کہ اگر ابراہیم علیہ السلام نے اس وجہ سے شک کیا ہو کہ اس کی قوم

---

[1] قال فی فتح الملہم و انما قال ذالک تواضعاً او من قبل ان یعلمہ اللہ بانہ افضل من ابراہیم وہو لقولہ فی حدیث انس عند مسلم ان رجلاً قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم یا خیر البریہ قال ذاک ابراہیم ۔ وفی شرح للنواوی علی صحیح مسلم وانما رجح ابراہیم علی نفسہ صلی اللہ علیہ وسلم تواضعا وادبا او قبل ان یعلم صلی اللہ علیہ وسلم انہ خیر ولد آدم المنہاج فی شرح الصحیح لمسلم بن الحجاج

بعث واحیاء کا منکر تھی تو پھر میں شک کرنے کا زیادہ حقدار تھا ۔ کیونکہ میری قوم انکار بعث واحیاء میں ابراہیم علیہ السلام کی قوم سے زیادہ سخت ہے ۔ حتیٰ کہ کفار نے آں جناب کو مجنون[1] کہا ۔ اور یہ بھی کہہ گئے افتری علی اللہ کذبا ام بہ جنۃ ۔ ان ہی الا موتتنا الاولیٰ وما نحن بمنشرین ۔ ان ہی الا حیاتنا الدنیا نموت و نحیی وما نحن بمبعوثین ۔

اور تیسری توجیہہ بھی اس پر مبنی ہے ۔ کہ نحن سے ذات النبی علیہ السلام مراد ہو ۔ اور اس تقدیر پر حاصل معنی یہ ہے ۔ کہ چونکہ مجھے ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کا حکم ہے بل[2] ملۃ ابراہیم حنیفا وما کان من المشرکین ۔ ثم اوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراہیم حنیفا وما کان من المشرکین[3] ۔ تو اگر وہ شک کرتے تو میں لامحالہ بمقتضی متابعہ کے شک کرتا لیکن میں نے شک نہیں کیا ہے ۔ تو ثابت ہوا کہ انہوں نے شک نہیں کیا ہے ۔

اور چوتھی توجیہہ بھی اس پر مبنی ہے کہ نحن سے مراد ذات النبی علیہ السلام ہو اور اس تقدیر پر حاصل معنی یہ ہے کہ اگر شک (معاذ اللہ) ملایمات اور صفات نبوت سے ہوتا اور اس وجہ سے وہ شک کرتے فانا احق بہ کیونکہ مجھے سابقہ انبیاء کی اقتدار کا حکم ہوا ہے ۔

اولئک الذین ہدی اللہ فبہدا لہم اقتدہ اور اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم علیہ السلام کو تمام انبیاء کرام کے تمام صفات جلیلہ عطا فرمائے ہیں ع کی

آنچہ ہمہ خوباں دارند تو تنہا داری

تو جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اگر ابراہیم علیہ السلام شک

---

[1] ویقولون انہ لمجنون [2] پ سورہ البقرہ [3] سورہ نحل

تو بمقتضی اس حکم اقتدار میں بھی شک کرتا۔ لیکن میں نے شک نہیں کیا تو انہوں نے بھی شک نہیں کیا۔

اور پانچویں توجیہہ یہ ہے کہ نحن سے مراد امت[1] حضور علیہ السلام ہے اور حاصل معنی یہ ہے کہ اگر ابراہیم علیہ السلام شک کرتے تو پھر نحن ایتھا الامہ احق بہ ای پھر تم اے امیتو شک کرنے کے زیادہ حقدار ہوتے۔ لیکن تم نے شک نہیں کیا ہے پس ثابت ہوا کہ انہوں نے بھی شک نہیں کیا ہے۔

اور چھٹی توجیہہ یہ کہ نحن احق بالشک من ابراہیم کا ترجمہ نحن اشد[2] اشتیاقاً من ابراہیم الی رویۃ کیفیۃ الاحیاء ہو۔ اور استاذ نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ یہ معنی التزامی ہے[3]۔

---

[1] قال الکرمانی او معناہ نحن ایتھا الامۃ احق جلد ۲ صہ ۱۵۶ (حاشیہ بخاری)

[2] قال فی فتح الملہم قال الحافظ اختلفوا فی معنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم نحن احق بالشک فقال بعضہم نحن اشد اشتیاقاً الی رویۃ ذالک (ای کیفیۃ الاحیاء) من ابراہیم۔ وفی فیض الباری قال العلماء معناہ انہ لم یشک ولکنہ سأل عن کیفیۃ الاحیاء۔ ونحن احرص علیہا منہ ولو کان شک لکنا احق بہ منہ ایضاً

[3] **تتمہ توجیہات** شرح امام نوویؒ علی صحیح مسلم ہے ویقع لی فیہ معنیان احدہما انہ (ای قولہ صلی اللہ علیہ وسلم نحن احق بالشک من ابراہیم) خرج مخرج العادۃ فی الخطاب فانّ من اراد المدافعۃ عن الانسان قال للمتکلم فیہ ما کنت قائلاً لفلان او فاعلہ معہ من مکروہ فقلہ لی وافعلہ معی۔ ومقصودہ لا تقل ذالک فیہ والثانی ان معناہ ان ہذا الذی تظنونہ شکاً انا اولی بہ فانہ لیس بشک وانما ہو طلب لمزید الیقین وقیل غیر ہذا من الاقوال الخ وقال فی فتح الملہم وقیل ان الکلام مع افعل جاء ھنا لنفی المعنی عن الحبیب والخلیل علیہما الصلوٰۃ والسلام ای لا شک عندنا جمیعاً ومن ہذا الباب اہم خیر ام قوم تبع ۔ ای لا خیر فی الفریقین۔

مستقر ارواح۔ عجیب و غریب واقعات

حضرت مرحوم کے ساتھ ایک مجلس

(از مولانا محمد امین حقانی بنوی)

بندہ کبھی کبھی بعد از نمازِ عشاء حضرت صدر صاحب قدس سرہ کے پاس مولانا عبد المتین کے ہمراہ جایا کرتا۔ چونکہ مولانا عبد المتین صاحب حضرت کے ساتھ ان کے گاؤں زروبی میں بھی رہ چکے تھے۔ اس لئے وہ ان کے ساتھ کافی حد تک مانوس اور بے تکلف تھے۔ بغیر کسی جھجک کے آپ سے سوالات اور مشکل مسائل کے بارے میں پوچھا کرتے۔ اور علوم و معارف کے دریا بہاتے ہوئے آپ ان عقدہ ہائے لاینحل کی گرہ کشائی فرماتے۔

حسب معمول بتاریخ ۲۶ر نومبر ۱۹۷۰ء بعد از نمازِ عشاء بندہ ان کی اقامت گاہ پر حاضر خدمت ہوا۔ مستقرِ ارواح کے بارے میں آپ مصروفِ گفتگو تھے۔ فرمایا۔ کہ کتاب الروح حافظ ابن قیم کی کتاب ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ آپ کی تصنیف نہیں ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ ان کے ابتدائی دور کی تصنیف ہے۔ بعد میں آپ نے ان سے اکثر مسائل سے رجوع کیا ہے۔ بہر حال حقیقت حال کا علم اللہ کو ہے۔ اس میں آپ نے روح کے متعلق پوری شرح و بسط کے ساتھ بحث کی ہے۔ مستقر روح کے بارے میں کچھ اقوال نقل کئے ہیں کہ ارواح کفار حضرموت میں بیر برہوت کے مقام پر جمع ہوتی ہیں۔ اس کے متعلق حضرت

مرحوم نے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ کہ ایک یہودی کے پاس ایک مسلمان نے کچھ رقم بطور امانت رکھدی۔ اچانک وہ یہودی مرگیا اور اس کا بیٹا جو مسلمان تھا۔ اس شخص نے اس کے بیٹے سے اپنی امانت کے بارے میں کہا۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس امانت کے بارے میں علم نہیں۔ القصہ وہ دونوں اس وقت کے مشہور عالم شعیب جبائی کے پاس چلے گئے۔ ماجرا سننے کے بعد اس عالم نے کہا کہ تم یمن میں حضر موت کے مقام پر بیر برہوت کے پاس کھڑے ہوکر اپنے والد کا نام پکارو۔ وہ تجھے جواب دے گا۔ پھر اس سے اس امانت کے بارے میں پوچھو اس نے ایسا ہی کیا جب اس نے کنوئیں میں آواز دی۔ تو جواب آیا۔ کیوں کیا ہے؟ اس نے کہا کہ فلاں آدمی مجھے کہہ رہا ہے کہ میں نے آپ کے والد کے پاس بطورِ امانت رقم رکھی تھی۔ کیا یہ صحیح ہے۔ اس نے کہا ہاں اور ساتھ ہی جگہ بھی بتادی کہ فلاں مقام پر وہ رقم موجود ہے اور اس کے ساتھ اپنے بیٹے کو یہ بھی کہا کہ الزِم ما انت علیہ یعنی تم جس مذہب پر ہو اس پر قائم رہو۔

حضرت مرحوم نے فرمایا کہ اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی میری نظر سے گذرا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مکہ میں ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو کچھ امانت سپرد کی۔ چند دن بعد اس شخص کا انتقال ہوگیا۔ اس شخص نے اس کے ورثاء کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے کہا کہ اس کا کوئی وارث نہیں۔

یہ شخص اپنی امانت کے بارے میں بہت پریشان ہوا۔ بالآخر اس وقت کے قاضی کے پاس چلا گیا۔ قاضی نے اس سے کہا کہ تم بیر زمزم کے پاس جاؤ۔ اور وہاں پر اس شخص کے نام سے آواز دو۔ وہ جواب دے گا۔ اور تیری امانت کے بارے میں بھی بتادے گا۔ یہ آدمی بیر زمزم کے پاس گیا۔ اس نے وہاں پر کئی آوازیں دیں لیکن بے سود۔ واپس قاضی کے پاس آیا۔ اس کو ماجرا سنایا۔ قاضی نے اسے کہا کہ تم بئر برہوت کے پاس جاؤ وہاں اسی طرح آواز دو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ کنوئیں سے آواز آئی۔ اس نے اس سے اپنی امانت کے بارے میں پوچھا

اس نے اس جگہ کی نشاندہی کی۔ پھر میں نے پوچھا۔ کہ تم یہاں کیا کرتے ہو۔ یہاں کیوں آئے ہو۔ یہ مستقر ارواح کفار ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تقدیر یہاں لے آئی ہے۔

حضرت نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ بالایمان فرمائے [1]

---

[1] کتاب الروح کے صہ ۱۳۱ پہ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں:۔

واما قول من قال ان ارواح المومنين بالجابية وارواح الكفار بحضرموت ببرهوت فقال ابو محمد بن حزم هذا من قول الرافضة وليس كما قال بل قال جماعة من اهل السنة انتهى

اس کے بعد مختلف روایات ذکر کرتے ہیں اور صفحہ ۱۳۴ پر لکھتا ہے

واما قول من قال ان ارواح المومنين تجتمع في بئر زمزم فلا دليل على هذا القول من كتاب ولا سنة يجب التسليم لها وقول صاحب يوثق به وليس بعلمهم فان تلك البئر لا تسع ارواح المومنين جميعهم وهو مخالف لما تثبت به السنة الصحيحة، من ان نسمة المؤمن طائر يعلق في شجر الجنة الخ

محمد ابراهیم فانی

ے پر امام بخاری اور صحیح بخاری کے فاضلانہ مضمون میں مدوّن مقالہ نے "حضرت ابوطالبؓ" کا محاورہ استعمال کیا ہے۔ صحیح بخاری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحت ہے کہ ابوطالب کا مقام جہنم ہے۔ اگرچہ خفیف ترین عذاب ہوگا۔ یعنی قدموں تلے آگ ہوگی۔ لیکن اس بات کے لئے کافی ہوگی کہ سر کا بھیجا پگھل کر کھولتا رہے۔ ان حالات میں "حضرت" کا لفظ نامناسب معلوم ہوتا ہے۔

رجم پر جو فاضلانہ مقالہ ہے اس میں ص ۲۶ تا ۲۷ پر اس سے بحث ہے کہ رجم کا ذکر کیوں قرآن مجید میں نہیں ہے۔ ایک پہلو یہ میرے ناچیز ذہن میں آتا ہے کہ:

اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ۔ (سورہ انعام ۶/۸۳ – ۹۰)

ختم المرسلین کو حکم دیا گیا ہے انبیاء سلف کی سنت پر بدستور عمل پیرا رہیں (بجز ان احکام کے جو قرآن نے منسوخ کئے ہوں) صحیح بخاری میں صراحت ہے کہ تورات میں زنا محصنہ کی سزا رجم ہے۔ رسول اکرمؐ نے اس پر عمل بھی کرایا تورات ہی میں زنا غیر محصنہ کی سزا رقمی جرمانہ ہے اس کو سورۂ نور میں منسوخ کرکے سو کوڑوں کی جسمانی سزا مقرر کی گئی۔ لہٰذا زنا محصنہ کا موسوی و عیسوی قانون منسوخ نہ ہوا اور سورۂ انعام میں صراحت ہوئی کہ اس پر بدستور عمل کیا جائے۔

اسی مضمون میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا "آیتِ رجم" کے متعلق بیان بھی زیر بحث رہا ہے جہاں تک میں نے تحقیق کی حضرت عمرؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ "الرجم فی القرآن" بلکہ "فی کتاب اللہ" جس کا اطلاق تورات اور انجیل پر بھی اسی طرح ہو سکے گا جس طرح قرآن مجید پر۔ اور واقعۃً رجم کا حکم موجودہ متداول تورات اور انجیل دونوں میں موجود ہے (اور عہد نبویؐ کی تورات میں بھی ہونا صحیح بخاری و صحیح مسلم سے ثابت ہے)

اگر علماء کرام ان حقیر سوالات پر روشنی ڈالیں تو طلبۂ علم فائدہ اٹھائیں۔

الحق کے اسی شمارے میں ص ۵۴ پر فرعون کی لاش پر صدق جدید لکھنؤ کا ایک نوٹ

فرانس سے ایک قابلِ قدر علمی مکتوب

اور

اُس کا جواب

عالم اسلام کے مشہور سکالر جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب جو کہ آج کل پیرس (فرانس) میں مقیم ہیں نے مدیر الحق مولانا سمیع الحق صاحب کے نام ایک علمی مکتوب ارسال فرمایا جس میں الحق بابت ماہ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ کے چند مندرجات کے بارے میں استفسار تھا۔ جناب مولانا سمیع الحق صاحب نے حضرت قدس سرہٗ کو وہ مکتوب دیا۔ اور اس کے جواب کیلئے بھی عرض کیا۔ ذیل میں وہ مکتوب مع حضرت صاحب مرحوم کے جواب کے نذرِ قارئین ہے۔

(رفانی)

مخدوم و مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ اپنے موقر جریدہ الحق کے ارسال سے اس ناچیز کو سرفراز فرماتے رہتے ہیں۔ آج رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ کا شمارہ پہنچا۔ استفادہ کیا۔ چند باتوں پر مؤدبانہ توجہ منعطف کراؤں گا۔

نقل ہوا ہے (صدق جدید کی تاریخ درج نہیں) اس سلسلے میں دو باتیں عرض کرنی ہیں۔

۱۔ رسالہ فاران کراچی بابت مئی ۱۹۷۷ء میں اس موضوع پر "ڈوب مرے فرعون کا نام" کے عنوان سے بحث ہوئی ہے۔

۲۔ ڈاکٹر مدریس بوکائی (آپ کے ہاں ہیبو کیلی چھپا ہے) کی کتاب میں فرعون کی لاش کا تو ذکر ہے لیکن ان کو اصرار ہے کہ حضرت موسیٰؑ مدین میں طویل عرصہ (تقریباً پچاس سال) مقیم رہے (قرآن میں آٹھ، زیادہ سے زیادہ دس سال کا ذکر ہے) یہ کہ اس اثنا میں یہودی نوزائیدہ بچوں کو قتل کرنے والا فرعون مرگیا۔ اور اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ اس پر اسّی سال کی عمر میں حضرت موسیٰ مصر واپس آئے اور نیا حکمران ڈوب مرا۔ لیکن اس میں دشواری یہ ہے کہ اسی جدید حکمران منفتاح کا ایک کتبہ ملا ہے کہ:-

"میں نے بنی اسرائیل کو اس طرح نابود کیا ہے کہ اس نسل کا دنیا سے خاتمہ ہوگیا ہے"، یہ واقعہ اگر خروج مصر سے قبل پیش آیا تو حضرت موسیٰؑ کے ہمراہ جو چھ لاکھ سے زائد یہودی نکلے وہ کہاں سے آئے؟ اگر خروج کے بعد حملہ ہوا سزا دہی کے لئے تو تورات اس سے کیوں ساکت ہے اور اپنی ان گنت بتاؤں میں اس کا اضافہ کیوں نہیں کرتی؟ یوں بھی مدرلیس بوکائی حجیت حدیث سے انکار کرتے ہیں۔

ناچیز محمد حمید اللہ

جواب۔ از مولانا عبدالحلیم صاحب صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ

(۱) سیاست و شرافت دنیوی کے اعتبار سے حضرت ابوطالب کا استعمال غیر مناسب اور قابل مواخذہ نہیں۔ معززین مکہ اور رؤسائے قوم میں ان کا شمار کسی سے مخفی نہیں۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قوی رشتہ اور بنو ہاشم اور بنو کنانہ قریش جن کی شرف و بزرگی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔ اس بنا پر حضرت ابوطالب کہنا کوئی جرم نہیں۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و خدمت آٹھ سال سے لے کر سنہ نبوۃ تک یہ ایک

مستقل منقبت ہے۔

(۴) مشرکین مکہ اور رؤسائے قریش کی مسلسل تحریص و ترغیب کے باوجود آپ حضورؐ کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوئے۔

(۵) حضور صلی اللہ کی محبت میں قصائد مدحیہ مثلاً

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

(۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں یہاں تک فرمانا کہ

واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم حتّٰی اوسد فی التراب دفینا

(۷) جب قوم نے بائیکاٹ کیا اور شعب ابی طالب میں ان کی ناکہ بندی کی تو ابوطالب برابر ان تکالیف کو جھیلنے میں ان کے شریک رہے۔

ا۔ علاوہ ازیں لفظ حضرت کا استعمال ایک لفظی اور زبانی اعزاز ہے اگرچہ ارشاد خداوندی ہے فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین مگر اس نص صریح کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ اس شفاعت کی تخصیص ایک گرامی قدر اعزاز ہے۔

ب۔ لفظ کتاب اللہ کا متبادر معنی قرآن کریم ہے۔ ذالک الکتاب۔ کتابٌ انزلناہ مطلق کتب کہ تورات و انجیل کو شامل ہو۔ یہ معنی غیر متبادر ہے۔ نیز حدیث حضرت ابن عباسؓ بخاری جلد ۲ ص ۱۰۰۹ میں واضح ہے کہ مراد کتاب اللہ قرآن مجید ہے۔

ان اللہ بعث محمداً بالحق وانزل علیہ الکتاب فکان مما انزل اللہ (آیۃ) الرجم فقرأناھا وعقلناھا ووعیناھا رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجمنا بعدہٗ فاخشی ان طال بالناس زمانٌ ان یقول قائلٌ واللہ ما نجد آیۃ الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا بترک فریضۃ انزلھا اللہ۔ قال العینی آیۃ الرجم الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما۔ وفیہ انہ کان قرآنا نسخت تلاوتہ دون حکمہ۔ و قد مر قولہ الرجم۔ فی کتاب اللہ حق۔ الی فی قولہ تعالیٰ او یجعل اللہ لھن سبیلا۔ الآیۃ

بیّن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان المراد رجم الشیب وجلد البکر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:۔

خذوا عنی خذوا عنی فقد جعل اللہ لھن سبیلا البکر بالبکر جلد مأۃ ونفی سنۃ

والشیب بالشیب جلد مأۃ والرجم۔

اس آیت سے استنباط رجم فبھداہم اقتدہ۔ اگرچہ عموم الفاظ کے مناسب ہے لیکن کسی مفسر سے منقول نہیں۔

ہاں آیت مذکورۃ الذیل سے حکم مذکور ثابت ہے فان ما قص اللہ تعالیٰ ورسولہ من شرع الامم السابقۃ من غیر نکیر شرع لنا۔

وھی قولہ تعالیٰ۔ وکیف یحکمونک وعندھم التورٰۃ فیھا حکم اللہ ثم یتولون من بعد ذالک وما اولئک بالمومنین۔

۳۔ فرعون کی لاش کے بارہ میں پھر اظہار خیال کیا جائے گا۔ اہل علم کو بھی خامہ فرسائی کی دعوت دی جاتی ہے۔

(مولانا) عبد الحلیم مردانی۔ استاذ اعلیٰ

دار العلوم حقانیہ

باسمہ تعالیٰ

از طرف عبد الحلیم عفی عنہ

از دار العلوم حقانیہ

فاضل محترم جناب مولوی حافظ محمد امین صاحب زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے۔ آپ کے متعلق دریافت کر کے ایک صاحب نے کہا کہ فیصل آباد گئے ہیں۔

مگر بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا۔ کہ آپ جہاں گذشتہ سال تھے وہاں گئے ہیں۔ یعنی نیندوسرہ۔ تو اسی پتہ پر خط بھیج رہا ہوں۔ برخوردار محمد ابراہیم کی شادی مورخہ ۱۳، ۱۴ ستمبر بروز جمعرات، جمعہ کو انشاء اللہ تعالیٰ ہونے والی ہے۔ آپ کی شمولیت باعث افتخار وفرحت ہے۔

فقط والسلام

از دار العلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک

مورخہ ۲۵ رشوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۳۸۲

۲ ذوالحجہ پنجشنبہ   ۲۷، اپریل

از طرف عبد الحلیم عفی عنہ

فاضل محترم مولوی حافظ محمد امین صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

واضح باد کہ خط مل کر کاشف حال ہوا۔ والدہ ماجدہ کی خبر وفات حسرت آیات باعث صدمہ ہوئی۔ مولائے کریم مرحومہ کو جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ و دیگر پسماندگان کو صبر جمیل اور نیک بدل بخشے۔ اس میں شک نہیں کہ والدہ کا وجود اولاد کے لئے نعمت عظمیٰ ہے۔ مگر الموت جسر للقاء اللہ تعالیٰ پسماندگان کو اولوالعزم پیش رفتگان کے مطالعہ سے تسلی حاصل کرنا چاہئے۔

آپ نے جو مدرسہ کا ذکر کیا تھا جس میں آپ کا تقرر ہوگا۔ اس خبر سے مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مشاغل علمیہ اور اشاعت دین اور تدریس و تصنیف میں مصروف رکھے۔

فقط والسلام

از طرف عبد الحلیم عفی عنہ

دار العلوم حقانیہ   ۱۱-۰۹-۸۰

فاضل محترم جناب مولوی حافظ محمد امین صاحب زاد علمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ حالات سے آگاہ ہو کر بہت مسرت ہوئی۔ یہ بہت خوش قسمتی ہے کہ فارغ ہونے کے جلدی مواقع تدریس و مطالعہ اور اشتغال علمی میسر ہو۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ فاضل عبد المتین صاحب اس کوشش میں ہیں کہ آپ کو اپنے وطن یا قرب وجوار میں موقعہ تدریس حاصل ہو۔

آپ کی زیر درس کتابیں بھی بہت موزوں ہیں۔ اب اپنی ہمت صرف کر کے علمی ترقی حاصل کریں۔ پڑھنے سے مقصد اور نصاب کے اتمام سے استعداد حاصل کرنا ہے۔ ترقی فی العلم کا دار و مدار اپنی ہمت پر ہے۔ ہماری دعا ہے کہ مولائے کریم آپ کے علم میں برکت فرما دے۔ اور تدریس کے مشکلات اور دوسرے پریشانیوں کو دفع فرما دے ؎

مشکلے نیست کہ آساں نشود
مرد باید کہ ہراساں نشود

فقط والسلام

باسمہ تعالیٰ

ازطرف عبدالحلیم عفی عنہ
زروبی (مردان)

مورخہ ۲۴ / مارچ

فاضل محترم جناب مولوی حافظ زاد علمکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا خط مجھے ۲۴ / مارچ کو ملا۔ محمد ابراہیم اور بعض طالب علم میرے ایک شادی شدہ بھتیجے کی وفات پر جنازہ کے لئے آئے تھے۔ آپ کے جانے کے بعد بعارضہ قلب بیمار رہا۔ نیز شوگر اور بلڈ پریشر بھی اور کھانسی بھی تھی۔ شدت تکلیف (کی وجہ) سے خیبر ہسپتال پشاور گیا تھا۔ اور ۹ / فروری کو وہاں سے واپس ہوا۔ ڈاکٹر نے ایک ماہ بعد معائنہ کے لئے واپس آنے کو کہا تھا۔ اور گھر پر آرام اور گھر پر تجویز کردہ دوائی کا استعمال جاری رکھنے کو کہا تھا۔ ۹ / فروری سے ۲۴ / مارچ تک گھر میں ہوں۔ علاج کرا رہا ہوں۔

ایک ماہ بعد پھر ہسپتال گیا۔ مگر ڈاکٹروں کے ہڑتال کی وجہ سے ناکام واپس ہوا۔ اور ایک دو روز اکوڑہ خٹک میں رہا۔ کیونکہ مسلسل سفر مشکل تھا۔ پھر واپس گھر آیا۔ ہسپتال میں میرے ساتھ پیر نجیم علی شاہ، عزیز الدین اور عزنی خیل قاری صاحب تھے۔ عبدالمتین، مقصود گل اور بہت سے (طالب علم) آتے رہتے تھے۔ اب گھر میں بھی روزانہ پانچ دس کم و بیش مزاج پرسی کے لئے آتے ہیں۔ بیماری خطرناک تھی۔ مگر مولائے کریم کے فضل و کرم اور اساتذہ وطلبہ کی دعاؤں سے اب رو بصحت ہوں۔ کمزوری بہت ہے۔ مجھے چونکہ ہفتہ کو ہسپتال جانا تھا تو گھر سے جمعرات کو روانہ ہوا۔ اور جمعرات و جمعہ کو اکوڑہ ٹھہرا۔ اور ہفتہ کو ہسپتال سے آکر رات اکوڑہ میں گذار کر اتوار کو واپس گھر آیا اور اب تک گھر میں بیماری کے دن گذار رہا ہوں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔ جس نے آپ کو کہا کہ اکوڑہ آیا تھا یہ صحیح ہے اور ٹھیک ٹھاک غلط ہے۔

عبدالمتین نے کہا تھا کہ حافظ محمد امین کی ملاقات میرے ساتھ نہیں ہوتی۔ کلیم اللہ بھی آیا تھا۔ جب میں شدید بیمار رہا۔ تو اسی روز مولوی محمد منصور وزیرستانی [illegible] اسباق ناغہ ہوتے۔ اگر قسمت نے اجازت دی تو انشاء اللہ اسباق شروع کروں گا۔ مگر دل اور دماغ بہت کمزور ہیں۔

اپنے کوائف اور گھر کے احوال کی اطلاع دیا کریں۔

والسلام

عکس تحریر

جمع البیہقی کتابًا لطیفًا فی حیاۃ الانبیاء فی قبورہم اورد فیہ حدیث انس رض الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون الحدیث وفی شواہد الحدیث رؤیتہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعۃ من الانبیاء فی قبورہم یصلون ومنہا ما اخرجہ ابو الشیخ فی کتاب الثواب بسند جید من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیًا بلغتہ الحدیث وفی روایۃ ابی داود والنسائی قالوا یا رسول اللہ کیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت قال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء الحدیث

فما رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من جماعۃ من الانبیاء یصلون ویلبون لیلۃ اسری بہ وعبرنا یحمل علی الحقیقۃ ای صلوتہم فی قبورہم واما رؤیتہ صلی اللہ علیہ وسلم فلعل ارواحہم متشکلۃ صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا کما تشکلت لہ لیلۃ الاسراء واما اجسادہم فہی فی قبورہم

ازطرف عبدالحلیم عفی عنہ

مدرس دارالعلوم حقانیہ

مورخہ ۱۳ ربیع الاوّل

باسمہ تعالیٰ

فاضل محترم جناب قاضی مولانا عبدالحلیم صاحب زید مجدکم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نوازش نامہ ملا یادآوری کا شکریہ۔ امید کہ آپ معہ متعلقین کے بخیر وعافیت ہول گے۔ والدین کی خدمت، خویش واقارب کی ہمدردی، دلجوئی، دینی مدرسہ کا نظم ونسق، طلبہ علم دین کا تکفل ان کی تعلیمی ضروریات کا سرانجام دینا ایک عظیم کارنامہ ہے جس کے لئے مولائے کریم نے آپ کو موقعہ دیا۔ شکریہ کا مقام ہے۔ دور دراز سفر کی تکالیف سے نجات ملی۔ والدین کی زیارت میسر ہوئی۔ اہل وعیال کی سرپرستی کا موقعہ ملا۔ یہ خوش نصیبی ہے۔ فقط والسلام

قاضی صاحب کو دعا وسلام عرض ہے۔

دعاؤں میں یاد فرمایا کریں۔

عبدالحلیم عفی عنہ باسمہ تعالیٰ

مورخہ ۳۰ اگست۔ ۱۵ رمضان المبارک

زروبی

فاضل محترم جناب مولوی عبدالمتین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

یہاں پر خیر وعافیت ہے۔ آپ کا نوازش نامہ ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ گھر کے بیماری کے متعلق رو بصحت ہونے کی خبر باعث مسرت ہوئی دعا ہے کہ مولائے کریم ان بیماروں کو شفا عاجل وکامل سے نوازے۔ اور آپ کے تمام متعلقین کو صحت وعزت و دولت اور حیات طیبہ نصیب فرماوے۔ بالخصوص آپ کو خداوند عزوجل دینی خدمات تدریس وتبلیغ واشاعت علوم دینیہ کے لئے طویل زندگی باعزت وعافیت واقبال وجاہ عطا فرماوے وماذالک علیک بعزیز۔

محمد ابراہیم امسال شاہ منصور میں درس قرآن کریم میں شامل اور میراث بھی پڑھ چکا ہے۔ زروبی اس دفعہ طالب علم کم ہیں۔ ایک وزیرستانی عبدالغفور جو کہ امسال دورہ حدیث میں شامل تھا اور دو بلوچستانی فیض محمد واکرم۔ جو کہ میرے پاس قیاس حسامی پڑھ رہے ہیں اور وزیرستانی میراث پڑھتا ہے۔ اور ایک سابق فاضل گوہر شاہ چارسدہ والا دوبارہ بھی میراث پڑھ رہا ہے۔

باقی خیریت۔ آپ کے سب احباب بخیر وعافیت ہیں۔

گل رحمان۔ سید قمر شاہ۔ حاجی صاحب۔ مولوی محمد صدیق صاحب سب سلام عرض کر رہے ہیں۔ باقی آپ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ شادی خانہ آبادی کا ارادہ کب ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از طرف عبد الحلیم عفی عنہ

مورخہ ۱۷ رصفر

۱۴۰۱۰۸۱

فاضل محترم جناب مولوی عبد المتین صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

کل بروز اتوار ۱۶ رصفر ۱۳ ردسمبر آپ کا نوازش نامہ جب کہ میں گھر سے آیا۔ موصول ہوا آپ کا ۱۵ رمحرم الحرام والا خط مجھے گھر میں ملا تھا۔ بعارضہ قلب اور پھیپھڑوں کی کمزوری کی وجہ سے ڈاکٹر نے گھر میں آرام کرنے کو کہا تھا۔ اسی وجہ سے تقریباً ایک ماہ گھر میں رہا ہوں۔ اب بھی علاج جاری ہے۔ پڑھائی سے منع کر دیا ہے۔ ۱۵ روپیہ روزمرہ علاج پر خرچ ہو رہا ہے۔ چند روز انتظار کر رہا ہوں۔ اگر فائدہ نہ ہوا۔ تو پشاور کے کسی بڑے ڈاکٹر یا ہسپتال جانے کا خیال ہے۔ مولائے کریم سے استدعا ہے کہ صحت بخشے اور یہ نوبت نہ پہنچے۔ آپ کے خط کا جواب میں نے غالباً ۲۶ محرم کو دیا تھا۔ جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں تو عید الاضحیٰ کے موقع پر آپ کے آنے کا منتظر تھا۔ مگر آپ نے اعتذار پیش کیا۔ حافظ محمد امین فاضل حقانی آیا تھا۔ اس کو میں نے واپسی پر کہہ دیا تھا۔ کہ کوہاٹ میں فاضل عبد المتین کے ساتھ ملاقات کر کے یہاں کے حالات عرض کریں۔ نہ معلوم کہ آپ کے پاس آیا ہے یا نہیں۔

مستقبل کے لئے ....

مولائے کریم سے دعا ہے کہ نامساعد حالات سے محفوظ رکھے۔ محمد اسمٰعیل کی ۳ ماہ سے زائد وقت تک کوئی خبر نہ تھی۔ ابھی چند روز سے ایک خط رومانیہ سے آیا تھا۔ اور عذر پیش کیا تھا کہ سفر ممتد ہوئی۔ اور معتد بہ ٹھکانا کسی بندرگاہ پر نہ ہونے کی وجہ سے خط میں تاخیر ہوئی۔ باقی گھر میں خیریت ہے۔

یہاں پر مدینہ منورہ کے جامعہ کا رئیس عبد اللہ الزاہد دوم صفر بروز اتوار آیا تھا۔ اس وجہ سے سہ ماہی میں تاخیر ہوئی اور امتحان ۸ رصفر کو شروع ہوا۔

دعاءِ صحت اور انجام کامیابی فرمایا کریں۔ فقط والسلام

محمد ابراہیم اور عبد الحفیظ کی طرف سے سلام عرض ہے۔

از دار العلوم حقانیہ

باسمہٖ تعالیٰ

از طرف عبد الحلیم

جمعرات ۱۰ رمحرم الحرام

از کراچی، جناح ہسپتال

۲۸ راکتوبر

گرامی قدر فاضل محترم مولانا عبد المتین صاحب زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خیریت طرفین نصیب باد۔

آپ کا نوازش نامہ ملا، حالات سے آگاہی ہوئی۔ چند روز ہوئے فاضل نصیب علی شاہ صاحب حج شریف سے واپسی پر یہاں آیا تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ کوہاٹ میں مولانا عبد المتین صاحب سے ملیں اور ان کو میرا حال سنائیں۔ کل مورخہ ۲۷ راکتوبر کو یہاں آیا تھا۔ رہا ہے اور اب بھی یہاں ہے۔ میرا ہاتھ کانپتا ہے خط میں دشواری ہوتی ہے۔ ۲۳ رستمبر کو داخل ہوا تھا ہسپتال میں۔ تین چار مرتبہ دل کا دورہ ہوا تھا۔ اب ہفتہ عشرہ سے حالت اچھی ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ہفتہ میں مجھے رخصت دے دیں گے۔ روٹی سالن بغیر نمک اور چار بغیر شیرینی کا استعمال کرتا ہوں۔ کمزوری زیادہ ہوتی ہے۔ محمد اسماعیل ساتھ ہے۔ زیادہ خیریت ہے۔ فقط والسلام۔ کلیم اللہ صاحب کو سلام عرض۔

باسمہ تعالیٰ

ازطرف عبد الحلیم

از دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ

فاضل محترم جناب مولوی عبد المتین صاحب دام مجدکم

سلام مسنون کے بعد گذارش یہ کہ آج بروز اتوار مورخہ ۳ر مئی کو ۴ بجے آپ کا خط ملا. پڑھ کر کاشف حال ہوا. میں بہ نسبت سابق اچھا ہوں. مگر کبھی کبھی دل پر غیر معمولی دورہ آجاتا ہے. تین مرتبہ ہسپتال گیا ہوں. کل بروز پیر انشاء اللہ ارادہ ہے پشاور جانے کا. بعض احباب نے رائے دی ہے کہ وہاں ایک حکیم معمر مسمی عبد الرحیم حکیم حاذق ہے. نبض شناس ہے چنانچہ پیر مظفر شاہ پر دورہ قلب آتا تھا. ڈاکٹری علاج سے فائدہ نہ ہوا تو اس نے اسی حکیم کی طرف رجوع کیا. اس کے علاج سے اللہ تعالیٰ نے اسے صحت بخشی. تو میں بھی چاہتا ہوں کہ اس کے پاس جاؤں. شاید اللہ تعالیٰ اس کی دوائی سے اس مرض سے شفا بخشے. باقی محمد ابراہیم کی شادی کے متعلق ارادہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ سالانہ امتحان کے بعد یعنی شعبان میں کریں گے. مگر سامان تو پہلے مہیا کرنا چاہئے. تدبیر اور انتظام کے لئے صحت و قوت کی ضرورت ہے اور مجھے دونوں حاصل نہیں. اور آج کل تو گرانی اور خلاف اسلام رسومات نے شادی بیاہ کا معاملہ بہت مشکل کر دیا ہے اسلام نے جو سیدھا سادہ بے تکلف شاہ راہ پر مسلمانوں کو چلایا. اسے مسلمانوں نے چھوڑ دیا. بہرحال ضروریات شادی تو جیسا بھی ہو تیار کرنا پڑے گا. اگر رجب کے وسط تک پہنچ سکے تو بہتر ہوگا.

محمد شفیع فاضل نے خط بھیجا ہے کہ میں رجب کے اوائل میں تو آجاؤں گا. محمد انور فاضل بھی آنے والا ہے. پلنے تو یہاں بھی ملتے ہیں. لیکن بیکار اور بہت گراں ملتے ہیں یہاں ہر ایک دکاندار سے میں نے معمولی پلنے رنگدار کی قیمت پوچھی تو اس نے کہا کہ ۱۰۵ روپیہ مجھے ملتے ہیں. حالاں کہ ناقص لکڑی اور بہت معمولی تھے. اگر آسانی سے کام ہو سکے تو بہتر، ورنہ زیادہ تکلیف نہ اٹھائیں.

فقط والسلام

باسمہ تعالیٰ

ازطرف عبد الحلیم عفی عنہ — مورخہ ۸ شوال. ۲۰ جولائی

زروبی. صوابی. مردان

فاضل محترم جناب مولوی عبد المتین صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ. خیریت طرفین نصیب باد.

مرام اینکہ آپ کا ۲۴ رمضان المبارک کا ارسال کردہ خط ۷ شوال کو ملا. حالات سے آگاہی ہوئی. آپ کا سابق خط بھی ملا تھا. مژدہ تولید نو وارد باعث مسرت ہوئی. مولائے کریم ان کو طول عمر کے ساتھ علم و تقویٰ و صلاح اور والدین کا نور العین دلی کا سرور عزت و شرف مجسمہ بنادے. وما ذالک علی اللہ العزیز.

میرے عمرہ کا کام نہ ہو سکا. دھوکہ میں پڑ گئے. جس فاضل نے پاسپورٹ بنانے کا ذمہ لیا تھا ۱۵ رمضان تک اس کا انتظار کیا. مگر بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے فارم بھی اب تک داخل نہیں کیا اس کے بعد میں راولپنڈی گیا کہ پاسپورٹ بنا کر ویزا حاصل کروں. مگر دوسرے روز ویزا بند ہونے کا اعلان ہوا. میری کوشش ناکام ہوئی. اور میں واپس ہو کر بقیہ رمضان المبارک گھر میں بسر کیا. آخر رمضان میں بیمار ہوا. اب بفضلہ تعالیٰ اچھا ہوں.

محمد اسمٰعیل کا خط آیا تھا کہ میں رمضان المبارک میں گھر آجاؤں گا. مگر اب تک گھر نہیں پہنچا. جون کے آخر میں پہنچنے کا لکھا تھا. اب تو جولائی بھی ختم ہونے والی ہے. اللہ تعالیٰ خیر و عافیت شامل حال رکھے. محمد ابراہیم اور عبد الحفیظ دونوں گھر میں ہیں. سلام و دعا عرض ان کے طرف سے عرض ہے. فاضل کلیم اللہ صاحب اور حافظ محمد امین صاحب کو سلام عرض ہے.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از حرف عبد الحلیم عفی عنہ — ۱۶ ربیع الثانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ — ۱۳۹۹ھ

فاضل محترم جناب مولوی عبد المتین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

واضح رہے کہ مجھ پر بیماری نے پھر حملہ کیا تھا جس کی وجہ سے چند روز گھر میں رہنا پڑا۔ گھر سے واپسی پر آپ کا خط ملا۔ اس لئے جواب میں دیر ہوئی۔ باقی گھر کی بیماری بحال ہے اللہ تعالیٰ شفا بخشے۔

عبادات اور معمولات میں کمی نہ ہونے دیں ہمت سے کام لیا کریں۔ اور نفس امارہ بالسوء اور شیطان کو موقع نہ دیں۔ من تہاون فی المستحبات حُرِمَ ولم یوفق للسنن۔ ومن تہاون فی السنن حرم من الواجبات ومن تہاون فی الواجبات حرم عن الفرائض اھ

اعوذ باللہ من العجز والکسل

مولائے کریم آپ کی شادی میں برکت فرمادے۔ علم وعمل وتقویٰ میں ترقی بخشے۔ آفات و مصائب سے محفوظ رکھے۔ باقی خیریت ہے آپ کے برادران اور متعلقین کو دعا وسلام عرض ہے

از عبد الحلیم صاحب

کراچی ۲۶ ستمبر ۱۹۸۲ء

محترم جناب مولانا عبد المتین صاحب سلامت باشد

السلام علیکم۔ خیریت وصحت!

بعد از سلام عرض ہے کہ میں خیریت کے ساتھ کراچی پہنچ گیا۔ راستے میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوئی۔

بعد میں آپ کو ہسپتال سے لکھ رہا ہوں۔ آنے کے دو دن بعد مجھے ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ یہاں پر مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے۔ پیشاب اور ای۔ سی۔ جی روزانہ ہوتے ہیں۔ خون اور ایکسرے ہوئے۔ ابھی ابتدائی علاج ہو رہا ہے۔ آپ ہماری شفایابی کے لئے اللہ کے حضور دعا کریں اور سب خیریت ہے۔

میری طرف سے جملہ رفقائے کار کو سلام عرض ہے۔

پتہ:۔ مولانا عبد الحلیم بمعرفت فرید خان۔
کوارٹر نمبر ۵/۱۷۔ بلاک نمبر ۳۰
کے۔ پی۔ ٹی لائن کیماڑی۔ کراچی نمبر ا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عبد الحلیم عفی عنہ — ۳ صفر۔ یوم پیر
دارالعلوم حقانیہ — ۳۰ نومبر

فاضل محترم جناب مولوی عبد المتین صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امید کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ کئی روز سے آپ کا نوازش نامہ ملا تھا مگر بوجہ بیماری کے ایک دو ہفتہ گھر میں آرام کر رہا تھا۔ ۳۰ محرم کو یہاں دارالعلوم آیا ہوں۔ اس لئے جواب دہی میں تاخیر ہوئی۔ میں عید الضحیٰ کے موقع پر آپ کے وعدہ کے موافق آپ کے تشریف آوری کا منتظر تھا۔ مگر آپ کی مصروفیت نے آپ کو اجازت نہ دی۔ میں اس وقت بھی زیر علاج ہوں۔ ڈاکٹر کے مشورہ پر ایکسرے کر کے معلوم ہوا کہ پھیپھڑوں میں خرابی ہے۔ ڈاکٹر نے نسخہ تجویز کر کے تقریر اور پڑھانے سے منع کیا۔ اسی وجہ سے ایک دو ہفتے آرام کیا۔ اور ڈاکٹر کے اجازت کے بغیر پڑھائی شروع کر لی جس سے دوائی کا فائدہ کم ہوا۔ دوائی پندرہ روپیہ روزانہ ہے۔ ڈاکٹر نے مکرر کہا۔ کہ

تقریر سے تجھے مزید نقصان ہوگا۔ جمعرات کو محمود برادر سمیع الحق کی شادی تھی۔ اس کے استقبال اور جلوس میں سب طلبہ مدرسین شامل تھے۔ اس وجہ سے سہ ماہی امتحان آئندہ ہفتہ سے شروع ہوگا۔ توکل گھر سے جانے کا ارادہ ہے انشاءاللہ کہ کچھ دن آرام کریں۔ فقط والسلام

دعا فرمایا کریں۔

○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲ صفر المظفر

فاضل محترم جناب مولوی عبدالمتین صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ آپ کی شادی خانہ آبادی مبارک ہو۔ میں نے آپ سے کہا تھا اور ارادہ بھی تھا کہ اس خوشی کے موقع پر باوجود ضعف کمزوری اور دور دراز سفر کے انشاءاللہ تعالیٰ حاضر ہوں گا۔ مگر مشیت ایزدی شاملِ حال نہ تھی اور اس موقع پر بیمار رہا۔ اور تقریباً ایک ماہ گھر پڑا رہا۔ اب چند یوم سے یہاں دارالعلوم آیا ہوں۔ مجھے اس عدم شمولیت پر افسوس ہے۔

دعا کرتا ہوں کہ آپ کی شادی خانہ آبادی مولائے کریم حامل برکات دینی اور دنیوی فرماوے۔ اور باعث اتفاق واتحاد کا سبب بنادے۔

فقط والسلام

عبدالحلیم عفی عنہ
مدرس دارالعلوم حقانیہ
اکوڑہ

عملیات ومجربات

ذیل میں حضرت صدر صاحب قدس سرہٗ کے عملیات ومجربات میں سے چند ایک بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔ (فانی)

تعویذ برائے نظرِ بد

اگر مستقل دفع نظر مقصود ہو تو لکھے طآ منفرد یعنی ایک نوخانوں میں تین مرتبہ۔ اور اگر دفع نظر واقع مقصود ہو تو ططط یعنی متصل نوخانوں میں تین مرتبہ

ططط	ططط	ططط
ططط	ططط	ططط
ططط	ططط	ططط

لکھے وشفاء لما فی قلوبہم۔ فنظر نظرۃ فی النجوم علیتا ملیتا قلیتا فانت تعلم
فقال انی سقیم

دعا برائے حاجت روائی

یہ عمل شب جمعہ سے شروع کیا جائے۔

یامسبب الاسباب۔ یامفتح الابواب یامقلب القلوب والابصار یادلیل المتحیرین یاغیاث المستغیثین اغثنی اغثنی توکلت علیک وافوض امری الیک لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم بحق ایاک نعبد وایاک نستعین برحمتک یاارحم الراحمین۔ نماز عشاء کے بعد ایک سو ایک مرتبہ دس رات متواتر پڑھے۔

دیگر

نماز عشاء کے بعد اور وتر سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔ اول رکعت میں ایک سو ایک مرتبہ سورہ فاتحہ اور ایک مرتبہ اخلاص پڑھے۔ اور دوسری رکعت میں ایک مرتبہ فاتحہ اور ایک سو ایک مرتبہ اخلاص پڑھے۔ نماز کے بعد ۱۱ مرتبہ یا اَحَد دائیں طرف اور ۱۱ مرتبہ یا صَمَد بائیں طرف ۱۱ مرتبہ یا وِتر سامنے کی طرف پڑھے اور سبابہ کے ساتھ اشارہ بھی کرے اور گریبان کھول کر سینے پر ۱۱ مرتبہ یا فَرد پڑھے پھر دعا کرے۔ یہ عمل جمعہ کی رات کو کرنا چاہیئے۔

دیگر نماز برائے حاجات

پہلی رکعت میں سو بار لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الخ دوسری میں ربّ انّی مسّنی الضّر الایۃ تیسری میں وافوّض امری الی اللّٰہ الایۃ چوتھی میں قالوا حسبنا اللّٰہ الایۃ فراغت کے بعد ربّ انّی مغلوبٌ فانتصِر پڑھے۔

برائے حصول تمنا

بعد از نماز عشاء ۱۱ بار درود شریف ۱۱ بار یا مغنی ۱۱ بار درود شریف

برائے دفع خوف اعداء حاسدین

صبح شام نماز کے بعد ۱۱ بار لایلاف قریش تا آخر ہر بار بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ پڑھے

برائے تشخیص مرض

سفال آب نارسیدہ لے کر نقش مذکور ذیل اس پر لکھے۔

۲۱۲ طلعوا مصلح پھر وہ ٹھیکری مریض کے سر اور پاؤں سے سات بار پھیرے اس طور کہ مریض کو لٹاتے اور سر سے لے کر پاؤں اور پاؤں سے سر تک اسی طرح پھرائے پھر وہ ٹھیکری آگ میں ڈالے اور دیکھے کہ خط کا رنگ کیسا ہے اگر سفید ہے تو یہ علامہ سحر ہے

اور اگر سرخ ہو جائے تو علامہ نظر ہے۔ اور اگر سیاہ رہے تو علامہ مرض ہے اور اگر غائب ہو جاتے تو علامہ جن ہے۔ اگر جن ہو تو ۶۶ مرتبہ یا اللّٰہ چینی برتن میں لکھ کر مریض کو پلایئے

عمل برائے فرزند یعنی اولاد نرینہ

سات رنگ کے سات دھاگے بمقدار کمربند کے لے کر ایک ایسی جگہ میں بیٹھے جس کے چار طرف پانی ہو۔ اور ایک نئی چادر غیر مستعمل لے کر تمام بدن کو اس سے ڈھانپ لے۔ اور سورہ یٰسین پڑھنا کرے اور ہر مبین پر ایک گرہ ان دھاگوں کو دیتا جائے اسی طرح سات گرہیں پورا کرے۔ پھر ان دھاگوں کو ایک ڈبیہ میں لپیٹ کر کمر میں باندھ لے۔ یعنی عورت بعد حمل کے ان دھاگوں کو کمر سے لپیٹ لے۔

ایضاً برائے اولاد

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ۵ ۱۱ آحم ۸/ ۱۱۱۱ احکم رب ل ات زر ن ی فر د وا ن ت خ ی ر ال وارث ی ن ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما وانی خفت الموالی من ورائی وکانت امرأتی عاقرا فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من اٰل یعقوب واجعلہ رب رضیا یٰزکریا انا نبشرک بغلام اسمہ یحییٰ لم نجعل لہ من قبل سمیا ولبثوا فی کھفھم ثلاث مأۃ سنین وازدادوا تسعا قل اللّٰہ اعلم بما لبثوا لاحول ولاقوۃ الّا باللّٰہ العلی العظیم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

ھو ھو ھو ھو ھو ھو

ھو ھو ھو ھو ھو ھو

ت	ر	ا	و
ا	و	ث	ز
ت	د	و	ا
ا	و	ر	ث

باب ہشتم

مُتفرقات و مُختصر تاثرات

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں یہ پھر رہے ہیں یہ آ رہے ہیں یہ جا رہے ہیں
وہی قیامت ہے قد بالا وہی ہے صورت وہی سراپا
لبوں کو جنبش نگہ کو لرزش کھڑے ہیں اور مسکرا رہے ہیں

مولانا الشیخ عبد الحلیم اخندزادہؒ

صدر المدرسین دار العلوم حقانیہ

از مولانا عبد الحلیم اثر افغانی

الحق اکوڑہ کے شمارہ بابت ماہ فروری ۱۹۸۳ء میں حضرت مولانا عبد الحلیم صدر مدرسین حقانیہ کی وفات کی خبر پڑھی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ اور ان کے ندگان اور اراکین دار العلوم کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔

ذیل میں مرحوم کے متعلق یہ چند سطور یادرفتگان کے طور مرحوم کے ایک ہم عمر اور کے عینی شاہد راوی کی زبانی ارسال کر رہا ہوں۔ میں نے مرحوم کے نام کے ساتھ خندزادہ کا اضافہ کیا ہے۔ اس کی بھی وضاحت آجاتی ہے۔

پہلی ملاقات چند ماہ پہلے راقم الحروف عبد الحلیم اثر نے دار العلوم حقانیہ کی زیارت مرحوم مولانا اخندزادہ عبد الحلیم رخصت پر تھے۔ ملاقات نہ ہو سکی۔ اس

مرحوم سے اپنی پوری زندگی میں اس پہلی ملاقات کا ذکر کروں گا جو آج ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء سے ساٹھ سال پہلے ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں ہوئی تھی اور اس ملاقات کی یادوں کے نقوش ابھی تک ذہن میں باقی ہیں۔ ایک عرب شاعر نے کہا تھا ؎

کان لم یکن بین الحجون الی الصفا
انیس ولم یسمر بمکۃ سامر

جیسے اجا اور صفا دونوں پہاڑوں کے درمیان کوئی دوست باقی ہی نہ رہا اور نہ مکہ میں کسی رات کو کہانی سنانے والی شخصیت باقی رہی ہو جس سے بیٹھے ہوئے دنوں کی کہانی سنائی ہو۔

راقم الحروف عبدالحلیم اثر سمر اللیل کے طور کچھ کہانی سنانے چلا ہے اس میں مرحوم کی یادیں ملیں گی۔ مرحوم کے آباؤ اجداد اور مشاہیر کا تذکرہ ملے گا۔ اور کچھ ان اساتذہ کرام کا تذکرہ ملے گا جن سے راقم الحروف اور اخندزادہ مرحوم نے فیض علمی حاصل کیا تھا۔

جلالیہ راقم الحروف اور مرحوم اخندزادہ عبدالحلیم کی پہلی ملاقات ضلع اٹک وادی چھچھ کے موضع جلالیہ میں درسگاہ حضرت مولانا السید الشیخ عبدالشکور علیہ الرحمۃ میں ہوئی تھی۔

سید عبدالشکور سب سے پہلے حضرت مولانا السید عبدالشکور کے متعلق چند کلمات لکھوں گا۔ کہ حضرت الاستاذ سید عبدالشکور حضرت مولانا السید الشیخ عبدالحئ الحسنی فرنگی محلی لکھنوی کے شاگرد تھے۔ اور آپ حضرت شیخ احمد زینی دحلانی مفتی مکہ مکرمہ کے شاگرد تھے۔ حضرت احمد زینی دحلان کی تالیفات میں سے ان کی ایک تالیف جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان کوفی پر ہے حدیقۃ النعمان قابل ذکر ہے۔

حضرت الاستاذ السید الشیخ مولانا عبدالشکور کا شجرہ نسب یہ ہے۔ سید عبدالشکور ولد سید عبدالحمید (ثانی) ولد سید محمود ولد علی۔ ولد شاہ محمود ولد عبدالحمید (اول) ولد

جلال الدین عبداللہ (بانی قصبہ جلالیہ) ولد عبدالسلام ولد محمد رحمت اللہ ولد محمود ولد علی زین العابدین ولد نصیر الدین موسی رحمۃ اللہ علیہم۔

۱۳۴۳ھ-۱۹۲۴ء میں اس درسگاہ میں طالب علموں کی تعداد ۴۰ تھی۔ اور ان میں سب سے کم عمر طالب علم ہم تین تھے۔ راقم الحروف۔ اخندزادہ عبدالحلیم اور ان کے ایک چھوٹے بھائی جن کا نام یاد نہیں آرہا۔ میرے اور اخندزادہ عبدالحلیم کی عمر میں ایک دو سال کا فرق ہو یا نہ ہو۔ راقم الحروف ذرا دبلا پتلا سا تھا اور اخندزادہ عبدالحلیم گول مٹول بھرے بھرے جسم کا جیسے بدن میں کوئی ہڈی ہی نہ ہو۔ میرے اور ان کے دونوں کا رنگ سانولا۔ دونوں کی بڑی بڑی کالی آنکھیں۔ کشادہ ابرو۔ لیکن اخندزادہ عبدالحلیم کی آنکھیں خمار آلود رہتیں۔ میں ذرا شوخ اور اخندزادہ کم گو۔ خاموش۔ ہر وقت اپنے دائیں ہاتھ کا تکیہ لگائے دراز رہتے۔ اور دیکھنے والے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ کر انہیں ٹوکتا یہ نگاہیں عاشقانہ ہیں یا معشوقانہ بہرحال پیار بھری نگاہیں تھیں۔

ہمارے ایک دوسرے ہمدرس تحصیل صوابی موضع مینئی کے رہنے والے تھے۔ دبلے پتلے، لانبے تڑنگے جیسے تھے۔ ہمارے ہم عمر ہی تھے ان کا نام ذہن سے نکل گیا ہے۔ بعد میں موضع طورو کی مسجد صاحب زادگان میں میرے ہمدرس بھی رہے تھے۔ پتہ چلا ہے کہ صاحب بھی فاضل عالم بن کر نکلے۔ کچھ عرصہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں مدرس بھی رہے ان کا نام یہاں لکھ دیں تو بات بن جائے [1]

---

[1] آپ کا نام شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن تھا۔ دارالعلوم حقانیہ میں تدریس نہیں کی۔ تدریس کا زیادہ تر زمانہ میرٹھ، چارسدہ اور راولپنڈی میں گذارا۔ علم اصول حدیث میں آپ کی تصنیف جواہر الاصول فی مصطلح احادیث الرسول مشہور ہے۔ ۵ مارچ ۱۹۷۵ء کو لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور میں آپکا وصال ہوا جنازہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے پڑھایا اور تین بجے آبائی گاؤں موضع مینئی میں سپرد خاک کر دیئے گئے (رفاقی)

مولانا السید الشیخ عبدالشکور جن کا ذکر کیا گیا ہے ان دنوں ان کی عمر ایک سو دس سال سے زیادہ تھی اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ان کے حواس خمسہ بحال تھے۔ بینائی ایسی کہ بغیر چشمہ لگائے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے۔ سرو قد۔ کمر میں کوئی خمیدگی نہیں۔ مال مویشی کو کنوئیں پر پانی پلانے خود لے جایا کرتے۔ سفید نورانی چہرہ۔ سفید لباس۔ سفید عمامہ وہ خود درس نہ دیتے بلکہ یہ فریضہ ان کے فرزندِ اکبر مولانا عبداللطیف ادا فرماتے۔ جن سے راقم الحروف کتاب اصول شاشی اور اخند زادہ عبدالحلیم کتاب کافیہ در علم نحو پڑھ رہے تھے۔ راقم الحروف اسی گاؤں کے ایک دوسرے عالم مولانا سید عبدالرشید سے شرح جامی پڑھ رہا تھا۔

اتفاق دیکھئے کہ راقم الحروف کے جد امجد سید عبداللطیف حضرت مولانا السید عبدالشکور کے جد امجد سید عبدالمجید کے شاگرد رہے تھے۔ ان اجداد کرام کے روحانی تصرفات کی بدولت راقم الحروف نے حضرت مولانا السید الشیخ عبدالشکور سے استدعا کی کہ وہ بنفس نفیس مجھے کچھ پڑھائیں جو انہوں نے منظور فرمایا۔

شمۃ النحو ۔ایک کتاب صوبہ سرحد کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہے جس کا نام شمۃ النحو حضرت الاستاذ مولانا السید الشیخ عبدالشکور کے پاس اس کا ایک مطبوعہ نسخہ تھا جو ۱۲۵۲ھ-۱۸۳۶ء میں کانپور میں چھپا تھا۔ اس کے سرورق پر یہ عبارت درج تھی۔

۔ شمۃ النحو من تالیف مولانا محمد یوسف ابن محمد یعقوب یوسفزائے۔"

اس کتاب کے متعلق وادی سمہ و سوات اور وادی پشاور کے لوگوں کو یہ علم نہیں ہے کہ یہ کتاب ایک یوسفزائے عالم کی تالیف ہے۔ ہم اسے مفاخرِ یوسفزائے میں شمار کر سکتے ہیں۔

باوجودیکہ شمۃ النحو علم نحو کی ابتدائی کتاب ہے اور اسے میں پڑھ چکا تھا لیکن حضرت الاستاذ کے ارشاد کے مطابق اس کتاب کا دیباچہ ان سے پڑھ کر شرفِ تلمذ حاصل کیا۔

ارجوزہ سینا حضرت الاستاذ کے ایک مختصر سی منظوم مصر کی چھپی ہوئی کتاب تھی ارجوزہ سینا۔ یہ علم طب کی کتاب تھی۔ استاد مرحوم نے اس کے ابتدائی اشعار پر مجھے شرفِ تلمذ بخشا۔ اس کے چند اشعار ذہن میں محفوظ ہیں جو شیخ ابو علی ابن حسین ابن سینا امو بوعلی سینا کے رجزیہ اشعار میں سے گوہر آبدار ہیں ؎

اسمع بنی وصیتی واعمل بھا — والطب معقود نبص کلامی

احعل غذائك كل يوم مرةً — واحذر طعاما قبل ھضم طعامی

لاتشربن عقیب الاکل عاجلا — فتقود نفسك للاذی بزمامی

واحفظ منیك ما استطعت فانھا — ماء الحیات یراق فی الارحامی

حدائق النعمان حضرت الاستاذ نے اپنے شیخ احمد ابن زینی دحلان کی تالیف حدائق النعمان مطالعہ کے لئے عنایت فرمائی۔ اس کے سند کی اجازت دی دی میں نے اس پر اپنے بچپنے ہی میں عربی زبان میں تتمۃ الافغان کے نام سے تعلیقات لکھیں ان تعلیقات کی دھندلی سی یادیں اب بھی ذہن میں محفوظ ہیں۔

اخند زادہ عبدالحلیم نے مولانا السید الشیخ عبدالشکور کے فرزند اکبر سے شرفِ تلمذ حاصل کیا تھا۔ ان کا سلسلہ تلمذ یوں رہا۔ عبدالحلیم عن عبد اللطیف عن ابیہ عبدالشکور عن سید عبدالحی الحسنی ہو عن ابیہ سید عبدالحلیم کے طرزِ تالیف و تصنیف کے متعلق معلومات حاصل کیں اور اس بزرگ استاد کے طریقہ کی پیروی کرتے ہوئے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ دی اور یہ ان کے فیوضات کی برکت ہے کہ اس وقت مجھے عربی، فارسی، پشتو اور اردو زبانوں میں کتابوں کی ایک کثیر تعداد کی تالیف کی سعادت حاصل رہی ہے وللہ الحمد۔

لطیفہ ۔ موضع جلالیہ کے قیام کے دوران ایک لطیفہ پیش آیا جس کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس لطیفہ کا پس منظر یہ ہے کہ صوبہ سرحد کی وادی بونیر میں دو پہاڑیاں ہیں۔

۱۔ کوہ دوسرا ۲۔ کوہ ایلم۔ اس وادی کے لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ الف۔ ایک گروہ کا دعویٰ تھا کہ کوہ دوسرا سب سے اونچی پہاڑی ہے (ب) اور دوسرے گروہ کا دعویٰ یہ تھا کہ کوہ ایلم سب سے اونچا پہاڑ ہے۔ اس سوال پر لڑائی جھگڑے بھی ہوئے۔ کوہ ایلم کے طرفدار پتھر ڈھو کر کوہ ایلم کی چوٹی بناتے رہے۔ ایک دفعہ کوہ ایلم کو کھانسی زکام کی شکایت ہوگئی لہٰذا مسور کی دال پکا کر اسے کھلاتے رہے[1]

ہمارے ایک ہمدرس طالب علم کا نام تھا عبدالواحد بونیری۔ پتہ چلا کہ جناب کوہ ایلم کے طرفداروں میں سے ہیں۔ طالب علموں کو دلچسپی کا موقعہ ہاتھ آیا۔ جب کھانا کھانے کے لئے بیٹھتے اس وقت کوہ ایلم کی ہجو شروع ہو جاتی۔ دیکھو یہ کوہ ایلم بھی کوئی پہاڑ ہے۔ پہاڑ اگر ہے تو کوہ دوسرا ہے۔ اور بیچارہ عبدالواحد آنکھوں میں آنسو بھر لاتا اور کھانا کھائے بغیر اٹھ جاتا۔ آخر طلبار نے آپس میں مشورہ کیا کہ بیچارے عبدالواحد کی اکیلی جان ہے کچھ طلبا اس کے ساتھی بن جائیں تاکہ اس کھیل میں جان پڑے۔

فیصلہ کے مطابق چودہ طلبا بونیری طالب علم عبدالواحد کے ساتھی بن گئے جن میں سے ایک راقم الحروف بھی تھا۔ اور باقی طلبا کوہ دوسرا کے طرفدار بن گئے۔ جن میں سے ایک اخندزادہ عبدالحلیم بھی تھا۔ اب کھانا کھاتے وقت دونوں طرف سے مبالغہ آرائی کی حد تک دلائل دیئے جاتے۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف نے ایک پشتو نظم لکھی جو میری شاعری کے آغاز کی پہلی نظم ہے۔ اس کا ایک شعر تھا ؎

دا برهان دے چه پرے شی الزم دَخصم
چه په خوا کینے دَ ایلم دے پیر بابا پروت

اس شعر کی بنیاد اس روایت پر ہے کہ ایک بونیری سے کسی نے پوچھا کوہ ایلم بڑا ہے

---

[1] سروے کے بعد معلوم ہوا کہ کوہ دوسرا کی چوٹی کوہ ایلم سے بلند ہے (فانی)

یا پیر بابا۔ اس پر بونیری نے جواب دیا کہ خدا تجھے ایسا حیران کردے جس طرح تونے مجھے حیران کیا ہے۔

آخر تنگ آکر عبدالواحد بونیری نے خوشامد میں تمام طلبار کی دعوت کی جس پر پانچ روپے نقد خرچ ہوئے جو آج کل کے پانچ سو روپے کے برابر ہیں۔ لیکن اب وہ باتیں کہاں۔ آج کوہ ایلم اور کوہ دوسرا کے سوال پر کوئی لڑائی نہیں۔

اخندزادہ عبدالحلیم مولوی

راقم الحروف نے ابتدا میں مولوی عبدالحلیم مرحوم کے نام کے ساتھ لفظ اخند زادہ بڑھا دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ضلع مردان تحصیل صوابی کے جس گاؤں (زندوبی) کے رہنے والے تھے اس گاؤں کی بنیاد ۹۸۷ھ ۱۵۷۹ء میں شیخ سید سکندر ابن عباس ابن عبدالغنی ابن ابوالفتح نورالدین حسین ابن آدم ابن علی شیر ابن یوسف گدا جمال الدین یوسف گدا نے ۷۷۲ھ میں وفات پائی ہے۔ سید نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے مرید تھے۔ اور وادی بونیر کے گدائی زئی اس کی نسل سے ہیں۔ یوسف کا مزار ضلع میرٹھ کے قریب چندھیری میں ہے سید سکندر کی نسل میں سے سید اخندزادہ محمد ابن حامد ابن بہاء الدین حیدر ابن سید سکندر کا مزار اس گاؤں کے مغرب میں واقع ہے۔ آپ استاد الانس والجان تھے۔ ہمارے بعض مشاہیر علما ایسے گذرے ہیں جن کے درس میں مسلمان جنات بھی شامل ہوتے تھے۔ اور مسلمان جنّات کی سب سے بڑی تعریف یہ ہے کہ حد درجہ وفادار ہوتے ہیں۔ اپنے استاد کے مزار پر باقاعدہ حاضری دیتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ نوافل اور تہجد پڑھ کر اس کا ثواب اپنے استاد کی روح کو بخشتے ہیں۔ جنات کی عمریں لمبی ہوتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آج بھی حضرت السید الشیخ محمد کے مزار پر سلام کے لئے ان کے شاگرد جنات حاضری دیتے ہیں۔ مزار ایک چاردیواری کے تنگ سے احاطے میں ہے اس پر چھت نہیں ہے حضرت سید الشیخ اخندزادہ محمد متوفی ۱۰۸۷ھ ۱۶۱۶ء سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے

مشائخ کے مزارات پر چھت نہیں ہوتی۔ البتہ جو بزرگ سلسلہ قادریہ اور چشتیہ سے وابستہ ہیں ان کے مزارات پر چھت ہوتی ہے۔ سلسلہ سہروردیہ جو سلسلہ قادریہ کی ایک ذیلی شاخ ہے اس کو بھی قادریہ کے ذیل میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایسے بزرگوں کے مزارات پر گنبدیں بنی ہوئی ہیں۔

یہاں ایک خاص تصوفی نکتہ کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک بزرگ اپنی زندگی میں چاہے کتنے ہی سلاسل طریقت سے منسلک ہو۔ فوت ہونے پر اس کی نسبت ایک خاص طریقہ کی طرف ہو جاتی ہے۔ مثلاً حضرت شیخ اخوند حافظ عبدالغفور باباجی صاحب سیدو شریف سوات اپنی زندگی میں چشتی۔ سہروردی۔ نقشبندی اور قادری تھے لیکن فوت پر ان کی نسبت سلسلہ نقشبندیہ کی طرف کی گئی ہے۔ ان تصوفی باتوں کا علم ان انوار کی کیفیتوں سے ہوتا ہے جو ایسے مزارات سے پھوٹتے رہتے ہیں۔ حضرت مولانا اخندزادہ محمد عالم و فاضل تھے۔ علم فقہ کی کتابوں پر ان کے حواشی موجود ہیں۔ آپ پشتو اور فارسی کے ادیب بھی تھے۔ ان کا کلام موجود ہے۔ آپ کے علمی آثار میں سے سیرت النبی کے نام سے ایک منظوم کتاب تھی۔ جس کے ابتدائی اشعار درج ذیل ہیں۔

یقول محمد ابن الجزری الشافعی　　　الحمد للہ المہیمن المقتدری

والحمد للہ علی ماقہ ھدی　　　من بنظم سیرۃ النبی احمدا

اس قلمی نسخہ میں ایک صاحب کی مہر تھی جس میں ان کا نام منصف اور سال ۱۱۱۰ھ ۱۶۹۹ء درج تھی اور منصف کی مہر کے نیچے یہ فارسی شعر درج تھا ؎

منصف ایں طرفہ نسخہ دل خواہ
وقف شد خالصاً لوجہ اللہ

راقم الحروف کی معلومات کے مطابق اخندزادہ محمد کے ایک فرزند کا نام عبدالحلیم تھا۔ اور یہ اخندزادہ مولوی عبدالحلیم مرحوم اس اخوندزادہ عبدالحلیم کی نسل سے تھے۔ اور مجھے

ہے پورے اسناد سے معلوم ہوا ہے کہ یہ اخندزادہ مولانا عبدالحلیم کے جد امجد بھی صاحب نسبت بزرگ اور سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے۔ صاحب کشف بھی تھے۔ اور یہ ان نفوس قدسیہ کی فیضان تھی کہ بھولا بھالا عبدالحلیم بالآخر مولانا عبدالحلیم بن گئے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۴۰ء کی جنگِ عظیم میں جبکہ ان مغضوب علیہم پر قدرت کی طرف سے ہٹلر مجسم تازیانہ غضب بن کر مسلط ہوا تو اس نے ممالکِ مفتوحہ میں حکم جاری کیا کہ جس یہودی کو جان بچانا منظور ہو وہ ان ملکوں سے اڑتالیس ۴۸ گھنٹے کے اندر اندر نکل جائے ورنہ اس کی جان کی خیر نہ ہوگی۔ جرمنی کے سقوط سے پہلے جتنے یہود نکل گئے وہ جان بچانے میں کامیاب ہوئے جو نہ نکل سکے ان سب کو قید کر کے کسی کو زندہ جلا دیا اور کسی کو سمندر میں ڈبو دیا اور اکثر قتل کر دیئے گئے، یہ داستان کسی پر مخفی نہیں۔ بچنے والے جو کثیر تعداد میں مختلف ممالک میں منتشر ہوئے تھے، سامراجیوں نے ان کو اپنے سیاسی مقاصد کے لیے آلۂ کار بنا کر عرب کے قلب لینے کیلئے فلسطین میں لا کر بسایا اور فلسطینیوں کو جلا وطن کر دیا، عرب ممالک اپنی کمزوری اور بے اتفاقی کی بنا پر دیکھتے رہے اور کچھ نہ کر سکے۔ ابتدا میں تھوڑی مقدار میں آئے، رفتہ رفتہ ان کی تعداد بڑھتی رہی اور سامراجیوں نے بیس سال کے اندر ان کو طاقتور بنانے اور سیاسی غلبہ حاصل کرنے کے انہیں بھرا امداد دی، مدافعت اور جارحیت کے لیے انہیں ہر قسم کے جدید اسلحہ سے پوری طرح مسلح کر دیا۔ کامیاب اجتماعی زندگی کے لیے جن ذرائع اور وسائل کی ضرورت تھی سب کو پورا کر دیا۔ یہودی جو قریبی مدت میں انتہائی مظالم و مصائب برداشت کر چکے تھے موقع کو غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھانے لگے۔

(صدر صاحب کے مضمون "یہود کا ذکر قرآن میں" سے اقتباس)

علم العلم شيخنا الغيور

احد تلاميذ الشيخ ـــــ في المدينة المنورة

اخي الفاضل محمد ابراهيم المحترم حفظه الله تعالى

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته :-

وبعد فقد استلمت رسالتك الكريمة مبشرة بانك حاولت ان تكتب سيرة والدك الوقور شيخنا الغيور شيخ التفسير والحديث الشيخ عبد الحليم الغفورلہ طيب الله ثراه وجعل الفردوس مثواه . ففرحت كل الفرح بقيامك على هذا العمل المشكور والجهد الطيب النافع ، وانت بحمد الله تعالى وعونه اجدر بذلك لان اهل البيت ادرى بما هو فيه وانك اكبر اولاده واوفى ابنائه وارشد تلاميذه عشت في رحاب سعادته وظل شفقته سنوات ابنا رشيدا وتلميذا سعيدا وانت اعرف بسلوكه في البيت مع الاهل والاولاد وتوجيهاته في التربيه وتوصياته ونصائحه وقد عاينته عن قريب مدة مديدة وطالعت شخصيته الطيبة داخل البيت وخارجه وهناك عشرات من تلاميذ الشيخ المرحوم اصحاب الاقلام وارباب التحرير يساعدونك في هذا العمل الضخم وفي استطاعتك انت ان تاخذ المعلومات المتعلقة بحياة الشيخ عهد طفولته وشبابه وعن رحلاته في طلب العلم من اقرانه الموجودين والمعاصرين له وعن المعمرين في الاقارب واهل البلدة فانهم ينبئونك عن مشائخه وزملائه في الدرس وعن احوال اثناء رحلاته العلمية وتجشمه المتاعب والمخاطر في سبيل التعلم وبهذا الطريق ستحرر معلومات صحيحة عن سيرة الشيخ المرحوم وانت احق باداء هذا الواجب لوالدك العملاق اجدر واحرى بان تخلد آثاره الطيبة نبراساً للجيل القادم ولنعم ما قيل " اين في الناس ابٌ مثل ابي "

واني سجلت عدة اسطر عن شخصية هذا المجاهد العظيم امتثالا لامرك . واشتغالي في اعداد الرسالة وضيق الوقت لم يسمح لي التفصيل فالرجاء التكرم بقبول المعذرة سائلاً من الله الكريم ان يسدد خطاك ويرشدك الى مافيه صلاح العباد ويبارك في علومك واعمالك ويجعلك صدقة جارية في حق الوالد المرحوم ويزيدك نشاطاً في ميادين التدريس والتاليف والدعوة والارشاد ،

اخوك في الله

احد تلاميذ الشيخ في المدينة المنورة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي اظهر العجائب في الكون والنوادر في الخلق ، والصلوة والسلام على صفوة الرسل وخاتم الانبياء وعلى آله واصحابه شموس الفضل واعلام الهدى وعلى من تبعهم من الائمة الاعلام وقادة الانام . اما بعد ! فان شيخنا شيخ التفسير والحديث ، الشيخ

عبد الحليم المغفور له من هؤلاء الشخصيات عباقرة الذين تركوا خلفهم آثارا خالدة فى سجلات التاريخ، مضوا على وجه الارض وقضوا نحبهم ولكن اعمالهم الخالدة وجهودهم الفدائية و افكارهم النيّرة لاتزال تتلألأ وتبرق و دروسهم و خطبهم تتردد وتتكرر على السنة اتباعهم وابنائهم التلاميذ ورجال العلم وابناء الاسلام، و ذكريا تهم العطرة تنشط القلوب و تغذى الارواح و تجذب الاسماع. ودائما قدرة الله عزوجل تهيئ لامثال هؤلاء النوابغ فرصا تبرز بها مكانتهم السامية وتضحياتهم المثالية. وقد اتاح فضل الله وكرمه لشيخنا المرحوم جوّا مناسبا و مركزا عظيما لاعلاء كلمة الحق ونشر التراث الاسلامى بكل حرّيته و نشاط حيث استدعاه استاذ المشائخ و شيخ الافاضل شيخ الحديث عبد الحق حفظه الله تعالى لتدريس كتب التفسير والحديث فى جامعته الجامعة الحقانية التى هى من ابرز الجامعات منهجا وعقيدة و سلوكا فى باكستان ولها مكانة رفيعة فى الدوائر الحكومية و اوسط المسلمين وقد [...]جب الطلاب درسه المركز و اسلوبه المتين وتعبيره الرائع و فى ايام [...]لائل شاهدت الجامعة الحقانية شيخا عبقريا واستاذا جليلا متحليا [...]اجمل ما يتحلى به مشائخ الحديث وجهابذة التفسير من شيم زكية [...]اخلاق لطيفة وعقيدة سليمة وعلوم غزيرة وبديهة حاضرة [...]قريحة نادرة وادصلته هذه المعانى السامية بفضل الله تعالى و [...]نيقه الى منصب صدر المدرسين فى هذه الجامعة الكبرى و ظلّ [...] هذا المنصب الرفيع طول حياته ينشر المعارف القرآنية و السنن [...]نبوية على صاحبها الف الف سلام وتحية. وكان يجلس فى حلقات

درسه العلماء والافاضل و الطلاب ذووالكفاءة العالية ويتلذذون بما يلفظ به الشيخ من درر المعارف و جواهر القواعد التى يحلل بها عويصات المسائل والقضايا المعقدة بكل ثقة وشرح صدر وبصيرة، وترى مسند درسه محفوفا بالاجلال والاكرام و درسه متميزا بطابع الدقة والتركيز و الجودة والاصالة و كان للشيخ تغمده الله بغفرانه عناية فائقة و اهتمام بالغ فى تكوين رجال الدعوة و اعداد المدرسين المؤهلين لاداء وظائف التدريس والدعوة والارشاد وكان يتمنى دائما ان تهتم الجامعات الاسلامية والمعاهد الدينية بانعقاد السابقات العلمية فى التفسير و الحديث و المواد الاخرى و فى حفظ القرآن والتجويد خاصة تشجيعا لابنائه الطلبة و دائما كان يعتنى بان ادرس اللغة العربية و يامر الطلاب بالحضور الى هذا الدرس وقد علّق الشيخ على بعض كتب التفسير و الحديث وكتب العقائد تعليقات مفيدة وقد شرح الجامع الترمذى شرحا قيّما وقد تجاوز عدد المتخرجين من درسه من عشرات الآلاف وهم يؤدون واجبهم فى شتى ميادين العمل متمكنين على المناصب الحساسة من القضاء والافتاء والتدريس و الدعوة والتأليف والتصنيف، فى باكستان و افغانستان و الثغور المتاخمة بالصين و بايران.

هذا، ولشيخنا المرحوم دور جليل فى مقاومة الفرقة القاديانية و ذلك فى العهد البريطانى قبل توزيع القارة الهندية بين الجناحين الشرقى والغربى. وكان ذالك العهد عهدة القسوة و الجفوة و كان الاستعمار البريطانى الغاشم يدعم الحركة القاديانية و ينصرهم بجميع الاجهزة لان المتنبى القاديانى حرّم الجهاد و حث المسلمين بالانقياد و الخضوع امام الصليبين النصارى ففى هذه الآونه الحرجة اراد القاديانيون ان

يجعلوا قرية الشيخ "للاعب" معسكر لنواياهم الخبيثة و منطلقاً لمحاولاتهم التبليغية و نشر افكارهم المسمومة الزائغة فنهض الشيخ نهضة البطل المقدام امام هؤلاء المتمردين و كشف النقاب عن وجه الدجال الماكر غلام احمد القادياني و اتباعه المرتدين و ايقظ مشاعر المسلمين السذج حذرهم من الانخداع بحيل اهل الدجال و الزيغ و حاول اعداء الاسلام مراراً اغتيال الشيخ المرحوم و بذلوا جميع ما عندهم من التدابير و الحيل فى دفع هذه الحواجز و السدود عن طريقهم لكن لم ينجحوا فى مرامهم و لم يبصروا تعبير احلامهم رغم ما عندهم من الثروات الهائلة و المناصب الحكومية الرفيعة و صمد الشيخ المرحوم فى سد هذا التيار الجارف صمود الصخرة الصماء لم تزعزعه العواصف القاديانية و لا التهديدات البريطانية و فى سبيل العرفان بالجميل و الشكر على الواجب جدير بان اقوه.

فى هذا الصدد بتضحيات اسد الاسلام و فخر المجاهدين الاحرار البطل العظيم الشيخ غلام غوث الهزاروى اعلى الله درجاته فى جوار رحمته و اثابه بالنعيم المقيم فان له فى اخماد الجمرة القاديانية

و قلع شجرتها فى منطقة سرحد جهوداً لابد ان تسجل باقلام الفضة و بماء الذهب فى صفحات الزبرجد و هو البطل الوحيد الذى نبه العلماء و المشائخ و اقامهم صفا واحدا ضد الحركة القاديانية وهو اول من خاض معارك النقاش و المناظرة معهم فى بلادنا و قرية "زيده" تشهد مساجدها بجراة الهزاروى جراءة مثالية لانظير لها

و ذلك ان بعض [illegible] هذه القرية قد تصبّغوا بالصبغة

القاديانية و بدؤا ترويج افكارهم بكل قوة و نشاط و لم يستطع احد من سكان هذه القرية ان يتلفظ بكلمة واحدة ضد القاديانيين حرصاً على حياتهم و اعراضهم لان هذه الاسرة القاديانية كانت ذات ثروة هائلة و كان معظم رجالها متمكنين على المناصب الحساسة فى الشرطة و الجنود و العسكر و لما علم الشيخ الهزاروى بهذه الاوضاع الخطيرة و نشاطات القاديانيين و سكوت المسلمين فتقدم و معه العلامة الشيخ لطف الله المرحوم من اعلام جهانگيره و بعض الافاضل الى قرية زيده و استشاروا العلماء و المتدينين من اهل هذه القرية و بينوا لهم معتقدات القاديانية و خطورة هذه الحركة ان لم يقوموا ضدها فاتفق المسلمون على انعقاد حفلة فى بعض المساجد و اعلنوا فى القرى المتجاورة بان الشيخ غلام غوث و زملائه الآخرين سيخطبون ليلة فى مسجد كذا

[illegible] الحفلة ....

[illegible] عدد كبير من المسلمين و قام الشيخ لطف الله المرحوم بعد [illegible] الحفلة بآيات من الكريم و بين اهداف الاحتفال فقام رجل من وسط المجمع و فى يده مسدس

و قال للشيخ لطف الله المغفور له اسكت و الا فارميك بالرصاص فلم [illegible] اسد الاسلام الشيخ غلام غوث نفسه و قام و قال للشيخ لطف الله [illegible] تكلم.

فحلّ ازرار قميصه و كشف نحره و تحدى الرجل الذى بيده مسدس قائلا ان كنت بطلاً فارمنى و انى على عقيدة راسخة بانك لا تستطيع [illegible] هذه الجراة فانك من امر امتنبى القاديانى الجبان و [illegible]

الهزاروی الضابط القائم خارج المسجد و كان فى نزهة الشيخ ايها
الضابط انت المسئول عن جراة هذا القاديانى فى مجتمع اسلامى فى بلدة
المسلمين فتقدم الضابط و معه رجال الشرطة ليقبضوا على هذا القاديانى
لكنه نجح فى فراره و لم يقبضوا عليه و بمشاهدة هذا المنظر الرهيب
الرائع ارتفعت النعرات عاش الهزاروى، عاش ختم النبوة مات القاديانى،
والموت على المتنبى القاديانى و صباح هذه الحفلة مات ولد لاحد القاديانيين
فذهب الناس يحفروا له قبرا لجنازة الولد المتوفى و منع الناس
عن الحفر وامر الناس باحضار اخيه القاديانى فلما جاء قال له اخوه المسلم
عليك ان تدفن ابنك فى ارضك و اما فى ارضى فلا لانك مرتد و ابنك
مثلك و هكذا نفخ هولاء الابطال روح الجراة فى شعبه المسلم و نحن
احق بان نعتز و نفتخر بامجاد اسلافنا الكرام الذين غيروا مجرى التاريخ
ببطولتهم التالية.

اولئك آبارى فجئنى بمثلهم - اذا جمعتنا يا جرير المجامع و لاريب ان
واقعة "توبى"[1] حلقة من سلسلة تضحيات هولاء المشائخ المرحومين
حيث دمّر المسلمون المتحمون كيان القاديانية و معسكرها المشيد و
شردوهم هذه الديار المطهرة - وكان الشيخ عبدالحليم دائما مرفوع الراس
فى كفاح الفرق الباطلة تقدمه الهمة القوية و الشجاعة الدينية فى
صفوف المجاهدين فى سبيل الاسلام والذ فاع عن حريمه. و مما لا يفوتنى
بان اشيد جهوده الجبارة فى حقل الدعوة الى الله تعالى. دائماً وخاصة يوم
الجمعة فان الشيخ لغتنم هذه الفرصة الطيبة للوعظ و الارشاد والامر

---

[1] توبى

بالمعروف والنهى عن المنكر و معالجة المسائل التى تواجه المسلمين وتقدم عم
الشيخ المرحوم بخطبه و مواعظه حركة جمعية علماء الاسلام فكان خير عون و
ساعد هذه الحركة وكان الشيخ يربى ابنائه الطلبة و يدربهم ويرشدهم
... التنافس و المنافرة و يترك لهم المجال فى الدعوة و الخطابة و قد
... مرتين بالمناظرة. مرة مع احد القاديانيين و مرة اخرى مع
... الشيوعيين و اعتذرت فى كل مرة ولكن أصرّ الشيخ على ذالك
... انى اسأل الله تعالى ان يشرح صدرك ويلهمك الصواب ويحق
... و يبطل الباطل ثم نصحنى بالرفق و اللين و قال انه شاب قد تأثر
... القاديانية لعل الله يهديه و يشرح صدره للحق وهكذا
... شيخنا الحنون معذرتى حينما امرنى بالنقاش مع شاب آخر
... بافكار الشيوعية و قد اظهر الله تعالى الحق على الباطل بحول
... فى المناظرتين و بعد الفراغ من المناظرة طلبنى الشيخ وسألنى
... جميع مادار بينى وبين المناظر من الاسئلة و الاجوبة وفرح و
... الاجوبة و ارشدنى الى بعض الاجابات المقنعة، جزاه الله
... وهكذا دعانى الشيخ ثلث مرات لبعض الحفلات فى تربيته
... وأمرنى بالقاء الكلمة فيها ثم فى الاخير علّق الشيخ على
... و دعالى بمزيد التوفيق و السداد و هكذا كان دابه مع كل تلميذ
... تشجيعه اياه و دائما كان يقدم ابنائه الطلبة فى القاء كلماتهم ثم
... عليها و يشيد استعداداتهم. هذا و قد رايت الشيخ عدة
... امام كبار المشائخ وقادة العلم متواضعا متادبا مع مكانته
... بين العلماء وحينما كان يقدم استاد المحدثين الشيخ نصيرالدين

الدرغشتوى رحمه الله تعالى لمؤتمرات الجامعة الحقانية فكان الشيخ المرحوم يخدمه و يعتز بذالك . وزار الشيخ افغانستان فى عهد الملك ظاهرشاه بدعوة من تلاميذه الذين تخرجوا من الجامعة الحقانية و كذا زار منطقة بلوشستان بدعوة ابنائه الفضلاء و القى مواعظه الحسنة فى الحفلات المنعقدة هناك فى سبيل تقديره و حفاوته و لمّا شاهد الشيخ فى منطقة بلوشستان ان دكلاً دايشوعيتم يدسون افكارهم بين الشباب المسلم فحذّر الناس من هذه النظريات الملحدة واكد على ابنائه الدعاة والمدرسين والقضاة ان يواجهوا هذه الفتن والادلته بكل حماس وجرأة و انى لا انسى أخر لقائى بالشيخ المرحوم و ذالك حينما وصلت الى بلدتى لقضاء الاجازة الصيفية

واخبر امين الجامعة الحقانية الشيخ سلطان محمود المرحوم الشيخ المغفور له بقدومى فتفضل الشيخ بالقدوم الى بيتى فلما رأيت والدنا و شيخنا قادما الى بيتى فاستقبلته و قلت بكل ادب ياسماحة الشيخ بارك الله فى حياتكم كنت عزمت ان احضر لزيارتكم غدا فتفضل الشيخ قائلا كان الواجب علىّ ان ازودك فى بيتك لأنك

قدمت من اقدس البقاع و اطيب البلاد ثم بدأ يسالنى عن احوال الحرمين الشريفين وعن اخبار الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة و يفرح بما تقدم المملكة العربية السعودية من جهود جبّارة فى سبيل خدمة الحجاج و مساعدة المسلمين فى جميع اقطار العالم الاسلامى و بما تسعى الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة والجامعات الاخرى فى المملكة فى سبيل نشر التعاليم الاسلامية و اعداد الدعاة و المرشدين

والخطباء و المدرسين و رجال الفكر و بعد ما بينت التفاصيل عن الامن والسلام و الهدوء و الطمانينة و تعظيم الشعائر الاسلامية و ترويج القيم الدينية فى المملكة فقال الشيخ جميع هذه النعم ثمرة الاعتصام بحبل الله تعالى و التمسك بسنن النبى المصطفى صلى الله عليه وسلم ثم سأل الشيخ المرحوم عن صحة ابنه الشيخ محمد ابراهيم و عن نشاطاته فى حقل التدريس و الدعوة فحمد الله تعالى وقال ان الله انعم علىّ حيث حقّق ما كنت اتمناه واثمر الله جهودى حتى رايت بعينى محمد ابراهيم مدرسًا و كنت حريصا بتربية جميع اولادى ولكن ذالك كله بيد الله تعالى حيث شرف الله من بين اولادى محمد ابراهيم بشرف العلم والفضل هذا و انى اكتفى بهذه السطور سائلا من الله الكريم ان يمطر شابيب رحمته على جدث المرحوم جثمان المفسر العظيم و المحدث الكبير و المجاهد الغيوّر الشيخ عبد الحليم و ان يضوّع بالمسك جوانبه و يعطر بالشذى الفوّاح جوانبه و ان يجعل الفردوس مثواه و جعل الذين صدقوا ما عاهدوا الله عليه رفقائه و ندمائه

كتبه احد تلاميذ الشيخ المرحوم

فى المدينة المنوّرة بعد صلاة العشاء

يوم الجمعة المباركة

١٥/ ٥/ ١٤٠٦ ﻫ

الموافق ٢٥/١/١٩٨٦م

استاذنا العلّامة

الحبر البارع

السيد شاهجهان شاه الحقاني موظف بقسم الفتوى بوزارة الشؤون الاسلامية والاوقاف - بدبي - الامارات المتحدة

نسبه: هو الشيخ الاجل متكلم العصر المحدث الكبير شيخ الاسلام ابو ابراهيم عبد الحليم بن الشيخ خليل الرحمن بن الشيخ شاه غريب بن الشيخ استاذ العلماء الشهم النبيل سعد الدين (رحمهم الله) الحنفي الديوبندي من قبيلة يوسف زئي :

مولده: ولد رحمه الله تعالى سنة ١٩٠٢م الميلادي في حي بهائي خيل - ببلدة زروبي التابعة لاقليم سرحد في باكستان

مشائخه: قرأ الكتب الابتدائية على يد والده الكريم ثم بعد ذالك تتلمذ على يد الشيخ الاستاذ الكبير قطب الدين الغورغشتوي وغيره ذالك من الفحول والاعاظم ثم على يد شيخ الاسلام المجاهد في سبيل الله المحدث الكبير السيّد حسين احمد المدني الديوبندي الحنفي كما استفاد في شتّى المجالس عن شيخ الاسلام والمشائخ خاتمة المحدثين الحفاظ السيّد محمد انور شاه الكشميري الديوبندي

الحنفي كما نال شيخ الحديث العلامة عبد الحق البشاوري الديوبندي الحنفي موسس بخارى العلوم دار العلوم الحقانية صانها الله تعالى من شرّ كل حاسد اذا حسد-

صفاته: كان رحمه الله تعالى متواضعاً محبًّا للعلم حتى انه كان لا يضيع له وقت في ليل او نهار او في حضر او سفر الّا ازداد من القراءة ومنهل من المعرفة والعلم والحلم وكان تقيّاً ومربّياً فاضلاً شديد الذكاء سريع البديهة فصيح اللسان وحينما كان يتعلم بدار العلوم الديوبندية « الهند » آنذاك كان يزور دار العلوم الديوبندية سفير افغانستان الذي كان يأتيهم محملا بالهداية الى دار العلوم الديوبندية للطلبة الافغان فطرح عليهم سؤالاً فقال الطلاق موقوف على النكاح والنكاح موقوف على الرّضا من الجانبين فالطلاق موقوف على الرضا من الجانبين وهذا باطل فما هو الحل فسكتوا جميعاً- وهنا تصدى الشيخ رحمه الله لهذه المسئلة واجاب السفير بما لا يدع مجالاً للشك واشفى صدره واراحه من هذه التساؤلات التي تعتبر من العقد الصعبة في الفقه الاسلامي لهذا ولا اجد داعيًا لكتابة الردّ لانه سيخرجنا عن الموضوع الذي نحن بصدده كما كان رحمه الله تعالى ورعاً واذكر انه ذات يوم احضر رجل بعض النقود واعطاها للشيخ ليقوم بتوزيعها علينا نحن الطلاب كصدقة او زكاة فاخذها الشيخ وسأله عن مصدرها فقال الرجل انها ارباح اموالي في البنوك واردت ان اتصدق بها وهنا احمرت وجنتا الشيخ واعاد له النقود قائلاً ان تلاميذي ليست جداول للمياه النتنة هكذا كان رحمه الله تعالى داعيًا ومعلماً ومجاهداً حيث اول من افتى بكفر الشيوعيين في افغانستان وعقد اجتماعا من العلماء والطلباء بعد انقلاب الكيد الاحمر العدو للبشرية الجمعاء وحث الطلبة والعلماء على الجهاد في سبيل الله لافغانستان وقام بتحريض شباب المسلم على مقاومة المعتدين الكفرة وتعبر

في مدرسة تعليم القرآن مدرسة الجمعة في پاكستان وكان تخطيطها ومصاريفها مطبعية المجاهدين الذين كانوا يكافحون ويناضلون من اجل تحرير البلاد من حكومة الكفر كما كان مجاهداً رحمه الله تحت ظلال شيخ الحديث والمجاهد الكبير السيد حسين احمد المدني الديوبندي الحنفي حينما كانت قارة الهند تحت السيطرة البريطانية فسلّم دم قلبه لشيخنا واستاذنا طول حياته ساعياً.

علمه: اشتغل رحمه الله بالعلوم الاسلامية منذ نعومة اظفاره وبرع فيها وذهب للحصول على علوم الحديث والتفسير الى دار العلوم الديوبندية بالهند فقرأ هناك الصحيح البخاري وجامع السنن للامام الترمذي على شيخ الاسلام وشيخ الحديث المجاهد الكبير حسين احمد المدني كما قرأ الصحيح المسلم على متكلم العصر الشيخ محمد ابراهيم البلياوي الديوبندي وقرأ تفسير البيضاوي على شيخ الادب والفقه محمد اعزاز على الديوبندي الحنفي ولم يكتف بهذا بل درس بعد التخرج من دار العلوم الديوبندية في المدرسة الرحيمية ودار الحديث الرحمانية فيه السفيه بدا الأمور الطحاوي والهداية وشرح المواقف وشرح الاشارات لابن سينا وقاضي مبارك شرح سلم العلوم وما الى ذلك وفي عام ١٩٤٧ الميلادية عاد الى باكستان واشتغل بالتدريس الى ان انتقل الى دار العلوم الحقانية التي اسسها شيخ الحديث المرجع الكبير عبد الحق الديوبندي

ودرس رحمه الله تعالى علم التوحيد والصفات وعلم الاصول وعلم المعقول وعلم التفسير وعلم الحديث واصوله وفي آخر عمره تولى دراسة الصحيح البخاري المجلد الثاني والصحيح مسلم والبيضاوي ومسلم الثبوت والتوضيح والتلويح وكان رحمه الله صدر المدرسين بدار العلوم الحقانية ولما كنت احد تلاميذ الشيخ فقد تلمذت على يديه في علوم الحديث فقرأت عليه المجلد الثاني من الصحيح

والصحيح مسلم.

ولازالت ذكراه لا تبرح خيالي حيث كنت الاحظه كظله حتى امهل من وعاءه ما يصب من العلم والمعرفة اثناء وبعد اوقات الدراسة الرسمية وانتقل الى جوار ربه رحمه الله تعالى عام ١٩٨٣ الميلادي وصلّى عليه صلاة الجنازة شيخ الحديث والتفسير الشيخ عبد الحق مؤسس دار العلوم الحقانية اكوره خٹك.

مؤلفاته: (١) له تعليقات على الصحيح مسلم جمعه ابنه الشيخ الحافظ ابراهيم المدرس بدار العلوم الحقانية.

(٢) وتعليقات على جامع السنن للامام الترمذي موجودة عند ابنه

(٣) مؤلف في حل مسئلة التقدير والجمعة

(٤) مقالة طويلة على الحديث الاخير في البخاري قد كتبها وطبعها ابنه الشيخ محمد ابراهيم فاني"

(٥) وتعليقات على التفسير البيضاوي.

نسأل الله ان يدخله فسيح جناته وان يسكنه فراديس جنانه - آمين

اخلاقِ مَدنی کا نمونہ

مولانا قاضی زاہد الحسینی

حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب نہ صرف ایک عالم باعمل تھے بلکہ وہ ایک محقق اور کامیاب استاد تھے۔ گناہ گار ان سے اس وقت واقف ہوا جب وہ جلالیہ میں استاذ محترم مولانا سعد الدین قدس سرہ کے حلقۂ درس میں شریک ہوا۔ اگرچہ زمانہ اکتساب فیض کا ایک ہی نہیں لیکن ان کے اخلاق جمیلہ کی برکت سے ملنا جلنا رہا ہے۔ پھر دار العلوم دیوبند کے قیام میں بھی ان کی معیت رہی ہے۔

اس گناہ گار نے مرحوم میں جس وصف کو نمایاں پایا وہ شیخ العرب والعجم مرشد عالم سیدی ومولائی حسین احمد مدنی قدس سرہُ العزیز کے اخلاق عالیہ سے مشرف ہونا ہے آپ اس دور میں ایک بحرِ بے پایاں تھے مگر بجز۔ وانکسار کا یہ عالم کہ کبھی نہ قولاً وفعلاً اپنی علمیت کا اظہار فرمایا۔

سعادت مند ہیں وہ علمائے کرام جنہوں نے مرحوم سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو مزید بلند فرمائے اور ان کے خلف الصدق کو الولد سرٌّ لابیہ کے مصداق بنائے۔

آمین!

شیخ التفسیر حضرت علامہ حمد اللہ جان صاحب مدظلہٗ
مظاہر العلوم ڈاگئی، مردان

بحرِ ذخّارِ علم

مشاغل حد نطاق سے باہر ہیں۔ اور پھر مضمون نگاری کا سلیقہ بھی نہیں آتا خصوصاً حضرت کے بارے میں قلم کو جنبش دینا مجھ جیسے بے بضاعت شخص کا کام نہیں پھر بھی حسب الحکم سعی ناتمام حاضر ہے۔

مولانا عبد الحلیم صاحبؒ کی علمی شہرت اور قابلیت سے بندہ کو اس وقت آگاہی ہوئی جس وقت بندہ مولانا فرید صاحب مدظلہم (مفتی دار العلوم حقانیہ) کے والد محترم جناب صاحب حق صاحبؒ سے مردان میں بلاغت اور معقول کی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ ہمارے شرکائے درس میں زروبی کے مولانا عبد الوحید صاحب مرحوم بھی تھے۔ جن کو صدر صاحب سے کئی بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اور لیس الخبر کالمعائنۃ کے مصداق صدرؒ کے کمالات علمیہ وعملیہ کا مشاہدہ کرنے کے بعد علم الیقین عین الیقین بلکہ حق الیقین سے بدل گیا۔

صدر صاحب علم کے بحر بیکراں، منقول ومعقول کے ماہر، فقیہ النفس، ذکی الطبع متکلم اور نکتہ شناس فلسفی تھے ؎

ولیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

بایں ہمہ انتہائی متواضع شخص تھے۔ بارہا حقانیہ میں ان سے ملاقات ہوئی۔ ان کے ساتھ گفتگو میں ایک گونہ لذت حاصل ہوتی۔ اپنی حیثیت اور حضرت کے برتاؤ کو دیکھتا تو یقیناً مجھے شرم محسوس ہوتی۔ بہرحال حقانیہ جیسے ممتاز دینی ادارے کے ساتھ صدر مدرس کی حیثیت سے تازیست وابستگی آپ کے علمی کمال کا بیّن ثبوت ہے آپ کی وفات سے علمی دنیا میں زبردست خلا پیدا ہوگیا ہے۔ کسی نے قیس کی موت پر کہا تھا ؎

وما کان قیس ہلکہ ہلکُ واحد
ولکنّہ بنیان قوم تہدّما

موقعہ کی مناسبت کی وجہ سے حضرت جیسے بنیان علم کے بعد اس میں تھوڑا تغیر کرکے کہتا ہوں ؎

وما کان شیخ موتہ موت واحد
ولکنّہ بنیان علم تہدّما

اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

الولد سر لابیہ اور الشبل فی المخبر مثل الاسد کے مصداق حضرت مرحوم کے بعد ان کے خلف الرشید حافظ محمد ابراہیم صاحب علم اور اخلاق حسنہ میں اپنے والد کی یادگار ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنے والد مرحوم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت علاّمہ مرحوم

مولانا مدرار اللہ صاحب مدرار نقشبندی

حضرت علامہ مولانا عبد الحلیم صاحب قدس سرہٗ جیسی نابغۂ روزگار شخصیت کی سوانح حیات کی ترتیب کا سن کر از حد خوشی ہوئی۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ زرین کاوش علمی حلقوں میں عموماً اور حضرت مرحوم کے احباب اور متعلقین میں خصوصاً نہایت قدر و منزلت سے دیکھی جائے گی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس مقصدِ جلیلہ میں آپ کو کما حقہٗ کامیاب فرمائے ؏

ویرحم اللہ عبداً قال آمینا

حضرت کے بارے میں میرے تاثرات یہ ہیں کہ آپ علم و معلومات کے بلند و بالا مقام پر فائز اور معقولات و منقولات میں یگانۂ روزگار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قابلِ رشک حافظہ عطا فرمایا تھا۔ سارے علوم آپ کے مستحضر فی الذہن تھے۔ لیکن بایں ہمہ انہوں نے اپنی تمام صلاحیتیں علوم نبوی کی خدمت و اشاعت اور تدریس و تعلیم کے لئے وقف کردی تھیں۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مقدس کے مصداق قرار پائے۔

نضر اللہ امراً سمع مقالتی فوعاھا واداھاکما سمعھا اوکما قال۔

ان کے چشمۂ علم سے ہزارہا تشنگان علوم سیراب و فیض یاب ہوئے۔ آج ان کے تلامذہ نہ صرف صوبہ سرحد یا پاکستان بلکہ اطراف و اکناف عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ مرحوم کا ایسا صدقہ جاریہ ہے جس کا ثواب ان کی روح پر فتوح کو ہمیشہ پہنچتا رہے گا۔ اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلثۃ الا من صدقۃ جاریۃ اوعلم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ (رواہ مسلم)

الحمد للہ ہمارے علامہ مرحوم کو حدیث مذکور میں ذکر شدہ نعمتہائے ثلثہ میں سے دو نعمتیں بدرجۂ اتم حاصل ہیں یعنی علم منتفع اور ولد صالح۔

ضلع مردان کی یہ بستی زروبی زمانۂ قدیم سے علم و دانش کی بستی چلی آرہی ہے جس نے علامہ مرحوم جیسے نامور فضلائے دہر پیدا کئے ہیں۔ حضرت مرحوم کے ساتھ مجھے کافی عرصہ سے تعلق خاطر رہا ہے۔ اور یہ تعلق ایک پیر بھائی ہونے کی حیثیت سے ہے۔ ہمارے مرشد شیخ الامت حضرت مولانا عبدالمالک صاحب صدیقی نقشبندی قدس اللہ سرہ العزیز جب صوبہ سرحد کے دورے پر تشریف لاتے تو مردان میں سالکین کی تعلیم و تربیت کے لئے عموماً پندرہ دن قیام فرماتے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی دعوت پر دارالعلوم حقانیہ تشریف لے جاتے۔ جب کہ راقم الحروف اور اس کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد شعیب صاحب بھی حضرت ممدوح کے ہمرکاب جایا کرتے تو اس ضمن میں دارالعلوم کے اساتذہ اور حضرت مرشد کے مسترشدین اور علامہ مرحوم سے بھی ملاقات ہوجاتی بعض اوقات نماز عشاء کے بعد حضرت مرشد دارالعلوم کے دفتر میں خصوصی مجلس منعقد فرماتے۔ جس میں علامہ مرحوم سمیت ہم سب شریک ہوتے اور حضرت مرشد کی

عمومی توجہات اور فیوض و برکات سے مستفید ہوتے۔

بندہ نے حضرت مرشد کی اجازت سے آپ کی سوانح حیات پر مشتمل ایک کتاب "تجلیات صدیقی" کے نام سے لکھی ہے جس کے لئے حضرت مرشد نے بندہ کو اپنے خلفائے کرام کی فہرست عطا فرمائی تھی۔ اس فہرست میں حضرت مرحوم کا اسم گرامی بھی شامل ہے علامہ مرحوم کا اسم گرامی اس طرح لکھا ہوا ہے۔

"۴۰۔ مولانا عبدالحلیم صاحب ولد مولانا خلیل الرحمٰن صاحب مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ سکنہ زروبی تحصیل صوابی۔ مردان"

(بحوالہ تجلیات صدیقی ص ۴۶۰)

بہرحال علامہ مرحوم نہ صرف قابل فخر علمائے دین میں سے تھے۔ بلکہ حضرت مرشد قدس سرہ کے جلیل القدر خلفائے عظام میں سے تھے۔ آج علامہ مرحوم ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن ان کے مآثر علمی زندہ و تابندہ ہیں۔ جن میں ان کے ولد صالح مولانا محمد ابراہیم فانی بھی شامل ہیں۔ اللہ تعالی ان کی مغفرت اور درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ اور ان کے ولد صالح مولانا فانی کو ان کا صحیح جانشین ثابت فرمائے۔ آمین ے

گر نخل رفت میوہ او پائیدار باد
دریا اگر گذشت در شاہوار باد

مولانا عرش اللہ صاحب مدظلہ گجرات

ایک کریم النفس انسان

میرا قلم اس کریم الاخلاق انسان کے بارے میں لکھنے سے قاصر ہے لیکن حسب ارشاد ٹوٹے پھوٹے الفاظ کے ساتھ اپنی یادداشت سے کچھ لکھ رہا ہوں۔ حضرت سے میرے تعلقات کا آغاز دہلی میں ہوا تھا۔ دیوبند سے فراغت کے بعد آپ ہی کے توسط سے بندہ بھی دارالحدیث رحمانیہ کے درجہ ثالثہ میں مدرس ہو گیا۔ آپ اکثر میری درس گاہ میں تشریف لاکر ہمت افزائی فرماتے۔

میرا قیام قرول باغ دہلی کی مسجد میں تھا۔ جہاں قریب ہی ایک حکیم صاحب جو فاضل دیوبند تھے رہا کرتے تھے۔ میں نے حضرت کو حکیم صاحب کے ساتھ اپنے مرض کے بارے میں مشورہ پر زور دیا آپ نے بادل ناخواستہ قبول فرمایا۔ حکیم صاحب نے تشخیص کے بعد یونانی نسخہ دیا۔ پانچویں روز حضرت نے فرمایا کہ نسخہ تو مفید رہا لیکن توکلاً علی اللہ مزید علاج جاری رکھنے کی ضرورت نہیں۔

دہلی میں قیام کے دوران مدرسہ فتح پوری کے طلبہ نے جلسے کا پروگرام بنایا جس میں حضرت کو بھی مدعو کیا گیا۔ صدر جلسہ مولانا شریف اللہ فتحپوری تھے۔ میری شکستہ تقریر کے بعد حضرت کی باری آئی آپ نے کچھ ایسے انداز میں تقریر فرمائی کہ مولانا شریف اللہ فتحپوری کی زبان سے بے ساختہ مرحبا مرحبا کے الفاظ نکلے۔

حضرت مولانا عبد المعز صاحب مدظلہ فاضل دیوبند نوشہرہ

رفیق محترم

بندہ نے ایک طویل مقدمہ سے نمٹنے کے لئے ایک مدرسہ سے مستعفی ہو کر گھر آگیا تھا۔ مقدمہ کا فیصلہ ہونے کے بعد ذی الحجہ کی ابتدا میں واپس دہلی پہنچا۔ چونکہ مدارس اسلامیہ میں مدرسین کا تقرر شوال ہی یا اس سے بھی پہلے ہوتا ہے اور میں کافی دیر سے پہنچا تھا اس لئے کسی مدرسہ میں تقرر ہو لینا بھی مشکل تھا۔ دوسری طرف مدت سے مجھے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے مولوی فاضل کرنے کا شوق تھا اس لئے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے داخلہ کے فارم بھیجے۔ اور کتابیں جمع کرنی شروع کر دیں۔ اتنے میں میرے کرم فرما حضرت مولانا شریف اللہ صاحب صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی ملے۔ ملازمت کی بابت پوچھا۔ میں نے استعفیٰ دینے کی وجہ بتا دی۔ لیکن مولوی فاضل کی تیاری کا ذکر مناسب نہ سمجھا۔ انہوں نے ازراہ ہمدردی میری بے روزگاری پر اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا اگر مجھے پتہ ہوتا تو میں آپ کو کہیں لگوا لیتا۔

دو تین دن بعد انہوں نے پیغام بھیجا کہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں ایک مدرس کی ضرورت ہے اور مجھ سے ہی مدرس مانگا ہے۔ اگر آپ اس کے لئے تیار ہیں تو میں آپ کو بھیج دیتا ہوں (کتابیں زیادہ اور مشکل تھیں۔ دوسری طرف مولوی فاضل کی تیاری کا مسئلہ تھا۔ لیکن ایک طرف یہ اشکال تھا کہ اگر میں انکار کر دوں تو مولانا صاحب مذکور یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ کتابوں سے گھبرا گیا حالاں کہ میرے سامنے اپنے امتحان کا مسئلہ تھا جس کا میں بوجوہ اظہار کرنا نہ چاہتا تھا) مدرسہ رحمانیہ کی اہمیت کے پیش نظر میں نے جانے کا ارادہ کر لیا۔ انہوں نے خط دیا۔ میں نے صدر مدرس مدرسہ رحمانیہ کو خط دیا۔ معاملہ طے ہوا۔ عصر اور مغرب کے قریب

کا وقت تھا۔ اگلے دن سے پڑھانا تھا۔ جب میں مدرسہ کے دروازہ کے باہر آیا۔ سامنے سے ایک نورانی چہرہ نظر آیا مدرسہ کی طرف جاتے ہوئے۔ یہ تھے محترم حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ وہ بھی سمجھ گئے کہ یہ نیا مدرس معلوم ہوتا ہے۔ اور میں بھی سمجھ گیا کہ یہ صاحب اس مدرسہ کے استاد ہیں۔ ایک سلیک ہوئی، خوشی ہوئی ہم وطن ہم مسلک اور ہم زبان ملنے پر۔ یہ ۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے۔

اگلے دن مدرسہ جاکر معلوم ہوا کہ میری درسگاہ اور رہائش کا کمرہ اور حضرت مولانا مرحوم کی درسگاہ اور کمرہ بالکل پڑوس میں ہیں۔ اب تو اور مسرت بڑھ گئی۔ قیام پاکستان تک تقریباً پونے دو سال ایک ساتھ رہے۔ صبح کی چائے ایک ساتھ پیتے تھے۔ البتہ روٹی ایک ساتھ کھانے کے مواقع کم آتے رہے۔ کیونکہ نوکر ہر ایک استاد کی روٹی اس کے کمرے میں رکھتا۔ استاد جس کسی وقت آتا کھاتا۔ پابندی مشکل تھی۔

یہ ہے ہمارا ایک دوسرے سے تعلق کا دور۔ حضرت مولانا مرحوم نہ معلوم کب سے اس مدرسہ میں مدرس تھے۔ تاہم میرا تعلق ان سے ۴۶ء سے ۱۹۴۷ء قیام پاکستان تک رہا آپ منطق اور فلسفہ کی مشکل کتابیں پڑھاتے۔ ایک افغانی اور حنفی عالم کا ہندوستانیوں اور پھر غیر مقلدین کے مدرسہ میں پذیرائی ان کی علمی قابلیت کا زندہ ثبوت ہے۔

مولانا مرحوم نہایت سنجیدہ، کم گو، خوش اخلاق، متبحر اور جید متدین عالم اور نہایت بلند کردار اور اخلاق کے مالک تھے۔ منکسر المزاج، نرم دل اور مخلص انسان تھے۔ میرے بڑے محسن اور بہترین رفیق تھے۔ آخر فنا ہے۔ مولانا اللہ کو پیارے ہوئے۔ ہمارے دل میں ان کی یاد تا حیات باقی رہے گی۔ اور جب تک زندگی ہے ان کو دعا خیر میں یاد کرتے رہیں گے۔

خدا انہیں درجات عالیہ سے نوازیں۔ اور آپ کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

غم ترا کتنے کلیجے کھا گیا

مولانا حافظ خلیل الرحمٰن حقانی اصغری

اس عالم رنگ و بو میں جو بھی آیا۔ جانے کے لئے آیا۔ لاتعداد انسان آئے اور عالم فنا کو سدھار گئے۔ اس لئے کہ یہ دنیا رہ گزر ہے منزل نہیں۔ مگر ان جانے والوں میں ایسے بھی ہیں جن کی رحلت کے بعد بھی ان کا نام زبان زد خواص و عوام ہوتا ہے۔ اور لوگ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہیں یہ اس وجہ سے کہ خداوند قدوس فرماتے ہیں مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً
ہمارے استاد مرحوم حضرت العلامہ مولانا عبدالحلیم صاحب قدس سرہ بھی اس آیت مبارک کے ذیل میں آتے ہیں۔

بندہ کو فخر ہے کہ بندہ کی نسبت اس سلسلۃ الذہب کے ساتھ ہے جس کی ہر ایک کڑی تاریخ کا مستقل عنوان اور بذات خود ایک کھلی کتاب ہے۔ اس سلسلۃ الذہب سے میری مراد شیخ الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ۔ قاسم العلوم والخیرات بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی۔ امام عزیمت سید احمد شہید۔ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید۔ فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

شیخ الہند اسیر مالٹا حضرت مولانا محمود حسن صاحب۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی۔ محدث عصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری۔ مفتی ہند حضرت مولانا مفتی کفائت اللہ صاحب۔ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب اور متکلم اسلام حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب ان نفوس قدسیہ نے زمانہ کی موافقت و مخالفت سے بے پرواہ ہوکر دین متین اور قوم و ملت کی خدمت کی۔ اس راہ میں ان کو نہایت کٹھن حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن پھر بھی ان حضرات نے نہایت ہی بے جگری سے مقابلہ کیا حتیٰ کہ اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کیا لیکن دین متین اور قوم و ملت کی آبرو پر آنچ نہ آنے دی۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلہم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

الحمدللہ اس ولی اللہی گروہ سے استفادہ کرنے والی چند ہستیوں سے ہم نے بھی شرف تلمذ حاصل کیا ہے۔ بمصداق حدیث نبوی یہ ایسی ہستیاں ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد آجائے۔ اذا رأوا ذکر اللہ۔

پاکستان کی مایۂ ناز دینی درسگاہ دارالعلوم حقانیہ کو خداوند قدوس نے ایسے باکمال شیوخ و اساتذہ سے نوازا ہے کہ جن کے زہد و تقویٰ، علم و فضل اور حزم و احتیاط پر بغیر دیکھے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ہر ایک طالب علم کے ساتھ ان کا ایسا تعلق خاطر ہوتا کہ وہ یہ سمجھتا کہ استاذ کا صرف میرے ساتھ ایسی محبت اور ایسا تعلق ہے۔ اختتام سال پر ملاقات کا وقت قابل دید ہوتا۔ جب ہم اپنے اساتذہ کرام سے رخصت لیتے تو فرط محبت سے ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں اور ہم کو خصوصی دعاؤں سے نوازتے۔ ہمارا تو یہ حال ہوتا کہ ع

یہ جدائی بھی کتنی عجیب تھی تجھے الوداع بھی نہ کہہ سکے

آہ ہمیرے مشفق ترین استاذ محبوب ترین شیخ سفید لباس میں ملبوس لاغر و ناتوان اور کمزور جسم مگر سراپا علم رعب و وقار اور سنجیدگی و متانت کا پیکر مجسم بانیٔ دارالعلوم حقانیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کے ہم عصر و ہم زلف گندمی رنگ ہنس مکھ مگر بارعب چہرہ۔ جس کا نام گرامی حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب المعروف صدر صاحب۔ ان کی جدائی۔ ان کی رحلت۔ ان کی فرقت واکربا۔ مسلم شریف۔ بیضاوی شریف، تلویح و توضیح و شرح عقائد اور مسلم الثبوت کے علمی اور غامض عقدوں کو کون واکرے گا۔ پڑھاتے وقت آپ کی عجیب کیفیت ہوتی۔ جوش و خروش اور بھرپور جذب و کیف، تقریر ایسی گویا لکھا ہوا مقالہ پڑھ رہے ہیں۔ ان کا انداز تدریس خیر الکلام ماقل و دل کا صحیح مصداق بیضاوی شریف اور مسلم شریف زندگی کے آخری لمحات تک پڑھاتے رہے۔

آپ کے سبق میں کسی کی مجال نہ تھی کہ سبق کے علاوہ اور کسی چیز کو دھیان دے غیر شائستہ حرکت پر اس انداز میں ڈانٹتے۔ کہ ہر ایک طالب علم یہ سمجھ رہا تھا کہ مجھے ڈانٹ رہے ہیں۔ بندہ نے آپ سے تین سال تک شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ اور ایک سال تو ان کے زیر سایہ انہی کی رہائش گاہ میں قیام پذیر رہا۔ تو میں نے آپ کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔

ایک دفعہ بیضاوی شریف میں ایک ساتھی کی آنکھ لگ گئی۔ جونہی حضرت کی نظر اس پر پڑی۔ اس کو فرمایا۔ کہ جاؤ اپنے کمرے میں خوب پاؤں پھیلا کر سو جاؤ۔ کیوں اور طالب علموں کے لئے آپ نے یہاں جگہ تنگ کیا ہے۔

بخاری شریف کتاب النکاح میں ایک طالب علم نے پوچھا۔ حضرت مشکل لغات

کے معانی سمجھایا کریں۔ اس پر حضرت نے اس طالب علم کو غضب آمیز لہجہ میں فرمایا۔ آپ کو کس نے کہا ہے کہ دورۂ حدیث شریف میں داخل لو۔ پھر جب فارغ ہو جاؤ گے تو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولو گے یا ہم پر تہمت باندھو گے۔ کیونکہ اگر عبارت غلط پڑھی تو وہ حضورؐ کے الفاظ نہیں اور اگر ترجمہ غلط پڑھا تو ہماری بدنامی۔

مزاج میں عجیب سادگی اور لطافت پسندی تھی۔ باوجود دائمی علالت کے کبھی بھی اپنے معمولات وغیرہ میں کوتاہی اور تقصیر نہیں فرمائی۔ تلامذہ کے ساتھ از حد شفقت کہ جب بندہ حضرت کی آخری علالت میں ان کی بیمار پرسی کے لئے ان کے گاؤں زروبی گیا۔ حضرت باوجودیکہ از حد کمزور تھے۔ (اور اس کے تیرہ دن بعد آپ عالم آخرت کو تشریف لے گئے) بیٹھک کو تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ میں نے کراچی میں بہت کوشش کی کہ آپ کا پتہ معلوم کروں۔ لیکن کسی کو بھی آپ کا پتہ معلوم نہیں تھا۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت میں اس وقت کراچی سے آیا تھا۔ پھر اس کے بعد میں نے آپ کی خیریت دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کہ از حد سردی ہے اور سردی میں جسم میرا بہت کمزور رہتا ہے۔

بندہ جب آپ کی رہائش گاہ میں اقامت پذیر تھا۔ آپ تہجد کے لئے اٹھتے تو خود پانی کا لوٹا بھرتے اور اس کو سٹو پر گرم کرتے۔ نہ مجھے بیدار کرتے۔ اور نہ اپنے صاحبزادے مولانا حافظ محمد ابراہیم فانیؔ کو جگاتے۔ اپنی بیماری اور ضعف کے باوجود بھی دوسروں کے آرام کا یہ خیال۔ اور زہد و تقویٰ اور علم و فضل کا یہ حال۔

اے خداوند غفور ان کے جانے سے اور ان کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کو کون پُر کرے گا۔ یا اللہ ان کی قبر پر رحمتوں کی بے پایاں بارش ہو۔ اور انہوں نے آپ کے دین متین کے لئے جو سعی کی ہے اس کا اجر ان کو اضعافاً مضاعفہ عطا فرما۔

ہمارا روحانی باپ ہم کو داغ مفارقت دے گیا۔ آپ کی رحلت سے نہ صرف برادرم مولانا محمد ابراہیم فانیؔ یتیم ہو گئے۔ بلکہ ان کی جدائی نے ہم سب کو یتیم کر دیا۔

ہم خود تعزیت کے مستحق ہیں۔ اللھم اغفرہ وارحم۔ آمین ؎

پی گئی کتنوں کا لہو تیری یاد
غم ترا کتنے کلیجے کھا گیا

دوسرا جواب یہ کہ نماز کا بےحیائی اور برائی سے روکنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ نماز میں اللہ تعالیٰ نے اس بات روکنے کی خاصیت رکھی ہے۔ جیسے بعض ادویہ میں بعض امراض کے دفع کرنے کی خاصیت رکھی گئی ہے لیکن جس طرح کہ ادویہ ہر حال میں امراض کے دافع نہیں ہو سکتیں بلکہ ان کی تاثیر بعض امور کے ساتھ مشروط ہے کہ خاص ترکیب ہو، خاص طریقۂ استعمال ہو، خاص مقدار ہو، ایک مدت مخصوص تک مواظبت و مدام ہو درمیان میں فصل نہ ہو، دوا کی تاثیر کے منافی اشیاء سے پرہیز ہو۔ ان شروط کے تحقق اور موانع کے رفع کے بعد ادویہ امراض کے ازالہ میں مؤثر ہو سکتی ہیں اسی طرح نماز مؤثر بالخاصہ جبکہ شروط تاثیر موجود ہوں اور موانع مرتفع ہوں۔

دوسرے معنیٰ یہ کہ نماز کا برائیوں سے روکنا بطریق تقاضا اور مطالبہ کے ہو یعنی نمازی جبکہ نماز میں خضوع اور خشوع کے ساتھ اقرارِ اُلوہیت اللہ تعالیٰ کرے اور اظہارِ خالقیت و ربوبیت اسکی کرے اور نہایت عجز و نیاز کے ساتھ اپنی بندگی اور اللہ تعالیٰ کی مالکیت اور معبودیت کا اعتراف کرے۔ تو نماز کی یہ مخصوص ہیئت اور اس کی ہر ادا اور ہر ذکر اس سے مطالبہ کرتی ہے زبانِ حال سے کہ اے غلامی اور بندگی کا دعویٰ کرنے والے اُس مولیٰ کی جس کی ربوبیت، خالقیت، مالکیت اور معبودیت کا بھی اقرار کر چکے تھے، اسکی مخالفت سے باز رہ اور فواحش اور منکرات سے رُک جا اور بدعہدی نہ کر۔ اب کوئی باز آئے یا نہ آئے مگر نماز کے اس اقتضاء اور مطالبہ میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ روکتا اور منع فرماتا ہے إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (الآیۃ) بس جو شخص اللہ تعالیٰ کے روکنے پر برائی سے نہیں رُکتا۔ تو نماز کے روکنے پر اس کا نہ رکنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ (حضرت صدر صاحب کے مضمون "نماز کے آداب و خاصیت" سے اقتباس)

...علوم کے لئے دارالعلوم دیوبند چلے گئے ؎

شادباش و شادزی اے سرزمین دیوبند

ہند میں تُو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند

دارالعلوم دیوبند نے اپنی صد سالہ زندگی میں علم فضل، شجاعت و دلیری اور سخاوت و ... کے ایسے مجسمے اور پیکر پیدا کئے کہ دنیا کی تاریخ ان کی نظیر اور مثال پیش کرنے سے ... اور رہے گی۔ دارالعلوم دیوبند نے سیرت و صورت، علم و عمل، فضل و تقوٰی، ...احت و بلاغت، بیان و خطابت، تصنیف اور تالیف کے دریا بہا کر بلند ذوقی میں ... مثال آپ ہے۔

جن علماء حضرات کی نسبت دارالعلوم دیوبند کے ساتھ ہے موجود ہیں یا گذر گئے یا گذر رہے ہیں سب میں یہ اوصاف اور خوبیاں پائی جاتی ہیں خصوصاً مولانا مرحوم ...طریقہ اکمل اور اتم درجہ میں موجود تھے۔

لَقَدْ فَکَّرتُ فِیْہِ بِکُلِّ فِکْرٍ

وَجَدْتُ خِصَالَہٗ طُرًّا عَوَالِیْ

مولانا مرحوم و مغفور دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد ہندوستان کے مختلف ...دارس عربیہ میں بحیثیت مدرس رہے اور سالہا سال تک دین اسلام کی اشاعت درس و ...دریس اور وعظ و تبلیغ کے ذریعے مصروف رہے بالآخر وہاں سے اپنے ملک پاکستان ...گئے۔

مولانا مغفور کے لئے اپنے آبائی گاؤں میں اولاً اور پوری تحصیل صوابی میں ثانیاً ...ہوئے عظیم فتنہ مرزائیت تھا۔ کیونکہ بڑے بڑے چودہری اور خوانین مرزائی تھے وہ عام ...سادہ لوح مسلمانوں کے درمیان اس غلط اور گندے عقیدے کی ترویج کے لئے بجائے ...ندے کوشش کر رہے تھے۔

آہ! صدر المدرسین

(جناب سعید الرحمٰن صاحب صدیقی دیرؔی)

حضرت مولانا موصوف کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں لیکن اپنی معلوماتی حد تک مولانا مرحوم کی مختصر خصوصیات قلم بند کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔

پیدائش

حضرت مولانا مرحوم مقام زروبی میں علمی ماحول اور گھرانے میں اس وقت پیدا ہوئے جبکہ سارا ماحول اور گھرانہ علم کے نور سے منور اور علمی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ اس لئے بچپن ہی سے اس کی تربیت علمی اور ادبی رنگ میں ہوئی۔

خداداد ذہانت و فطانت

خداوند تعالیٰ نے مرحوم کو اپنی فضل ایزدی سے بے پناہ فطری صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ بچپن ہی سے ذہین و فطین تھے۔ ذہانت کو بروئے کار لاکر علمی میدان میں اپنے ہمعصروں سے فائق رہے۔ خصوصاً پورے علاقے کا نام چمکا کر روشن کر دیا۔

حصول علم

ابتدائی کتابیں گھر پر پڑھیں بعدازاں مشہور و معروف درسوں میں شریک رہے۔ اس کے

اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

یہ مولانا مرحوم ہی تھے کہ دین کی سربلندی اور اشاعت وتشہیر کے لئے فتنہ مرزائیت کے خلاف آواز اٹھانا سب سے مقدم سمجھا جس کے لئے مولانا نے بہت جانفشانی سے کام کیا۔ برادری کے لوگ مولانا کی عداوت اور دشمنی پر آمادہ ہوگئے۔ مولانا موصوف نے اس کی پرواہ کی اور نہ تنہا محض اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے سینہ سپر رہے۔ صرف توکل علی اللہ تھا کہ اس تحریک کو چلایا اور عام مسلمانوں کو اس گندے سیلاب میں ڈوبنے سے بچایا۔ اور علماء کو مرزائیوں کے خلاف بولنے کے لئے راستہ ہموار فرمایا۔

دارالعلوم حقانیہ میں بحیثیت استادِ حدیث

مرزائی فتنہ کی سرکوبی کے بعد پاکستان کی مختلف درسگاہوں میں درس وتدریس دیتے رہے آخر میں مادرِ ملت دیوبند ثانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے مرحوم کو دارالعلوم آنے پر مجبور کر دیا۔ دارالعلوم حقانیہ میں آنا ہی تھا کہ دارالعلوم کے گلشن پر ایک نئی بہار آگئی۔ اور حقانیہ کے گلشن کے نئے پھول مرحوم کے ہاتھوں سے لگنے لگے۔ اور مرحوم کی انوکھی تحقیق وتدقیق سے کھلنے لگے۔ جن کی خوشبو سے مرحوم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے متمتع اور معطر رہیں گے۔ مولانا مرحوم نے اپنی زندگی دین کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی۔ احادیث نبوی کا مطالعہ کرتے اور پڑھاتے تھے

خَدَمَ الْحَدِيْثَ وَقَدْ تَوَغَّلَ خَادِماً
نُكُاتُهُ نَهْرُ الْفُيُوْضِ يَسِيْلُ

یوں تو دارالعلوم حقانیہ کے سب اساتذہ کرام اوصاف حمیدہ اور خوبیوں کے مالک ہیں لیکن مرحوم امتیازی شان رکھتے تھے۔ اُن کی منجملہ خصوصیات میں سے یہ ہے کہ مرحوم بہت

ہی زیادہ خوددار اور مستغنی انسان تھے اس کے ساتھ ساتھ بہت ہی زیادہ فصیح وبلیغ تھے۔ قوت گویائی میں یکتا اور معدوم النظیر تھے۔ ان کی زبان میں سلاست اور روانی تھی، مشکل ترین جگہ کو اسہل بنانا مرحوم کا خداداد ملکہ تھا وہ باتوں کی تکرار سے بہت زیادہ مجتنب رہتے تھے۔ ان کی باتوں میں عجیب کیف اور شان رعب اور جلالی کیفیت کی جھلک نمایاں تھی۔

دارالعلوم سراج الاسلام کاہی میں مرحوم کی خبرِ وفات

جب تاخیر سے میں نے اور دوسرے فارغ التحصیل مرحوم کے شاگردوں نے مولانا کی وفات کی خبر سنی تو ہم سب کی کیفیت اور دل کی دنیا بدل گئی اور پورے دارالعلوم میں آہ اور غم کی ہل چل مچی۔

مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے دو دفعہ قرآن مجید ختم کئے اور تمام علماء وطلباء نے اجتماعی طور پر مرحوم کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔

دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ مرحوم ومغفور کو اپنی جوارِ رحمت میں داخل فرما کر جنت الفردوس نصیب فرمائے اور مرحوم کے پسماندگان اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین

مَاذَا أَقُوْلُ وَلَا أَقُوْلُ فَلَيْتَنِيْ — مَاكُنْتُ حَيًّا يَوْمَ حَانَ رَحِيْلُ
وَيلَاهُ تَبًّا لَهُ مَا فَرَّقَا — فَانْسَدَّ نَهْجُ بِقَائِهِ دَسَبِيْلُ
وَاَسْكِنْهُ عِنْدَكَ ثُمَّ اكْرِمْ لُبْثَهُ — هِيَ دَعْوَتِيْ رَبِّيْ لَدَيْكَ قَلِيْلُ
يَاعَبْدُ اصْبِرْ لَوْ طَلَبْتَ رِضَائَهُ — فَجَزَاءُ صَبْرٍ عِنْدَهُ لَجَمِيْلُ

باب ہفتم

تعزیتی مضامین اور خطوط

صرف دو آنسو بہت تھے شرحِ غم کے واسطے
کیا خبر تھی منتظر دریا کا دریا دل میں ہے

عالم کیلئے عالِم کی اہمیّت

۹ جنوری کو دارالحدیث ہال میں دارالعلوم کے صدر مدرس حضرت علاّمہ مولانا عبدالحلیم صاحب فاضل دیوبند کے سانحہ ارتحال پر تعزیتی اجتماع ہوا۔ جس میں کئی اساتذہ اور طلبہ نے مرحوم کے صفات وکمالات پر خطاب کیا۔ اس موقع پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کا خطاب پیشِ خدمت ہے!

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موتُ العالِم موت العالَم (او کما قال علیہ السلام)

میرے بھائیو اور بزرگو! جس عظیم صدمہ نے آپ اور ہمیں یہاں جمع کر رکھا ہے۔ واقعی اس کی گہرائی تک پہنچنا مشکل ہے۔ نسبی والد کی جدائی اولاد کے لئے کتنی مشکل ہوتی ہے۔ نسبی باپ؟

روحانی مربّی اور اُستاد کے حقوق

تو استاد پھر خاص طور سے تفاسیر واحادیث کا استاد، فقہ اور اصولِ فقہ کا معلّم۔ تو روحانی والد ہوتا ہے۔ روح کی تربیت، روح کا تزکیہ تو علم دین ہی سے ہوتا ہے۔ اور علم دین ہمیں اساتذہ اور علماء بتاتے ہیں جسمانی اور نسبی والد جو ہم سب کا ہوتا ہے اس نے

ہماری نشوونما کی ہے۔ تربیت کی ہے۔ مگر جسم کی ہڈی اور گوشت کی نشوونمائی ہے روٹی کا فکر کیا ہے۔ کپڑے کا فکر کیا ہے۔ مگر عالم اور استاذ ہمیں کفر سے ایمان کی طرف لایا۔ اس نے ہمیں توحید سکھائی۔ اس نے ہمیں رسالت کا مقام سکھایا۔ اس نے ہمارا عقیدہ درست کیا۔ اس کی وجہ سے ہم اخلاق فاضلہ عقائد صحیحہ کا مجموعہ بنے۔ تو یہ برکت اس استاذ اور عالم کی ہے کہ اس نے یہ تربیت دی۔ تو وہ روحانی مربی ہے اور باپ جسمانی مربی۔ اور جیسے روح لطیف ہے اور جسم اس کے مقابلہ میں کثیف تو دونوں میں جو نسبت ہے وہی نسبت ان دونوں کے حقوق کی ہے۔ کثیف جسم کے مربی (والد) کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان اشکر لی ولوالدیک۔ تو جو روحانی تربیت کرتا ہے اس کا کتنا بڑا حق ہوگا؟ اس کی ہمارے ساتھ کتنی شفقت ہوگی اور کتنا احترام اس کا ہمارے قلب میں ہونا چاہیئے؟ تو بھائیو! آج اس احاطہ دارالعلوم میں شامل تمام افراد بلکہ سارے صوبہ اور پاکستان کے لئے یہ صدمہ بہت بڑا صدمہ ہے موت العالِم موت العالَم۔

عالم سارے انسانوں کا خیر خواہ

اور دنیا میں ایک شخص صرف اپنی جان کی پرورش کرتا ہے۔ کہ اس کی خوراک، رہائش اور لباس اچھا ہو۔ صرف اپنی فکر ہے دنیا سے اور کسی سے کوئی تعلق نہیں۔ اور ایک انسان وہ ہے جو اپنے کنبہ کی پرورش کرتا ہے۔ اسے پڑھاتا ہے۔ اپنی فکر بھی ہے مگر کنبے کا بھی پاس ہے۔ بھائی بندی کا فکر ہے خویش و اقارب کا بھی فکر ہے۔ مگر اوروں کا نہیں۔ اور ایک انسان وہ ہے جو ساری دنیا کل عالم کا خیر خواہ اور ہمدرد ہے۔ ہمارا مختصر سا احاطہ دیکھئے۔ اس میں بلوچستانی بھی ہے۔ افغانستانی بھی۔ سرحدی بھی ہے اور پنجاب و سندھ کے قبائلی بھی ہیں۔ تو عالم اور استاذ اپنی ذات کے لئے نہیں ہوتا کہ صرف اپنی ذات کی نشوونما کرے۔ عالم کنبہ پرور نہیں ہوتا۔ عالم حضورؐ کا نائب اور

قائم مقام ہوتا ہے۔

حضورؐ کی شانِ رحمت

اور جیسے حضور اقدس رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین ہیں۔ اور ساری مخلوق کے لئے باعث رحمت وغیرہ ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کو معلوم ہے کہ جنگ احد میں دانت مبارک شہید کر دئے گئے جسم مبارک زخمی ہوا۔ تو اس مربی عالم اور روحانی والد نے فرمایا:۔ اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون۔ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ جانتے نہیں اور ایسا وقت بھی آیا کہ حضورؐ نے دعا فرمائی۔ کہ اے اللہ میں بھی انسان اور بشر ہوں اگر بمقتضائے بشریت غصہ کی کوئی بات کسی کے بارہ میں میرے منہ سے نکل گئی ہو یا کسی کو بددعا کی ہو تو وہ بھی اس کے حق میں نیک دعا بنا دے۔ کبھی انہوں نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ مکہ معظمہ فتح ہوا تو سارے کافر جمع ہیں۔ ہر ایک کا یقین ہے کہ اب تو حضورؐ گردن کاٹ دینے کا حکم دیں گے۔ حضورؐ کے سامنے سب سرنگوں کھڑے ہیں ۲۱ سال کے مظالم کافروں کے سامنے ہیں۔ اور نادم و شرمندہ ہیں۔ تو حضور اقدس نے ان سے دریافت فرمایا کہ میرے متعلق آج کیا خیال ہے؟ کہا حضورؐ آپ ہمارے بھائی ہیں، بہت اچھے بھائی اور مہربان بھائی۔ ہم نے بہت زیادتی کی ہے مگر توقع آپ سے بھلائی کی ہے حضورؐ نے فرمایا۔ انتم الطلقاء۔ جائیے سب آزاد ہو جو چاہے جو مرضی ہو کرو۔ حضورؐ نے فتح مکہ کے موقع پر کسی کو جبراً مسلمان بھی نہیں کیا۔ یہ بھی حکم نہیں دیا کہ مسلمان ہونا پڑے گا۔ بلکہ فرمایا جو چاہو کرو۔ آج میں حضرت یوسفؑ عزیز مصر کی طرح معاملہ کروں گا۔ کہ جن کے ہاتھ میں اختیار تھا۔ مگر بھائیوں سے فرمایا۔ لاتثریب علیکم الیوم میں ملامت بھی نہیں کرتا۔ گلہ شکوہ بھی نہیں کروں گا۔ کہ مجھے کنوئیں میں ڈال دیا۔ باپ سے جدا کر دیا۔ غلام بنا دیا۔ تو فرمایاؐ۔ کہ میں آج تم سے تمہارے ماضی کے مظالم کا ذکر بھی نہیں کروں گا۔

الغرض عالم تو ایسے مشفق سراپا رحمت نبی کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے ۔۔۔ العلماء ورثۃ الانبیاء ۔۔۔ اور جیسے انبیاء کرام سب کے لئے رحمت ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کے نائب عالم بھی صرف اپنے پیٹ اور اپنے کنبے کے لئے نہیں بلکہ اس کے لئے ساری امت برابر ہوتی ہے ۔ کل عالم، کل افراد انسانی کو جنت لے جانے کی سعی اور کوشش ہوتی ہے اور اسی وجہ سے چونکہ عالم سارے عالم کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ ایسے عالم خصوصاً مدرس عالم جو بھلائی پھیلا رہا ہے کے لئے ساری مخلوق دریا کی مچھلیاں اور حشرات الارض۔ کیڑے مکوڑے اور چیونٹیاں بھی اپنے بلوں میں دعا کرتے ہیں۔ کہ اللہ اس کی عمر بڑھا دے اس کی عمر میں برکت دے کہ انہیں اندازہ ہے کہ عالم کا وجود ان سب کی بقاء کا ذریعہ ہیں۔

علم دین بقا عالم کا ذریعہ

عالم ہو گا تو دین بھی ہو گا۔ علم دین ہو گا تو دیندار بھی ہوں گے۔ دیندار ہوں گے تو کام بھی وہ دین ہی کا کریں گے۔ وہ ذکر الٰہی، اللہ۔ اللہ۔ اللہ خواہ عملاً ہو یا قولاً کرتے رہیں گے مسلم شریف میں آتا ہے کہ جیسا اس انسانی بدن کے لئے روح اس کی حیات و حرکت کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح عرش سے فرش تک کل عالم کا نظام بھی ایک مرکز سے وابستہ ہے وہ مرکز کیا ہے ؟ ذکر الٰہی اور دین۔ تو جب تک ذکر الٰہی اس روئے زمین پر جاری رہے گا۔ تو یہ عالم بھی باقی ہو گا۔ یہ آسمان۔ یہ زمین۔ یہ دریا یہ بحر و بر بھی ہو گا۔ یہ غلہ اور اناج بھی ہو گا۔ کہ یہ سب خادم ہیں اور مخدوم ہو تو خادم بھی ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ تو کل عالم کی بقاء ذکر کی برکت سے ہے۔ اور ذکر اس وقت تک ہو گا جب تک ذکر بتانے والے ہوں گے۔ علماء ہوں گے تو مچھلیوں اور حشرات کی علماء کے لئے یہ دعائیں حقیقت میں اپنے لئے ہیں۔ ہمیں اس کا احساس نہ ہو مگر انہیں یہ احساس ہے۔ پانی نہ ہو تو مچھلی کیسے زندہ رہے گی ؟ پانی آتا ہے بارش سے۔ چشمے بہاتا ہے اللہ تعالیٰ۔ تو جب عالم نہ ہو تو پھر ان خادموں، بادلوں،

چشموں، دریاؤں کی کیا ضرورت ؟ نہ غلہ ہو گا نہ دانہ نہ پانی۔ کہ خادم اشیاء کا مخدوم نہ رہا۔ جو ذکر الٰہی ہے تو جب تک ذکر الٰہی ہے عالم بھی ہے ۔ ذکر ختم ہوا تو گویا دنیا کا ہارٹ فیل ہوا۔ ایک دم جیسے قلب رک جائے اور یہ بند ہوا تو فوراً قیامت قائم ہو جائے گی۔

امام بخاری کتاب العلم میں فرماتے ہیں کہ قیامت واقعہ عظمیٰ اور واقعہ کبریٰ ہے عظیم ترین صدمہ ہے سارے عالم پر، اب اگر مثلاً ایک شخص کوئی مسجد کوئی مدرسہ گرا دے تو بڑا ظلم کیا اس نے، بڑی بے انصافی ہے ۔ مسجد تو بڑی چیز ہے۔ مسجد کی ایک لکڑی جلا دی ایک اینٹ توڑ دی تو بہت بڑا ظلم کیا۔ اور اگر ایک شخص روئے زمین کی ساری مساجد ڈھا دے حتیٰ کہ بیت اللہ کو بھی گرا دیا (العیاذ باللہ) روضۂ اطہر بھی ڈھا گیا۔ جیسے قیامت کے وقت عرش و کرسی روضہ مبارکہ سب نہ ہوں گے ۔

علم دین کا ختم ہو جانا قیامت کا ذریعہ ہے

تو یہ قیامت حقیقت میں کون لایا ؟ امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ ایک عالم جب درس دیتا ہے۔ پڑھنے والے بھی ہوں تعلیم بھی ہو تعلم بھی ہو تو یہ زمین آباد ہو گی۔ خانہ کعبہ بھی آباد ہو گا۔ حج بھی ہو گا، نماز بھی اور روزہ بھی۔ اور قیامت سے قبل علم اٹھ جائے گا۔ ذکر الٰہی نہیں۔ عالم نہیں تو یک دم کل عالم تباہ ہو جائے گا۔

دیکھئے، ایک مباشر ہوتا ہے ایک سبب تو سبب کا حکم بھی مباشر کا ہوتا ہے۔ ایک شخص قتل کا ارتکاب کرتا ہے۔ وہ مباشر ہے ۔ ایک شخص دوسرے کو قتل کا حکم دیتا ہے وہ سبب ہے تو سبب والا بھی ماخوذ ہوتا ہے یا نہیں ؟ آپ لوگ منطقی ہیں۔ کہیں گے کہ خدا نے مٹا دئے ۔ ٹھیک ہے مگر دنیا عالم اسباب ہے ۔ بھوک پیاس خدا مٹاتا ہے۔ مگر ظاہری اسباب اللہ نے ہمارے لئے پیدا کر دئے۔ اولاد اللہ دیتا ہے مگر بظاہر سبب نکاح ہے۔ عالم اللہ بناتا ہے ۔ مگر یہ درس، مدرسہ اور کتابیں سبب ہیں ۔ یہ عالم اسباب ہے جس کی بنا پر سارا عالم چلتا ہے ۔ اس کا مؤثر حقیقی اللہ پاک ہیں ۔ سبب مؤثر نہیں، علاقہ ہے مگر

ان اسباب کا ارتکاب واختیار جس نے کیا اس پر بھی مباشر حکم کا اجرا ہوگا۔ تو قیامت برپا کی حقیقت میں اللہ نے۔ وہ مباشر ہے حکم اسی کا ہے۔ مگر اس کا سبب علم کا معدوم ہونا ہے۔ عالم کا نہ ہونا ہے۔ علم کا نیست ہو جانا ہے۔ علم کی یہ گمشدگی سبب بنی قیامت کی۔ جس سے ساری مساجد مٹ گئیں خانہ کعبہ منہدم ہوا روضۂ اطہر نہ رہا۔ تو سب کچھ اس عالم نے کیا۔ جو پڑھاتا نہیں تھا یا وہ طلبہ جو پڑھنے والے نہ تھے۔ گویا قیامت کو لانے کا ذریعہ کون بنے گا؟ مولوی کہ جس کے ختم ہو جانے سے ذکر الٰہی ختم ہوا عبادت ختم ہوئی اور قیامت آگئی۔

تو حشرات وطیور جب عالم کے لئے دعا کرتے ہیں تو ساری دنیا کے ساتھ ساتھ وہ اپنی بھلائی چاہتے ہیں ورنہ اسباب حیات معدوم ہو جائیں گے۔ تو کوئی نہ رہے گا تو امام بخاری کا یہ استنباط کہ قیامت کا سبب ترک علم دین اور ختم علم دین ہے بالکل صحیح ہے۔ کہ موت العالم موتُ العالَم کی موت سے ایک موت تو یہ ہے کہ اس کے اسباق درس وتدریس کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ مگر حقیقتاً عالم کی موت عالم اور کائنات کے لئے رفتہ رفتہ واقعۂ کبریٰ قیامت کا ذریعہ بنتا ہے۔

مولانا مرحوم کی جامعیت

تو آج ایک عالم کی جدائی میں ہم سب مغموم وپریشان ہیں یہ (مولانا عبدالحلیم مرحوم) ایک ایسے عالم تھے کہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور فنون کے جامع تھے۔ ہمارے ساتھ تو خاص تعلق اور خاص واسطہ تھا۔ اللہ کو یہ منظور تھا۔ ہم جب جلالیہ (علاقہ چھچھ) میں غالباً شرح جامی پڑھتے تھے اس وقت مولانا مرحوم بھی وہاں تھے۔ ان کی عمر غالباً میرے برابر تھی سال آدھ تقدیم تاخیر شاید ہو۔ اس وقت بھی کافیہ اور شرح جامی کے تکرار میں شریک ہوتے۔ اس عمر میں ان کے ساتھی کہا کرتے کہ اللہ نے انہیں کتنی ذہانت دی ہے پھر جب سے یہ دارالعلوم حقانیہ قائم ہوا ہے اس کے ساتھ ان کا خاص تعلق رہا ـــــ

پہلے ہماری چھوٹی سی مسجد میں سالہا سال یہ سلسلہ رہا۔ مولانا وہاں بھی درس دیتے تھے حاجی محمد یوسف صاحب کی مسجد میں قیام تھا۔ پھر ہماری اس مسجد کے سامنے مکان میں رہے کچھ عرصہ عوارض کی وجہ سے گاؤں میں رہ گئے۔ وہاں سے چند ایک دن بعض مدارس میں رہے مگر ہر جگہ فرماتے کہ جو ذوق وشوق مجھے دارالعلوم حقانیہ میں حاصل تھا اور جو روحانیت مجھے دارالعلوم میں ملتی ہے وہ کسی اور جگہ نہیں۔ تو تدریس کرنا ہی نہیں گاؤں میں چھوٹی سی دکان ڈال دی مجھے خبر ملی کہ مولانا فارغ ہیں تو میں نے دوبارہ بلایا اور تشریف لائے اس وقت سے ۲۵، ۳۰ سال ہوئے اسی دارالعلوم کے ساتھ محبت تعلق کے ساتھ وابستہ رہے۔ ہمیشہ اہم کتابیں وہ پڑھاتے۔ اللہ پاک نے جامع علم حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو دیا تھا۔ جامع علم، ہر فن کے عالم، اس دارالعلوم کی سرپرستی جو انہوں نے فرمائی اللہ تعالیٰ اس کا اجران کو نصیب کرے۔

مصیبت کے وقت مومن کا شیوہ

تو بھائیو! دنیا سے سب کو جانا ہے۔ کلُّ من علیہا فان۔ یہ اللہ کا مقرر کردہ قانون ہے حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کی وفات کے وقت جو کہ معمولی صدمہ نہ تھا عقول، حواس باختہ تھے۔ حضرت عمرؓ جیسے مدبر اور ذہین شخص تلوار نکال کر کھڑے ہوگئے کہ جس نے کہا کہ حضور اقدس وفات پا گئے اس کا سر قلم کر دوں گا تو جب ان جیسے متین انسان کے قلب مبارک پر صدمہ کی وجہ سے بے حد دباؤ تھا اور ابوبکرؓ تشریف لائے اور یہ آیت پڑھی۔

انک میتٌ وانہم میتون۔ تب سب کو احساس ہوا کہ آپ اور ہم سب نے یہاں سے جانا ہے۔ پھر فرمایا۔

من کان یعبد اللہ فان اللہ حیٌّ لا یموت ومن کان یعبد محمداً فقد مات (او کما قال) یہ ابوبکرؓ کا حوصلہ تھا اور ان کا مقام سارے صحابہ سے اونچا ہے۔ اسی طرح حوصلہ بھی اللہ نے ان کو

دیا تھا کہ جو راستہ حضورؐ نے ہمیں بتایا ہے اسی کی پیروی کریں گے ۔

تو حضرت مولانا کی جدائی سارے ملک کے لئے نقصان ہے ۔ مگر دارالعلوم کے لئے واقعی بات یہ ہے کہ جو خلا ہوا ہے جو نقصان پہنچا ہے اس کمی کو سوائے اللہ کے فضل وکرم اور امداد خداوندی کے بغیر پورا نہیں کیا جا سکتا ۔ سب تلامذہ کی تربیت اور علمی فیضان سے محروم ہو گئے ۔ ہمارا سہارا سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں ۔ ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ہی دین کا محافظ اور نازل کرنے والا ہے ۔ اس کی خدمت کے لئے یہ طلبہ اساتذہ عملہ یہ معاونین اور وابستگان ہیں تو یہ ـــــ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ۔ والی حفاظت ہے ۔

دعا

ہماری اللہ سے درخواست ہے کہ وہ حضرت مولانا کے درجات بلند فرمائے ۔ عمر بھر جو دینی خدمات انہوں نے انجام دیں قیامت تک اس کے برکات باقی رکھے ۔ اور ان کی قبر کو روضۃٌ من ریاض الجنۃ بنا دے ۔ اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام ان کو نصیب ہو اور ان کی جدائی سے دارالعلوم کو جو کمی پہنچی ہے اپنے فضل وکرم سے اسے پُر فرما دے ۔ ان کے خاندان اور دوست احباب تلامذہ سب کو صبر جمیل عطا فرما دے ۔ اور ان کے علوم قیامت تک شاگردوں کے ذریعہ باقی اور محفوظ رکھے ۔ یہ تلاوت کلام پاک جو کی گئی ہے اللہ تعالیٰ اسے شرف قبول بخش کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام تابعین اور ساری امت خصوصاً حضرت مولانا مرحوم کی روح مبارک تک اس کا ثواب پہنچا دے ۔ اللہ اپنے فضل سے ہمیں اجر دے اور وہ اجر ان ارواح طیبہ تک پہنچا دے ۔ جو اساتذہ زندہ ہیں ان کی عمر میں برکت ڈال دے ۔ ہم سب ایک مرکز سے وابستہ ہیں جو دارالعلوم دیوبند ہے حضرت مولانا مرحوم اور ہم سب وہاں اکٹھے رہیں ، اور یہاں بھی ۔ تو یہ ساری خدمات وہاں کے مشائخ بالخصوص حضرت شیخ مدنیؒ ، حضرت شیخ الہندؒ ، حضرت نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوبؒ وغیرہ جو گذر چکے ہیں ان کے فیوضات اور دعائیں ہیں اور ان کی تعلیمات

ہیں جو ہم آپ کو نقل کرتے رہتے ہیں ۔ اور آپ انشاء اللہ آئندہ نسلوں اور قوموں تک انہیں پہنچائیں گے ۔ تو ان سب اکابر کے حق میں دعا فرمائیں ۔ دعا اور ایصال ثواب میں جتنی بھی سخاوت ہوگی اتنا ہی اجر بھی اضعافاً مضاعفاً ہوگا ۔

اللہ تعالیٰ سب کو اس صدمہ کے عوض صبر نصیب فرمائے ۔ جو علماء ، طلباء ، فضلاء اور اہل علم کل سے اخلاص ومحبت کا مظاہرہ فرما رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اور تمام معاونین دارالعلوم کو دنیا وآخرت کی سرخروئی سے نوازے ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین !

خزاں رسید و گلستاں بآں جمال نماند

حضرت مولانا سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
سابق مدرس دارالعلوم حقانیہ

محترم قاضی فضل دیان صاحب کے مکتوب سے حضرت شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا عبدالحلیم نور اللہ مرقدہ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع ملی جس سے بندہ اور تمام احباب اور متعلقین کو از حد رنج ہوا۔ مسجد نبوی شریف میں حضرت الشیخ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کی مغفرت اور رفع درجات کے لئے بار بار دعائیں کیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی آغوش رحمت و رأفت میں ارفع مقام نصیب فرما دے۔ اور آپ اور دیگر بھائیوں بہنوں اور گھر والوں کو صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرما دے۔

حضرت کی جدائی دارالعلوم حقانیہ، زروبی اور تمام علاقہ کے لئے ایک ناقابل برداشت صدمہ ہے۔ یہاں حضرت کے تلمیذ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب کو جب میں نے حضرت کی وفات کی اطلاع دی تو مولانا از حد رنجیدہ ہوئے اور اپنے سشر کا درس کو حضرت مولانا مرحوم کے مناقب و فضائل بیان کئے۔ اور ان کی مغفرت کے لئے دعائیں مانگیں۔ یہ ناچیز اور حافظ محمود اور مولانا محمد صدیق صاحب اور ہمارے جملہ رفقاء آپ حضرات کے ساتھ اس غم صدمہ میں برابر شریک ہیں۔

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت الشیخ قدس سرہ العزیز کو مراتب قرب سے نوازا ہو گا۔ تمام زندگی قال اللہ اور قال الرسول میں گذری ہے۔ اور ہر باطل کا مقابلہ پوری جرأت

و شجاعت سے کیا ہے۔

فتنہ قادیانیت جو زروبی میں پوری قوت کے ساتھ ابھر رہی تھی حضرت نے اپنی خداداد قابلیت و دلیری سے اس کی سرکوبی فرمائی۔ اور باوجود عظیم دھمکیوں اور شدید مخالفت کے حضرت کی حق گوئی و بے باکی میں بال برابر فرق نہیں آیا۔ دارالعلوم حقانیہ میں مرحوم کی عظیم خدمات ان کے لئے باقیات الصالحات و صدقات جاریات ثابت ہوں گی۔ مرحوم نے آپ جیسے قابل و فاضل خلف الرشید چھوڑ کر اپنے لئے کافی ذخیرۂ آخرت فراہم کیا ہے۔ عالم کا بیٹا عالم بنے۔ یہ باپ کے لئے تمام مسرتوں سے بڑھ کر عظیم مسرت ہے اور پھر انہی کے ظلِ شفقت میں پایۂ تکمیل تک پہنچے۔ اور انہی کی حیات میں درس و تدریس وعظ و خطابت اور تحریر کی نمایاں خدمات سرانجام دینے لگے۔ ان سے ان کو قلبی سکون اور راحت نصیب ہوئی۔

دارالعلوم حقانیہ میں غالباً ماہِ رمضان یا شوال میں مولانا سمیع الحق صاحب کے ہاں گیا تھا۔ ماہنامہ الحق میں آپ کا قصیدہ مدح الشیخ نظر سے گذرا۔ پڑھ کر بے حد سرور محسوس ہوا کہ آپ نے مولانا مرحوم کے کمالات کو بلا مبالغہ مؤثر شعروں میں جمع کر دیا ہے یہ باپ اور بیٹے دونوں کے لئے باعث صد افتخار و انبساط ہے۔ خاص کر آپ کا یہ شعر غالباً ؎

شیخ عبدالحق کے دیرینہ رفیق و رازدان
مشغلہ دونوں کا ہے درس احادیث و قرآن

شیخ مرحوم کی روح پاک پر اللہ تعالیٰ اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرما دے۔ میں مرحوم کے ادنیٰ شاگردوں میں سے ہوں۔ لیکن اس ناکارہ کے ساتھ حضرت کی اتنی محبت تھی کہ جب بھی میں ان کے پاس حاضر ہوا تو بڑی شفقت کا اظہار فرمایا۔

ایک دفعہ ایک نوجوان قادیانی، غالباً زیدہ کا باشندہ تھا مولانا مرحوم کے پاس آیا۔ اور

اور مناظرہ کے ارادہ پر۔ تو حضرت نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ اس کے چند اعتراضات ہیں آپ اس کا جواب دیں۔ میں نے کافی معذرت کی کہ حضرت آپ کے ہوتے ہوئے مجھے یہ حق حاصل نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں سبق پڑھانے کے لئے جا رہا ہوں۔ آپ کو یہ کام ضرور کرنا ہوگا۔ بحمداللہ، اس نوجوان کے شبہات کے جوابات دئے۔ پھر بعد میں حضرت کو بتایا تو بہت خوش ہوتے اور دعائیں فرمائیں۔

بندہ اور حافظ محمود صاحب کی طرف سے اپنی والدہ مکرمہ اور بھائیوں، بہنوں، اعزہ و اقارب اور خصوصاً حضرت مخدومنا المکرم حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم اور دیگر تمام مدرسین کرام اور حضرت کے تلامیذ اور متعلقین اور اہالیان زروبی کو اس ناقابل برداشت صدمہ کے سلسلہ میں ہمدردیاں، دعوات و تسلیمات پیش فرماویں۔

علینا لک الاسعاد ان کان نافعاً　　یشق قلوب لا بشق جیوب

خزاں رسید و گلستاں بر آں جمال نہ ماند　　سماع بلبل شوریدہ رفت و حال نہ ماند

نشانِ لالہ آں باغ از کہ مے پرسی　　بروکہ آں چہ تو دیدی بجز خیال نہ ماند

حافظ محمود صاحب نے حضرت کے روح پر ایصالِ ثواب کی خاطر دو رکعت نفل پڑھ کر مرحوم کے لئے دعائیں کیں اور حضرت کے لئے عمرہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کرے گا۔ حافظ صاحب اپنی ہمدردیاں اور دعائیں پیش فرما رہے ہیں۔

شریکِ غم

شیر علی

مدینہ منورہ

۷، ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

آہ استاذنا المکرم

مولانا عبدالحلیم رحمہ اللہ

حضرت صدر صاحب مرحوم کی وفات پر مدیر "الحق" حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا پُرمغز، درد انگیز، رقت آمیز اور تاریخی شاہکار نقشِ آغاز زیرِ نظر کتاب "حیات صدر المدرسین" کے لیے ابتدائی مواد فراہم کرتا ہے۔ اسی کی تحریک سے احقر کے دل میں حضرت صدر صاحب مرحوم پر یہ کتاب مرتب کرنے کا داعیہ پیدا ہوا گویا مدیر محترم کی یہ ادارتی تحریر "حیات صدر المدرسین" کے لیے حرفِ آغاز اور نقشِ اولین ہے۔ فجزاہ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین۔ (دفانی)

جناب حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

تو آگہی کہ مرا از غروب ایں خورشید　　چہ گنجہائے فراواں زبانِ جان آمد

آہ کہ چمنستان علم و فضل اور گلستانِ قرآن و سنت کا سدا بہار گل سرسبد مرجھا گیا اور گلشن دین متین کا چہکتا ہوا عندلیب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا۔ دارالعلوم حقانیہ کے دارالحدیث کے در و دیوار اس کی صدائے قال اللہ وقال الرسول کے لئے ترستے رہ گئے۔ یعنی حضرت علامہ جامع المعقول والمنقول متکلم اسلام، شارح قرآن، ترجمان حدیث، بقیۃ السلف حضرت الاستاذ مولانا عبدالحلیم صاحب مردانی صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ انتقال فرما گئے اور ۲۰، ربیع الاول ۱۴۰۳ھ ۶، جنوری ۱۹۸۳ء بروز جمعرات غروب شمس سے قبل (ساڑھے چار بجے) آسمان علم و ہدایت کا یہ درخشندہ آفتاب غروب ہوگیا۔ مولانا مرحوم کی زندگی کا اکثر حصہ گوناگون جسمانی عوارض علالت اور ضعف و نقاہت میں گزرا۔ مگر طالب العلمی سے لے کر آخر دم تک یہ زار و نزار اور نحیف خادم اسلام اشاعت قرآن و

سنت اور درس وتدریس علوم وفنون میں تندرست وتوانا انسانوں سے بڑھ چڑھ کر مشغول ومنہمک رہا۔ اور یہ ساری کلفتیں اور صعوبتیں اس کی راہ میں رکاوٹیں نہ بن سکیں۔ پچھلے دو سال سے ضعف اور علالت کا سلسلہ بڑھ گیا تھا اس سال تعلیمی سال کا آغاز ہوا تو بیماری نے شدت اختیار کرلی۔ مگر ذیقعدہ کا سارا ہفتہ تدریس کا سلسلہ جاری رکھا احقر کے مشورہ پر ذی الحجہ کے آغاز میں کراچی کے جناح ہسپتال میں بغرض علاج داخل لیا اور دو اڑھائی مہینہ چند مخلص ڈاکٹروں کے زیر علاج رہے۔ واپسی میں بوجہ ضعف وعلالت دارالعلوم آنے کے بجائے سیدھے آبائی گاؤں زروبی تحصیل صوابی تشریف لے گئے۔ اور اجل موعود تک وہیں صاحب فراش رہے وفات سے کچھ روز قبل مفتی محمد فرید مدظلہ مدرس دارالعلوم کی والدہ محترمہ کے جنازہ میں شرکت کے لیے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ دیگر اساتذہ اور طلبا کے ساتھ ان کے گاؤں زروبی تشریف لے گئے۔ تو ان کی عیادت کے لئے سب حضرات گئے۔ کافی افاقہ ہوگیا تھا۔ اور ہشاش بشاش تھے۔ یہ حضرت الاستاذ سے سب کی آخری ملاقات تھی۔ وفات کے دن نماز ظہر ادا فرمائی۔ تشویش کے خاص آثار نہ تھے۔ گھر میں ختم خواجگان کرانے کی فرمائش کی۔ سعادت مند اہل بیت نے تعمیل حکم کی اور مولانا کو اطلاع ی تو بڑے خوش ہوئے۔ اور کہا یہ تو کئی افراد مل کر پڑھتے ہیں۔ آپ لوگوں نے تو بڑی ت کی۔ پھر فرمایا کہ ختم خواجگان سے زیادہ زود اثر سورہ تغابن ہے اور اس کے بارہ اپنے تجربات سنائے۔ پھر ایک پیالی چائے نوش فرمائی۔ اور طبیعت یکایک خراب ہو۔ اہلیہ محترمہ کو فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری دعا کا ورد کریں۔ انہوں نے کہا تو اضطراب کی وجہ سے بھول گئی ہوں۔ فرمایا حزب البحر میں بھی وہ دعا موجود ہے ہی زبان مبارک سے اس کا ورد شروع فرمایا۔

ہم اغفرلی وارحمنی والحقنی بالرفیق الاعلیٰ

تک زبان ہلتی رہی کچھ کلمات سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ کہ روح قفس عنصری سے

پرواز کر گئی۔ یہ اندوہناک اطلاع عشاء کے وقت دارالعلوم پہنچی تو ہر طرف رنج وغم کی گھٹائیں ظلمت شب میں اضافہ کرگئیں ؂

الٰہی سنسان کبھی پہلے نہ تھی ہجر کی رات
دور تک قافلۂ صبح کے آثار نہیں

دوسرے دن جمعہ کا مبارک دن تھا۔ دارالعلوم سے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، اساتذہ اور طلبہ بڑی تعداد میں نماز جنازہ میں شرکت کے لئے ان کے گاؤں زروبی گئے ۲ بجے بعد از نماز جمعۃ المبارک حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے جنازہ پڑھایا۔ علماء و صلحاء اہل علم وفضل کا ایک سیلاب تھا جو چاروں طرف سے امڈ کر اہل اللہ کی مقبولیت کی ایک روشن ثبوت بنا ہوا تھا۔ نماز جنازہ کے بعد حضرت مدظلہ نے گلوگیر آواز سے حضرت مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا اور دعا سے رفع درجات کروائی۔

حضرت مولانا مرحوم کا دیدار عام ہوا۔ چہرۂ انور پر نور وطمانیت اور سکون کا عجیب سماں تھا۔ اور ہمہ گریاں تو خنداں کا منظر سامنے تھا۔ قبر کی پہلی رات بہت سے لوگوں نے دیکھا کہ قبر مبارک اور جہاں جہاں دن کو جنازہ رکھا گیا تھا وہاں نور کے شعلے اٹھ رہے تھے۔

دوسرے دن دارالعلوم کے تمام شعبوں میں تعطیل رہی۔ دارالحدیث میں قرآن خوانی ہوئی۔ حضرت شیخ الحدیث اور دیگر اساتذہ وطلبہ نے مولانا مرحومؒ کی علمی خدمات پر روشنی ڈالی اور ایصال ثواب کیا۔ دارالعلوم کا یہ جلیل القدر استاد اور وقت کا ایک جید عالم اور علوم کتاب وسنت کا یہ بے لوث خادم ۱۹۰۸ء میں مولانا خلیل الرحمٰن بن مولوی شاہ غریب بن مولانا سعد الدین کے گھر زروبی تحصیل صوابی ضلع مردان میں پیدا ہوئے۔ پرائمری تک تعلیم کے بعد گھر پر آس پاس کے علمی مراکز کے جید علماء سے تحصیل علم کیا۔ علاقہ چھچھ اور صوبہ سرحد کے جامع العلوم اساتذہ سے علوم وفنون حاصل کرتے

رہے۔ تکمیل کے لئے ۱۳۵۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ اور ۱۳۵۳ھ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ اور دیگر اساتذہ سے دورہ حدیث شریف پڑھا۔ فراغت کے بعد مدرسہ رحیمیہ دہلی میں تین سال پڑھاتے رہے۔ وہاں سے مدرسہ رحمانیہ دہلی میں منتقل ہونے کے بعد دس سال تک تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ تقسیم ہند کے بعد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا قیام عمل میں آیا تو دارالعلوم میں تدریس شروع کی۔ مگر خرابی صحت کی وجہ سے یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔ اور تقریباً ۶ سال گھر پر رہے مگر درس کا شغل کچھ نہ کچھ جاری رہا۔ ایک سال بغرض علاج کراچی بھی رہے اور مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی میں اعلیٰ کتابوں کی تدریس جاری رکھی۔ بالآخر ۱۹۵۸ء میں دوبارہ دارالعلوم حقانیہ سے وابستہ ہو گئے۔ اور اس وابستگی کو آخر دم تک ایسا نبھایا کہ بڑے بڑے محرکات اور دواعی کو بھی ٹھکرا کر دارالعلوم کی قوت لایموت اور کفاف پر قانع رہے اور تفسیر و حدیث اور فنون کی اعلیٰ کتابیں مثالی صلاحیت اور عبقری انداز میں پڑھاتے رہے۔ اور ہزاروں تلامذہ کو مستفید کیا۔

آخر میں مسلم شریف، بیضاوی شریف اور تلویح جیسی اہم کتابوں کی تدریس آپ کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ گئی۔ علمی مزاج متکلمانہ اور فلسفیانہ تھا۔ ہر مسئلہ زیر بحث کی عجیب تنقیح فرماتے اور بنے تلے انداز میں موضوع کا تحلیل اور تجزیہ کرتے کہ گویا کوئی لکھا ہوا مقالہ سنا رہے ہیں۔ کلام حشو و زوائد اور تکرار سے پاک رہتا۔ قرآن و سنت اور دیگر علوم و فنون کے علاوہ شعر و شاعری کا بھی اعلیٰ ادبی ذوق تھا۔ عربی اور فارسی میں کئی عمدہ قصائد اور مراثی زمانہ طالب علمی سے لکھتے رہے۔

طبیعت میں جمال کے ساتھ ساتھ جلال بھی بھرپور تھا۔ حمیت حق کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ کسی نے اضمحلال دین کا کوئی نقشہ پیش کر دیا تو بے حد بے چین ہو جاتے منکرات پر ملال کرتے بارہا ایسے امور میں اہل قصبہ اور اپنے محلہ کے سامنے ڈٹ گئے اور جم کر

مقابلہ کیا۔ عوامی زندگی سے گریزاں اور اپنے علمی مشاغل میں منہمک رہتے۔ موجودہ علمی زوال اور طلبہ کے علمی انحطاط پر بے حد کڑھتے تھے۔ اور طلبہ کے ساتھ اس بارہ میں مدارس کے تسامح اور رواداری پر ناراض ہوتے تھے۔ درس میں بھی طلبہ کو ہر لحاظ سے ٹوکتے۔ عبارت میں اعراب کی غلطی پر سخت گرفت فرماتے۔ داخلہ کے امتحانات کے وقت بھی چاہتے تھے کہ صرف اہل اور محنتی طلبہ کو ترقی دی جائے۔ ختم بخاری شریف کی تقریب میں جب وہ اپنی مقروءہ کتابوں کی اجازت دیتے تو اسے کڑی شرائط اور اہلیت و صلاحیت کے ساتھ مشروط فرماتے۔

الغرض زہد و تقویٰ، سادگی، للٰہیت، ایثار، حمیت دینی، علمی شغف انہماک ہر ہر وصف میں اپنے اسلاف کا نمونہ تھے۔ صفحات کی تنگ دامن کو کھینچ کھینچ کر نہ بھی روکتی تب بھی جلنے والے مرحوم استاذ کے کمالات کی مکمل تصویر کشی کہاں ممکن ہے ؎

قلم بشکن، سیاہی ریز، کاغذ سوز، دم درکش
حمید این قصۂ عشق ست در دفتر نمی گنجد

تدمع العین ویحزن القلب ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقک
یا شیخنا لمحزونون تغمدک اللہ بنعمائہ واسکنک فسیح جنانہ
واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

غمِ ہجر

(عطاء الرحمٰن بریڈ فورڈ انگلینڈ)

برادرانم محمد ابراہیم و محمد اسمٰعیل صاحبان !

السلام علیکم ! بعد عارض ہوں کہ قبلہ گاہ کی جدائی کی صدمہ اور خبر کل سنی دل کو داغتا ہوا یہ تیر ہم نے بھی کھا لیا اور آپ کے بارے تو بات تصور سے بھی باہر ہے۔ آپ تو بذاتِ خود اس نظام خداوندی سے بخوبی واقف اور عالم ہیں چہ جائیکہ میں زبان درازی یا قلم طرازی کروں۔ مگر ایسا تیر کھا کر بسمل ہوتے۔ دل صرف خود ہی بسمل نہیں رہتے مگر دماغوں کو بھی ساتھ ساتھ حصۂ ماؤفیت عطا فرماتے ہیں۔ اور یہی وہ مقام ہے کہ علماء بھی لغزش کر جاتے ہیں۔

لہٰذا میں یہ جسارت کرتا ہوں کہ آپ کی یاد دہانی اور مرہم پٹی کی خاطر آپ کو تھوڑا پیچھے لے جاؤں اور آپ کی توجہ فرمانِ خداوندی کی جانب مبذول کراؤں کہ ارشاد ہے ولنبلونکم بشی من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات۔ آپ امتحانِ انفس میں اُتر چکے مگر میرے خیال میں تو آپ نے یہ استحقاق کی اہلیت رکھتے ہوئے کہ وبشر الصابرین الذین اذا اصابتہم مصیبۃ۔ قالو انا للہ و انا الیہ راجعون کو یاد کر کے

اس پہ عمل پیرا بمطابق فرمان ہائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہو کر نہ صرف اپنے بلکہ خرد و کلاں قائم مقامانِ مرحوم و مغفور میدان جیت لیا ہو گا۔ مجھے یہ مکمل امید ہے کہ اس ناقابل تلافی نقصان اور عظیم سانحہ کی آپ کو تاب تھی۔ کیونکہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا ہی ایک ایسا دفعہ ہے جو سب پہ لاگو ہے۔ اسی کے لئے آپ کو خداوند کریم نے تیار کر لیا ہو گا۔ اور اگرچہ میرے خیال میں شاید اگر کوئی ہزار سال عمر بھی پالے اور بعد ازاں اس کی رخصتی ہو تو شاید پھر بھی مرحوم و مغفور جیسی ہستی کی سی پوزیشن میں ہوتے ہوئے اسے ہزار سال یا لمبا عرصہ یا لمبی عمر گنا گیا ہو بلکہ اسے بھی قبل از وقت کہا جاتا ہے۔

تو میرا مطلب یہ ہے کہ اس قبل از وقت وار سے آپ واقعی اس سانحہ کو جان لیوا ہی معبر کریں گے۔ مگر جیسا کہ میں اوپر یہ عرض کر چکا ہوں کہ چاہے کچھ بھی ہو آپ کے پاؤں نہ تو ڈگمگا چکے ہوں گے۔ اور نہ ہی آپ اپنے حواس کھو بیٹھیں گے۔ اور نہ ہی خورد و کلاں خانہ بلکہ ہمہ اہل بیت ان کے ڈالے گئے اثر کثیر و کوثر سے بے بہرہ ہونے کے دلائل بہ زبان قال و حال پیش کریں گے۔ کیونکہ کرم مولا کریم ہی ایسے شیوخ اور ان کے دائرہ اثر و خاندان کو اپنے رحم و اپنی رحمت کے لپیٹ میں گھیر لیتی ہے۔ اور ایسے بڑے لوگ چھوٹے (عمر کے لحاظ سے) ہونے کے باوجود بھی سراپا مسلم و عالم باعمل ہوا کرتے ہیں۔ اللہ پاک آپ سبھوں صبر جمیل سے نوازے۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ صبر تو ہم آپ ہی سے سیکھیں گے کیونکہ یہ تو ان سے آپ کو ورثہ میں ملی ہو گی۔

برادرانم فسبحن الذی بیدہ ملکوت کل شئی والیہ ترجعون اور کل من علیہا فان فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام کو مدنظر رکھے ہوئے آپ نہ صرف خود ہی صبر کا دامن تھامے رکھیں گے بلکہ جملہ خورد و کلاں و اہل بیت و شاگرداں اہل رشتہ و بہی خواہاں و مداحاں و مقتدیاں و خیر خواہاں و طالبان و استاداں حقانیہ سے بھی صبر کا دامن تھامنے کی تلقین فرمائیں گے۔ میں یہ خط لکھنے سے قاصر ہوں آپ یقین جانئے کہ میرا قلم

رک گیا ہے اور میں اپنے دماغی کیفیت میں نہیں ہوں جس سے کہ میں آپ کو کوئی تسلی بھرا اور تسکین بخش خط اور اچھے اچھے الفاظ لکھ سکوں۔

برادر انم۔ کسی کی رخصتی سے لوگ خوش ہوتے ہیں کسی کی رخصتی سے صرف وہ چل بستا ہے۔ کسی کی رخصتی سے ایک گھر ماتم کدہ رہ جاتا ہے۔ اور یتیم بلک بلک کر روتے ہیں۔ کسی سے پورا خاندان۔ کسی سے پورا محلہ۔ کسی سے پورا گاؤں یا شہر یا قصبہ اور کسی سے تحصیل یا ضلع اور کسی سے پورا صوبہ و ملک یتیم بن جاتا ہے۔ مگر مرحوم و مغفور نے تو تمام امت مسلمہ کو یتیم چھوڑ دیا۔ اور ان کی جدائی سے علم کے زمرہ میں جو خلاء دنیائے اسلام میں محسوس ہونے لگے گا یہ آئندہ صدی خود ہی اس کی شاہد ہو گی۔ کاش کہ وہ آج بھی ہمارے درمیان رہتے اور ہم اسلام کے علوم کے آتاہ سمندر کے موتیوں کے اس غواص ملکی بصورت انسان کے لفاظی اور ناپید ذخائر بیش بہا سے بہرہ ور ہوتے۔ اور عالم اسلام اور خاص کر سرحد و پاکستان ان سے مزید فیض یاب ہوتا۔

آخری تعزیت قبول فرمائیے گا۔ میری اہل و عیال اور بھائی سلیم و اہل و عیال دو دستہ بدرگاہ رب العزت دست بدعا ہیں کہ خداوند کریم مرحوم و مغفور کا کاجی صاحب کو اپنی جوارِ رحمت میں نوازتے ہوئے ان کے روح مبارک کو علیین اور آخر کار جنت خلد و فردوس میں مرافقت نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرماوے اور ان کے جسدی خاک کو دائمی آرام عطا فرماوے۔ آپ اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین ثم آمین

التعزیت آپ کا برابر شریک غم چچا صاحب و مولانا عبد الرحیم صاحب سے بھی میری مکمل تعزیت اور شراکت غم اور ہماری غریب الوطنی اور بے چارگی پر افسوس پہنچا دیجئے گا

انا للہ وانا الیہ راجعون +

○

اب سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں لہ

مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی!

برادر محترم مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بروز جمعہ یہاں بذریعہ ریڈیو حضرت الاستاد اور اپنے شیخ محترم کی پُر حسرت وفات کی خبر سنی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بس پھر جو دل پر گذری اسے اللہ ہی جانتا ہے کہ قید و بند میں پڑا ہوا انسان جس کی قوتِ پرواز سلب ہے۔ کیا کر سکتا ہے۔ نہ جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کرنا اور نہ مزار مبارک پر حاضری میرے لئے اس وقت ممکن ہے۔ کہ گھر پر حاضر ہو کر بذاتِ خود سوگواران خانہ کے ساتھ غم میں شریک ہو سکوں۔ سوائے اس کے کہ یہیں سے حضرت مرحوم کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ان کی بلندی درجات اور فلاح اخروی کی درخواست کریں۔

میرے بزرگوار والد صاحب کی وفات پر حضرت الاستاد نے جو تعزیتی خط ارسال فرمایا تھا اس کا یہ جملہ اب تک مجھے یاد ہے۔ " اب سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں " ان کا یہ فرمانا آپ کی تسلی کے لئے کافی ہے کہ آپ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے ہیں اس لئے آپ پر سب سے زیادہ یہ لازم ہے کہ اپنا بھی حوصلہ بلند رکھیں اور چھوٹوں کا حوصلہ بھی بڑھائیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کو اپنی جوارِ رحمت میں بلند مقامات پر فائز فرماوے۔ اور ہم سب سوگواروں کو صبر جمیل سے نوازے۔ استاد محترم کی وفات علمی حلقہ کے لئے بہت بڑا نقصان ہے اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے اس کمی کو دور فرماوے۔ آمین

میری طرف سے تمام اہل خانہ اور اپنے بھائیوں کی خدمت میں اظہارِ تعزیت۔

برمزارِ خواہی آمد

محترم المقام وعزیز مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب ودیگر برخورداران اطال اللہ بقائکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
والد صاحب کی وفات حسرت آیات سے افسوس ہوا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون اللّٰھم اغفرہ وارحمہ ولا تعذبہ اللّٰھم اکرم نزلہ۔

یہ آپ حضرات کی سعادت مندی ہے کہ والد صاحب نے آپ کی پرورش کرکے داعی اجل کے لیے عمر طبعی پاکر لبیک کہہ کر دنیا سے رخصت ہوگئے۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ الا انما کانت وفاۃ محمد۔ دلیلا۔ علی ان لیس للہ غالب۔

خداوند تعالیٰ آپ کو اپنے والد ماجد کا صحیح جانشین فرمادے۔ ع

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

مجھے اس وقت امام بخاری رحمہ اللہ کا ایک شعر یاد آیا جو انہوں نے امام دارمیؒ کی وفات کی خبر سن کر فرمایا تھا ؎

ان تبق تفجع بالاحبۃ کلھم	وفناء نفسک لا اباًلک افجع

مولانا مرحوم سے تعلقات زمانہ قدیم سے چلے آرہے تھے۔ کاش نمازِ جنازہ میں شرکت ہو سکتی ع

بجنازہ گر نہ آئی برمزار خواہی آمد	ع

ولکن قضاء اللہ قد جناحیا

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ	من الدھر حتی قیل لن یتصدعا
فلما تفرقنا کانی ومالکا	لطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

دعاگو و دعاجو
عبدالرؤف۔ خادم الحدیث

شیخ العلماء والاتقیاء

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ محمد حسن جان
خریج الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ
ایم اے۔ گولڈ میڈلسٹ

شیخ العلماء والاتقیاء جناب صدر محترم، حضرت العلامہ مولانا الحاج عبدالحلیم صاحب زروبوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس حقیر کی، دارالعلوم حقانیہ میں دو سالہ رفاقت رہی۔ اور ان کی مجالس علمیہ اور صحبت سے استفادہ کا موقعہ نصیب ہوا۔ اور اس کے بعد بھی کبھی کبھار آپ کی زیارت ہوتی رہتی اور بعض مناسبات میں آپ کی صحبت سے مستفیض ہوتا رہا۔ اس نالائق سے بھی حضرت کی بڑی محبت اور شفقت رہی۔

آپ کی علمی شان، اور جملہ فنون میں تبحر علمی اور مہارت، تمام اساتذہ کرام اور طلباء میں بلاشک وتردد مسلم رہی۔ دوران درس اور عام مجالس میں بھی، آپ بڑی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ اظہار خیال فرماتے تھے۔ ضعف ونقاہت کے زمانہ میں بھی آپ کا درس قابل صد رشک ہوتا تھا جس سے طلباء کافی محظوظ اور مستفید رہتے تھے۔ اور آپ کے درس میں بڑے شوق اور اہتمام کے ساتھ شامل ہوجانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

حق گوئی اور جرأت میں اپنی نظیر آپ تھے۔ اس لئے اساتذہ کرام اور طلباء آپ ہی کی وساطت سے بات پہنچاتے تھے۔ اور آپ ہی کے گرد جمع ہو جاتے۔ اور اس شفقت اور اخلاص کی بنا پر مقبول خاص و عام رہے۔

بناوٹ اور تصنع اور تکلفات سے کوسوں دور، اور تواضع و انکساری کا کامل نمونہ تھے۔ ہم استاد، اور طالب علم کے احوال معلوم کرنا اور ان سے ہمدردی کا اظہار آپ کا خصوصی شیوہ رہا۔ بچوں پر شفقت اور خصوصاً برادرم محترم مولانا حافظ محمد ابراہیم صاحب زیدمجدہ وکرمہ کی علمی ترقی اور کامیابی کی طرف بہت زیادہ توجہ فرماتے۔ اور ان کی استعداد اور قابلیت سے بہت خوش تھے۔ مجھ جیسے بے بضاعت سے بھی اس سلسلہ میں مشورہ فرماتے رہے۔

حضرت کی علمی خصوصیات لکھنے کے لئے اس ناچیز میں نہ استعداد ہے نہ ہمت، یہ چند کلمات بھی صرف خریداران یوسف کی مشابہت میں اظہارِ عقیدت کے طور پر حوالۂ تحریر کئے ورنہ ۔

زبانِ ناطقہ در وصفِ حسن او لال است
چہ جائے کِلک بریدہ زبان بیہودہ گو است

فرحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ   واسکنہ فرادیس جنانہ

وافاض علیہ شآبیب   منّہ وکرمہ واحسانہ

ان المتقین فی جنت ونہر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر

موت العالِم موت العالَم

مولانا سید حبیب اللہ صاحب بنوری

واقعی ایک جید عالم کی رحلت سے معاشرہ صرف بے رونق نہیں بلکہ بے جان رہ جاتا ہے نورانیت محو ہو کر ظلمت اور جہل کی تاریکی چھا جاتی ہے لوگ بے شمار سعادتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زروبی صدر المعلمین مدرسہ حقانیہ اکوڑہ خٹک رحمہ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔ زہد و تقویٰ، اخلاق و سنجیدگی، علم و حلم کے پیکر تھے۔ آپ کی بے وقت مفارقت احباب کے لئے صدمات کا باعث بنی۔

غالباً ۱۹۳۶ء کا زمانہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند ادامہا اللہ اساسہا ومبانیہا میں فاضل محترم جناب مولانا عبدالرؤف صاحب ترناوی شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ عیدگاہ پشاور، جو اس وقت دیوبند کے جامع مسجد کے امام تھے، کی معیت میں مولانا مرحوم سے روشناسی ہوئی تھی۔

۱۹۳۷ء میں بندہ دورۂ حدیث سے فارغ ہو کر، چند ماہ بعد مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی میں مولوی فاضل کلاس میں داخلہ لیا، تو اس وقت مولانا مرحوم کا تقرر مدرسہ رحیمیہ باڑہ ہندو راؤ دہلی میں بحیثیت مدرس کے ہوا تھا۔ جو پشتونوں کا مدرسہ کہلاتا تھا جس میں شاہ منصور لالا حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب صدر مدرس کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ اور معتبر علمی کتابوں معقول و منقول کا درس رواں دواں اور جاری تھا۔ قیام دیوبند کے بعد دوبارہ

ایک بُردبار، مخلص اور محنتی رفیق (مولانا مرحوم) کے ملنے سے بے انتہا مسرت ہوئی۔

دہلی میں میری رہائش فتحپوری میں اور مولانا مرحوم کی رہائش قرول باغ میں مولوی امیر محمد صاحب ترخوی امام مسجد کے ہاں تھی۔ جو بہت وسیع اور مخلص با اخلاق انسان تھے۔ اور پشتو زبان میں سیرت النبیؐ "محمد" نامی ضخیم کتاب کے مؤلف بھی تھے۔ میں بھی بیشتر مولانا مرحوم کی معیت میں مولوی امیر محمد صاحب موصوف اور قرول باغ میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب افغانی معلّم دینیات جامعہ ملیہ کی ملاقات کے لئے جاتا تھا۔

۱۹۳۸ء میں مولانا مرحوم غیر مقلدوں کے مدرسہ میں جو مدرسہ "رحیمیہ" سے کم وبیش ایک فرلانگ کے فاصلہ پر واقع تھا، میں منتقل ہو گئے تھے۔ خورد و نوش و قیام کا انتظام بھی اسی مدرسہ میں تھا۔ یہ مدرسہ تعلیم و تعمیر وغیرہ کے لحاظ سے نسبتاً زیادہ منظم تھا۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مولانا فوق العادت محنتی انسان تھے۔ محنت کا پتلا تھے۔ جیسے ہی آپ، غالباً ہر نقل و حرکت، چلتے پھرتے میں کئی کتابیں بغل میں ہوتی تھیں جہاں موقع ملا وہاں مطالعہ میں معروف ہو جاتے تھے۔

بندہ مئی ۱۹۳۸ء میں مولوی فاضل کے امتحان سے بخیر و خوبی فارغ ہو کر دیوبند کا رخ کیا۔ وہاں چند روز قیام کے بعد وطن مالوف روانہ ہوا۔ وطن میں کچھ عرصہ قیام کے سے بہرہ اندوز و محظوظ فرماتے رہے۔

سفر حجاز سے واپسی کے بعد جامعہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی میں چند روز قیام کے دوران مولانا مرحوم کی وفات حسرت آیات کی جانکاہ خبر سننے میں آئی۔ تاسف سے دل بھر گیا۔

بعد اگرچہ بندہ کئی سال تک سفر پر رہا مگر بہ ایں ہمہ سال بھر میں ایک مرتبہ مولانا مرحوم کی ملاقات سے دیرینہ رفاقت اور سفر ہند کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ مرحوم اس وقفہ میں خصوصاً گرمی کے زمانہ میں چار باغ، لنڈی کوتل کئی مرتبہ تشریف لا کر ملاقات

اس قسم کے واقعات کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ آہ و فغاں سے زباں سوزی (اللہ کی ناراضگی) کا خوف اور چھپائے رکھنے سے دلسوزی کا اندیشہ ہے

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
اگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

صبر اور رضا بقضا سے چارہ نہیں۔ ما حول ایک فاضل، محنتی، جفاکش بزرگوار سے محروم ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ما کان رحلۂ رجلٍ واحد
ولکنہ اساس علمٍ وحلمٍ ترحّل

خداوند کریم، مولانا مرحوم کو علمائے عاملین ربانیین کی صف میں شمار فرما کر بحبوحۃ الجنان میں اپنے سایۂ رحمت میں بسا لے۔ اور جملہ پسماندگان، اعزاء کو صبرِ جمیل و اجرِ جزیل نصیب ارزانی فرمائے۔ آمین

وقت کا بہت بڑا المیہ

مولانا قاضی عبدالحلیم صاحب حقانی

برادر عزیز مولانا محمد ابراہیم صاحب فانی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ — مزاجِ گرامی!

آپ کے والد مکرم اور میرے شفیق ترین استاذ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ کی رحلت وقت کا بہت بڑا المیہ ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آج سطحی سرسری اور لباسی علم کی تو فراوانی ہے۔ لیکن وہ تبحرِ علمی اور وہ تعمق علمی جس کا تعلق مشکوٰۃ نبوت سے ہو نادر ہے ایسے وقت میں اقلیم علم کے تاجدار اور مسند ولایت کے صدر نشین کا روٹھ جانا بلا مبالغہ تاریخی حادثہ ہے۔ اس ناچیز پر بلا استحقاق حضرتؒ بہت ہی شفقت فرمایا کرتے تھے

اور اس بنا پر بارہا حضرت کے دولت کدہ پر حاضری کا شرف حاصل ہوا۔

میرے جیسے کم علم ادنیٰ خادم اور گستاخ طالب علم کی حاضری پر بھی حضرتؒ کے حسن بقار کا حسین منظر دیدنی ہوتا تھا۔ حضرت اعزاز و اکرام میں وہ الطافات و عنایات فرماتے تھے کہ ہم شرم سے پانی پانی ہو جاتے تھے۔ مجھے بہت ہی ندامت ہے کہ اپنی بعض مجبوریوں عوارضات اور پریشانیوں کے باعث حضرتؒ کی طویل علالت کے دوران حاضر خدمت نہ ہو سکا۔ اور دراصل علم بھی مجھے بعد میں ہوا۔ جب حضرت کا کراچی سے واپسی کا علم ہوا تو بندہ نے عریضۂ عیادت لکھا جس کا جواب حضرت نے اپنے ہی قلم مبارک سے ۲۶ صفر کو لکھا یہ حضرت کا آخری یادگار خط ہے۔ جو احقر کے نام ہے اس کا عکس آپ کو بھیج دوں گا اس سے آپ حضرت کی شفقت کا اندازہ کر سکیں گے۔

ویسے بھی بحمد اللہ حضرتؒ کے کافی خطوط احقر کے پاس محفوظ ہیں جو ایک نادر علمی خزانہ کے طور پر انشاء اللہ یادگار رہیں گے۔ کچھ ذاتی اور کچھ نجم المدارس کے وقتی مصروفیات ہیں انشاء اللہ تھوڑا ہی موقعہ ملا اور فرصت ہوئی تو حضرتؒ کی تعزیت کے لئے دارالعلوم اور مرشدی حضرت کے مزار پر حاضری دوں گا۔

والد مکرم، چچا محترم اور برادرم عزیز قاضی محمد نسیم فاضل حقانیہ کی جانب سے سلام مسنون۔

آپ کا شریک غم

بندہ قاضی عبدالحلیم

نجم المدارس کلاچی ۲۵ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

دل غمگین اور رُوح پژمردہ ہے

مولانا احمد عبدالرحمٰن صدیقی
انجمن خدام الدین نوشہرہ

گرامی قدر حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مزاج شریف! اخبارات سے اپنے شفیق و بزرگ استاد آپ کے والد باکمال رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کے انتقال پر ملال کی اطلاع سے دل غمگین اور روح پژمردہ ہے۔ انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ۔ اللھم لا تفتنا بعدہ ولا تحرمنا اجرہ۔ ایصال ثواب بحمدہ الکریم جاری ہے۔ اور مدرسہ انوار القرآن میں ختم القرآن بھی۔

حضرت مرحوم نے ساری زندگی جس تقوٰی و اشاعت علوم حقہ میں گذاری وہ اپنی مثال آپ ہے ہمیں ان کے مسلم شریف کی تلاوت اور اس پر خداداد فہم و بصیرت سے تشریح و تفہیم ہمیشہ یاد رہتی ہے۔ ان کی برکات و حسنات کا کیا ٹھکانہ ہے۔ امید ہے یہی امور ان کے لئے ذخیرہ نجات و سعادت بنیں گے۔

دل سے دعا ہے کہ رب کریم آپ کو ان کا صحیح جانشین اور ان کی برکات و سعادتوں کا امین بنائے رکھے۔ آمین۔ میں خود بھی حاضری دوں گا۔ اس وقت فوری طور پر اپنے جذبات تعزیت پیش خدمت ہیں۔ اور دلی رنج اس کا بھی ہے کہ کاش بروقت مطلع ہوتا اور جنازہ مبارکہ میں شمولیت کا شرف پاتا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

دل سے دعاؤں کا طالب ہوں۔

○

اِن للہِ عبـــاداً فطنـــا

ذوالمجد والکرم جناب مولانا صاحب مدظلہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد سلام مسنون وآداب۔ خیریت موجود، خیریت مطلوب!

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب قدس اللہ سرہٗ کی وفات کی خبر سُن کر جامعہ میں کہرام مچ گیا۔ غم و حزن کی ایک لہر دوڑ گئی۔ تمام طلبہ خصوصاً شرکاء دورۂ حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آفتاب علم کے غروب ہونے پر رنج وصدمہ کا اظہار کیا۔ درس ترمذی شریف کے بعد محدث کبیر، فقیہ بے نظیر شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب دامت برکاتہم العالی نے مولانا مرحوم جعل اللہ قبرہ روضۃ من ریاض الجنۃ واٰخرتہ خیراً من الاولیٰ۔ کے لئے مغفرت اور رفع درجات کے لئے دعا فرمائی۔

حضرت مولانا مرحوم کی رحلت سے جہاں دارالعلوم کے بزم علم وفضیلت میں کمی آئی وہاں عالم اسلام کے لئے بھی ایسا خلا پیدا ہوا جو پُر نہ ہوسکے گا۔ مولانا مرحوم نوراللہ مرقدہ ایک تارک الدنیا مرد قلندر تھے۔ ایسے نیک اور متبحر علماء بہت کم ملتے ہیں۔

ہم آپ کے ساتھ اس صدمہ میں برابر کے شریک ہیں۔ خدا موصوف کو جنت الفردوس اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

مولانا مرحوم بھی اس زمرہ میں سے تھے ؎

ان للہ عباداً فُطناً | طلقوا الدنیا وخافوا الفتنا
نظروا فیہا فلما علموا | انہا لیست لحیٍّ وطناً
جعلوہا لجۃ واتخذوا | صالح الاعمال فیہا سفنا

دعاجو محب اللہ

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی

○

خبر وحشت اثر

برادر محترم عزیزم مولانا حافظ محمد ابراہیم صاحب وعزیزم محمد اسمٰعیل سلمہما اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آج آپ کا ملفوف ملا جس میں استاد مکرم شیخنا المعظم مولانا عبدالحلیم صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر پڑھ کر قلب وجگر پر بجلی سی کوند گئی۔ آنکھوں کے نیچے اندھیرا آگیا۔ بے تحاشہ آنسو رواں ہوگئے۔ دل بے قابو ہوگیا۔ آہ! پاکستان میں صرف میرے ایک شیخ تھے وہ بھی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اِنا للہ واِنا اِلیہ راجعُون۔

اس میں کسی کا بس نہیں۔ یہ قدرت کا نظام ہے اس کے مطابق آگے پیچھے سب جارہے ہیں اور جو آیا ہے وہ جانے ہی کے لئے آیا ہے۔

نزلنا ھٰھنا ثم ارتحلنا
کذا الدنیا نزول وارتحال

حق جل مجدہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور اعلیٰ علیین میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ خطاؤں سے درگذر فرما کر درجات بلند کردے۔ آمین

باب ہشتم

منظومِ خراجِ عقیدت

کس غضب کا ہے معاذ اللہ طول روزِ ہجر
حشر مجھ پر ہو گیا لیکن یہ ڈھلتا ہی نہیں

ہم نے چاہا تھا نہ ہو لیکن ہوئی صبحِ فراق
موت کا جب وقت آجاتا ہے ٹلتا ہی نہیں

آمین - میرا سلام پہنچائیں

والسلام

کراچی

سوزِ دل

جناب سراج الاسلام سراجؔ۔ بی اے۔ بی ایڈ اکوڑہ خٹک

پھر غم سے خون خون ہے سینہ گلاب کا
پھر خاتمہ ہوا ہے کس ہستی کے باب کا

عالم کی موت حق ہے کہ عالم کی موت ہے
ماتم کناں ہے دہر اک عالی جناب کا

عبدالحلیم تھا کہ وہ بحرِ علوم تھا
محسن رہا جو علم میں ہر شیخ و شباب کا

کہنے کو گرچہ یاں رہا صدر المدرسین
خواہاں مگر نہیں تھا لقب کا خطاب کا

ہرگز نہ تھی صلہ و ستائش کی آرزو
ہر لحظہ تھا خیال گناہ و ثواب کا

چھتیس سال تک اسی دارالعلوم میں
دیتا رہا تھا درس خدا کی کتاب کا

جس کا تھا واسطہ ہی قرآن و حدیث سے
انداز جانتا تھا سوال و جواب کا

خادم رہا ہے دینِ شریعت کا یہ شہیر
خادم نہیں رہا کسی خان و نواب کا

جو دیں کا پاسباں ہے حقیقت میں ہے وہ شاہ
بے دیں کو کیا خبر ہے حساب و کتاب کا

ہر حال میں ہی فقر و قناعت رہا لباس
یہ اس لئے کہ خوف تھا روزِ حساب کا

حقانیہ کی گود سے موتی وہ چھن گیا
بدلے میں اب کہاں ہے اسی آب و تاب کا

حق مغفرت کرے رہے خلدِ بریں مقام
ہو حاشیہ نشیں رسالت مآب کا

۱۴۰۳ھ
اس غم کو دوست نے غم بے شان کہدیا
یہ سالِ انتقال ہوا آں جناب کا

ہے زندگی کا دور بہت مختصر سراجؔ
ہوتا ہے زندگی پہ گماں مجھ کو خواب کا

قبلہ گاہِ مرحوم کی یاد میں!

حافظ محمد ابراہیم فانیؔ

وہ کیسا دل ہے کہ جس میں تمہاری یاد نہیں
وہ کیسے لب ہیں جن پہ نوحہ و فریاد نہیں

اے غمِ دہر بس اب اور تو سوغات نہ دے
دلِ صد پارہ میں اب طاقتِ فریاد نہیں

شکوہ سنجی پہ اتر آئے ہیں اے پیرِ فلک
اسیرِ دام کو کیوں شکوۂ صیاد نہیں

یہ ستم کیش فضائیں یہ پُرآشوب ہوا
یہ بزمِ کرب ہے یاں پر کوئی بھی شاد نہیں

سخت جانی کا میری امتحاں ہوتا یکجا
دستِ قاتل میں اب وہ لذتِ بیداد نہیں

جگر پاش کی قاشیں ہیں میرے دامن میں
ہم نفس مجھ سا کوئی خانماں برباد نہیں

تیرے حضور یہ نذرانہ لے کے آیا ہوں
غمِ فراق سے فانیؔ ترا آزاد نہیں

(۱۰ر جنوری ۱۹۸۴ء مزار پر حاضری کے وقت)

جامع الصفّات شخصیّت

مولانا قاضی محمد فضل اللہ جان حقانی

مردِ حق تھے شیخنا عبد الحلیم — تھے مجاہد صاحبِ خلقِ عظیم

عالموں میں منفرد شان آپ کی — دین میں رخصت ہوئی جان آپ کی

تھے غزالی دہر کے رازی زماں — تفتزانی کے نکات کا راز داں

گو مجسّم علم تھے بحرِ عمیق — محسن و مشفق تھے یہ مردِ شفیق

مکتبِ دیوبند کے وہ تھے خوشہ چیں — ترجمانِ حق رہے شیدائے دیں

شیخ حسین احمد کے تلمیذِ رشید — عبدِ مالک[1] کے تھے جو صالح مرید

منطق و حکمت میں وہ تھے بوعلی — اور طریقت میں بھی تھے کامل ولی

تھے عقائد میں جو اک اعظم امام — فقہ میں بھی آپ کا اعلیٰ مقام

فنِ تفسیر و خبر میں بے مثال — آپ کی رحلت سے اک عالم ملال

مغفرت اس کی ہو اے ربِّ کریم — جانشیں بن جائے اس کے ابراہیم

سوال فضل اللہ کا یہ ہے خدا

پُر کرے اپنے کرم سے یہ خلا

[1] حضرت پیر عبد المالک صدیقی قدس سرہٗ

نالۂ محشر چکاں!

حافظ محمد ابراہیم فانی

آہ کس کی موت پر یہ نالہ و شیون ہے آج — حیف کس کے ہجر کے نوحہ پہ تر دامن ہے آج

رو رہے ہیں کس کی فرقت پر بخونابِ جگر — سینہ بریاں شق گریباں ہر گل گلبن ہے آج

کس کی رحلت سے متاعِ اہلِ دانش لٹ گئی — کس کے جانے سے خزاں منظر یہی گلشن ہے آج

یاس و حسرت کی فضا چھائی ہوئی ہے چار سو — برقِ غم سے مضطرب احساس کا خرمن ہے آج

نالۂ اندوہ ہے ہر بانگِ مرغانِ سحر — نوحۂ فریاد ہر آہنگِ جان و تن ہے آج

خونِ غم ادجِ شفق پہ مانند بزمِ کہکشاں — تیرہ و تاریک و خیرہ نیّرِ روشن ہے آج

نالۂ محشر چکاں ہے محفلِ گیتی میں کیوں — سرنگوں از شدّتِ غم نرگس و سوسن ہے آج

درد و کرب و آہ و زاری کی صدائیں ہیں بلند — اُف وبالِ رُوح و عقل و جاں قبائے تن ہے آج

جس کو دیکھو ہوش گم بے چین و مضطر اشک ریز — چشمِ گریاں دل تپاں و چاک پیراہن ہے آج

دم گرفتہ در گلو ہے خوشنوائے عہدِ گل — حسن تا خاموش وہ فانوسِ علم و فن ہے آج

حیف زیرِ گور وہ شیدائے ختم المرسلینؐ — آشنائے رمز و اسرارِ فکان و کن ہے آج

اہلِ عرفاں کو تسلّی کون دے گا اے اجل — مرجعِ اہلِ ہُدیٰ آسودہ در مدفن ہے آج

آہ کنجِ گور میں عزلت نشین خلوت گزیں — منبعِ جود و سخا و صدق کا معدن ہے آج

آہ فانیؔ رفت از دنیائے دوں شیخِ زمن

خاک کی آغوش میں خوابیدہ اک مخزن ہے آج

۱۰ مارچ ۱۹۸۳ء

نذرِ علّامہ عبد الحلیم مرحوم

عابدہ ودود (زروبی) بریڈفورڈ انگلینڈ

وہ برقِ زندگی تھا سراپا ضمیر تھا
وہ مثلِ آسماں تھا ہمارا مشیر تھا

وہ درسِ زندگی کا ستارہ تھا دہر میں
ہر روشنی بدست اسی کا اسیر تھا

بے مثل و بے نظیر تھا وہ بوریا نشیں
تاریکیوں کے عہد میں بس وہ بصیر تھا

وہ لوح تھا قلم تھا زباں تھا بیاں بھی تھا
اک درد تھا جہاں کا مگر خود جہاں بھی تھا

مشرق کی آگہی تھا فروزاں تھا ہر طرف
دھڑکن تھا آدمی کا شمعِ بے کراں بھی تھا

وہ جاں گداز لمحۂ پیراہنِ صبا
روشنی تھا زندگی میں مگر پھر نہاں بھی تھا

اب ڈھونڈیئے اسے کہ وہ شعلہ نوا نہیں
ہاں وہ نگارِ گل وہ سراپا وفا نہیں
زندہ ہے اب بھی کون یہ کہتا ہے وہ نہیں
زندہ ہے اس لئے مرے لب پہ دعا نہیں
وہ یاد دے گیا ہے بچھڑ کر کہ اب تلک
محسوس ہو رہا ہے وہ اب بھی گیا نہیں

خطاب بہ قبلہ گاہ مرحوم قدس سرہٗ

(مزار پر حاضری کے وقت)

حافظ محمد ابراہیم فانیؔ

اے مرے مرحوم والد قبلہ گاہِ محترم
تیرے مرقد پر کھڑا ہوں پیکرِ تصویرِ غم

بن ترے میرے لئے سونی ہے بزمِ کائنات
اور ویرانہ ہے میرے سامنے باغِ ارم

جان کی بازی لگائی بہرِ ترویجِ علوم
جادۂ منزل ہے گویا آپ کا نقشِ قدم

تو نے مجھ ناچیز کو بخشی ہے ذوقِ آگہی
ورنہ کس قابل تھا یہ اک ذرّۂ دشتِ عدم

مجھ کو سمجھاتا کبھی الفت بھرے انداز میں
یاد آتی ہیں ادائیں وہ تمہاری دم بدم

تیرے خوانِ علم سے زلّہ ربائی میں نے کی
یہ نصیب اللہ اکبر ہے انعامِ ذوالحکم

حشر تک اس گلشنِ جنت میں آسودہ رہے
تیرے فیضانِ نظر سے مجھ پہ ہے ربّ کا کرم

آہ وہ مدحِ نبیؐ اوصافِ یارانِ رسولؐ
کب سنائے گا ہمیں با دیدۂ پُر آب و نم

اب کہاں وہ بزمہا و حلقہ ہائے علم و فن
حسرتا ایسی محافل سے ہوئے محروم ہم

فانیؔ بیچارہ اُف یہ کون زیرِ خاک ہے
در حقیقت نازشِ اہلِ عرب فخرِ عجم

تیری تربت پر چراغِ طور نور افشاں رہے
حشر تک تو ہم نشینِ رحمتِ یزداں رہے

۱۰ر جنوری ۱۹۸۴ء

عبدالحلیم بنام عبدالحلیم

(جناب مولانا قاضی عبدالحلیم صاحب استاذ نجم المدارس کلاچی)

ع۔ عارفِ اسرارِ ربّانی سوئے جنّت رواں
اور ہجومِ عاشقاں دیکھو کہ پیچھے ہے دواں

○

ب۔ برکت ویمن وسعادت کا تھا وہ عالی نشاں
چھن گئی ساری بہاریں چھا گئی ہر سو خزاں

○

د۔ دل میں ان کی یاد ہے اور لب پہ ان کا نام ہے
ان کی رحلت کیا ہوئی اب صبح اپنی شام ہے

○

ا۔ آسمانِ علم کا وہ اُف چمکتا آفتاب
گردشِ دوراں سے ڈوبا اور ڈوبا بھی شتاب

○

ل۔ لالۂ گل اور نوائے عندلیب افسانہ شد
موت سے کہدے کوئی پیر وجواں دیوانہ شد

○

ح۔ حلم میں یکتا تھے تم اور ہاں سخاوت بے مثال
مجمع البحرین بودی از جلال و از جمال

○

ل۔ لائق وممتاز شیخ عصر یکتائے زماں
رو رہا ہے اس لئے صدمے سے تیرے کل جہاں

○

ی۔ یم تھا علم وفضل کا اور تھا عمل کا شہسوار
رہتی دنیا تک رہے گی آپ کی ہر یادگار

○

م۔ مہ جبیں تیری جبیں کی یاد آتی جائے گی
جب تلک اپنے نفس میں سانس آتی جائے گی

○

ایک تاثر

(حافظ محمد ابراہیم فانیؔ)

صحرا صحرا بستی بستی دشت و بیاباں روتے ہیں
دامن تر ہے چشم بھی تر ہیں جیب و گریباں روتے ہیں

تجھ کو ہے کیا معلوم اے ساقی کیا بیتی دیوانوں پر
گریہ کناں ہیں جام و سبو مہجور غریباں روتے ہیں

اجڑا اجڑا خالی خالی ویراں ہے کاشانۂ دل
کوچۂ غم میں اے ہمدم حیران و پریشاں روتے ہیں

کب ہوگا میخانے میں اب اے پیرِ مغاں وہ گردشِ جام
مستانے تو جان بلب ہیں بے سروساماں روتے ہیں

گلشن گلشن شورِ عنادل جنگل جنگل نالۂ بلبل
نوحۂ فرقت نغمہ کی صورت بے دل و جاں روتے ہیں

فانیؔ عاجز و بیچارہ یہ کس کی رحلت و فرقت پر
شیشہ و سنداں روتے ہیں یہ سنبل و ریحاں روتے ہیں

(۵ر دسمبر ۱۹۸۴ء ریوم النحر)

نذرانۂ عقیدت بدرگاہ امام المتکلمین و فخر المحدثین جناب

مولانا عبدالحلیم صاحبؒ

سابق صدر مدرس دارالعلوم حقانیہ

از:۔ اصلاح الدین مصلح ڈیروی آف ملازئی فاضل دارالعلوم حقانیہ

○

ایسے درد و غم میں پڑے ہیں ہم۔ جو نہ ہوگا نفخۂ صور میں
یہ چمن حسیں اور محترم۔ آج ڈوبا شورِ نشور میں

خونِ دل جو مژگاں پہ آگیا۔ چشم غمزدہ سے اٹھی صدا
پوچھا روک دوں یا کہ تحفہ دوں فخر مقبرہ کے حضور میں

میں سمجھ گیا کہ زمین زماں ہمہ درد و غم میں ہیں مبتلا
آج موجزن ہیں اور جوش ہے تیرے گرد و پیش بحور میں

تیرے غم میں آج چیونٹیاں۔ اور مچھلیاں ہیں نوحہ خواں
اور بنا ہے ماتم کا سماں جنگلوں کے سارے طیور میں

سنو چاند کہتا ہے تاروں کو متعلموں سوگواروں کو

ہمیں روشنی دینے والا تو۔ آج چھپ گیا ہے قبور میں

وہ جو مشکلوں میں کلید تھے۔ وہ جو زندگی میں فرید تھے

آج موت میں بھی وحید ہیں کل تھے شمس جو کہ بدور میں

وہ مجسمۂ شفقت کے تھے۔ وہ جو ترجماں محبت کے تھے

وہ جو ظلمتوں میں بھی نور تھے۔ اب پڑے ہیں گوشۂ نور میں

وہ جو سائلوں کے سکون تھے۔ وہ جو مسئلوں کے امین تھے

وہ سکونِ قلبِ حزیں تھے۔ خود ہوں غم میں یا ہوں سرور میں

اے اجل ہے جور کی انتہا۔ کہ اٹھایا وہ دُرِّ بے بہا

اور مسرتیں ہم سے چھین کر بانٹ دی ہیں اہلِ قبور میں

بھری دنیا کو تحدی ملی۔ کوئی لائے بیٹا ایسا جری

جسے مشکلوں میں نہ خوف ہو۔ نہ رکاوٹوں کے وفور میں

ارے عندلیب خموش ہو کیا سنیں گے ہم تیرے نالہ کو

میرے زخمی دل نے جو سن لیا۔ وہ فغاں کتب کے سطور میں

میرا سب متاع تو لٹ گیا۔ اس لئے تو مصلحِ بے نوا

دبرد و غم سے وہ یوں تڑپ اٹھا جوں پڑا ہو نارِ تنور میں

○

تاثرات

حافظ محمد ابراہیم فانی

وہ جن کی ذات وجہِ نازِ بہاراں رہی
وہ جن کا ذکر باعثِ سکونِ جاں رہا

وہ جن کے نام سے لرزاں ہے اہلِ فتن
عدوئے دیں کے لئے تیغ و برقِ تپاں رہا

روز و شب بادۂ توحید پہ مخمور تھا جو
عمر بھر ساقیٔ میخانۂ عرفان رہا

خادمِ وحیِ الٰہی و سنتِ نبوی
وہ مردِ حر تھا با ضمیر و حق بیاں رہا

وہ مفسر متکلم وہ محدث وہ ادیب
حکیمِ دہر و امامِ فنِ میزان رہا

مرجعِ اہلِ ہدیٰ قدوۂ اربابِ تقیٰ
معدنِ علم و عمل فائقِ اقران رہا

درونِ سینہ او عشقِ رسولِ عربی
زوالِ حالتِ مسلم پہ خونچکاں رہا

منبعِ لطف و کرم زبدۂ اصحابِ فضل
فقیہہِ عصر بو حنیفۂ زماں رہا

رازیٔ وقت تھے بے ریب و غزالیٔ زمن
علومِ قاسم و انور کا رازداں رہا

تلمیذِ ارشدِ حضرت حسین احمد مدنی
گردونِ دیوبند پہ نیرِ تاباں رہا

طبیبِ دردِ دل و افتخارِ دین و وطن
نبض شناسِ جسم و تن و قلب و جاں رہا

آہ رخصت ہوا فانی دُرِ یکتائے زمن
ہر نفس جن کا بہرِ خالق و یزداں رہا

اعزاز علی

ایک عظیم انسان

عابد ودود ——— بریڈفورڈ انگلینڈ

وہ ایک انسان
کہ جس کے چہرے پر
لاکھ سالوں کی داستاں تھی
کہ جس کی سوچیں ہمارے زخموں
کا تھیں مداوا
اسے اجل آج کھا چکی ہے
وہ آج ہم میں نہیں تو کیا ہے؟
کہ اس کے افکار ہیں بیش قیمت
کہ اس کے افکار
ہیں ابنِ آدم پہ ایک احسان

نالۂ غم

بر وفات حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جاز ریتوی

(از خلیل احمد مخلص مردانی)

پیکرِ صدق و صفا شیخ تکلم چل بسا
اس کے جانے سے فضا یوں ہے کہ عالم چل بسا

آبیاری عمر بھر جو دین کی کرتا رہا
وائے یارو آج وہ علم مجسم چل بسا

حضرت مدنی[۱] و ابراہیم[۲] کے تلمیذ خاص
خوشہ چین دیوبند و فخر قاسم[۳] چل بسا

وقت کے ابن حجر[۴] تھے انور[۵] حقانیہ
واقف اسرار مسلم[۶] و مسلم[۷] چل بسا

دست راست مدرسہ و حضرت شیخ الحدیث[۸]
ثانی اعزاز[۹] و مخلص کا مکرم چل بسا

۱؎ مولانا حسین احمد مدنی ۲؎ مولانا ابراہیم بلیاوی ۳؎ مولانا محمد قاسم نانوتوی
۴؎ ابن حجر عسقلانی ۵؎ علامہ انور شاہ کشمیری ۶؎ مسلم شریف ۷؎ مسلم الثبوت ۸؎ مولانا عبدالحق زید مجدہم ۹؎ مولانا اعزاز علی

تو امر ہے

عابد ودود۔ بریڈفورڈ انگلینڈ

میرے مسافر تری روانی
تری روانی کہ جس نے میرے
جہاں سارے پرایوں اپنوں
کے تن بدن کو کیا ہے مجروح
اجل نے آخر تجھے بلایا ہے آج لیکن
مجھے یقین ہے
ترا صلہ ہے میری نگاہوں میں
ہے اتنا اونچا کہ جس کا شاہد مرا قرآن ہے
کہ تیری ہستی تھی فنا فی اللہ
کہ تیری سانسوں کی نکہتوں نے
ضیائے دین کو لئے ہوتے تھا
کہ تو امر تھا کہ تو امر ہے
کہ تیری رحلت سے دل ہے دو نیم
کہ تو نے کی تھی نشاۃ ثانی کی ترجمانی
کہ تو وہ ور تھا کہ جس کا اسم ہے کاویانی
حفیظ اللہ ہو رحمتیں ہوں مدام تجھ پہ
عظیم چچا میری دعائیں سلام تجھ پہ

قاری رشید احمد شاکر مہتمم جامعہ عثمانیہ، پشاور

مردِ قلندر

آہ مرگِ ناگہاں مردِ قلندر اب کہاں — وہ محدث وفقیہ اور وہ مفسّر اب کہاں
تشنگانِ علم وحکمت جابجا افسردہ ہیں — بحرِ مواجِ شریعت کا شناور اب کہاں
پیکرِ ایثار وجرأت خادمِ دینِ متین — چار سو برپا ہے ماتم شیخِ اکبر اب کہاں
واہ تیری خوش بیانی پر ہو میری جاں فدا — اے تکلم کچھ بتا تیرا تبختر اب کہاں
سطوتِ باطل سے بھی جو بار ہا ٹکرا گیا — ایسی چنگاری خدایا ایسا نشتر اب کہاں
جسکی فرقت پر ہے گریاں آج یہ چرخِ بریں — جنکے دم سے چل رہا تھا دورِ ساغر اب کہاں

گلستاں باقی ہے لیکن اسمیں بوئے گل نہیں
رونقِ حقّانیہ جو تھے وہ شاکر اب کہاں

قطعہ ہائے سن وفات

از ترتیب :- حافظ محمد ابراہیم فانی

فکر میں غلطاں تھا اک دن سوچ میں غرقاب تھا
دل میں غم تھا جاں حزیں تھی اور جگر خوناب تھا

ایک صوت دلخراش و غم رُبا آئی بگوش
درحقیقت وہ تھا ہاتف اور آوازِ سروش

ہاتفِ غیبی نے مجھ سے یہ کہا رحلت کا سال
آہ فوتِ فضل سے نکلی ہے تاریخِ وصال
۱۴۰۳

جس کا ہر اک لفظ تھا مثلِ نبات
صحنِ دل ان کی یادوں کی برات
ہے کہاں وہ رہنمائے علم و فن
گمرہاں را ساقیِ آبِ حیات

ناگہاں آئی صدائے دل خراش
آہ فاتِ شیخ ہے سالِ وفات
۱۴۰۳

سینہ میں اضطراب ہے دل چُور چُور ہے — یہ کس کے غم سے عقل و خرد میں فتور ہے
ہر دل تڑپ رہا ہے ان کی یاد و ہجر سے — ہر لب پہ ہر زبان پر ذکرِ حضور ہے
تربت پہ تیری آ کے تو محسوس یہ ہوا — اللہ یہ مرقد ہے کہ جھلائے نور ہے
فانی نہ کیوں مقام ہو خلد شیخ وقت کا
جب سالِ انتقال عبید الغفور ہے
۱۴۰۳

خونابِ دل

(حافظ محمد ابراہیم فانی)

ناشناسائے ہجر بودم واقفِ سودا شدم — آخر از بے مہریِ دوراں بآں اشنا شدم
حسرتا خاموش شد آں شمعِ بزمِ قدسیاں — گریہ ‌ام آید مرا یا رب نوا پیرا شدم
رفت از دنیائے دوں آں زینتِ دار العلوم — ہمچو بسمل نیم تن برمرگِ مولانا شدم
نیرِ صبحِ سعادت کنجِ تاریکی گرفت — سینہ بریاں بر فراقِ حضرتِ والا شدم
نوحہ کن از رحلتِ او مسندِ دار الحدیث — غرق در دریائے درد و غم ز سرتا پا شدم
قیامتِ صغریٰ بپا شد بر قلوبِ اہلِ دین — بعد از فقدانِ او تنگدل من از دنیا شدم.
حضرتِ عبد الحلیم آں خادمِ دینِ متین — کردِ رحلت از بعید و خویش بیگانہ شدم
سینۂ من داغ داغ و شیشۂ دل لخت لخت — از خدنگِ ہجرِ آں گوہر تہ و بالا شدم

روزِ محشر خیزہ آمد بر سرِ فانی و لا
مردِ صاحبِ دل برفت در کوئے غم تنہا شدم

قطعۂ تاریخِ وفات

حضرت العلامہ مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ کلاچوی

مہتمم مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی

خونچکانیم دیدیم باقلب دونیم
بروفاتِ حضرت عبدالحلیم
بہرِ تاریخش بگو نالہ کناں
شیخِ حق در جنۃ ماوی رساں

۱۹۸۲ء

ایضاً ــــ

از حافظ محمد ابراہیم فانی

چوں شیخِ وقت از دنیا سفر کرد
دلم شد از غمِ ہجراں برباد
بپرسیدم ز ہاتف سالِ رحلت
بگفتا بود او "مغفور و سجّاد"

۱۴۰۳ھ

از حافظ محمد ابراہیم فانی

قَطَرَاتُ الدَّمِ وَعَبَرَاتُ الحزَن

القصیدہ فی رثاء متکلم العصر الشیخ العلامہ

عبدالحلیم

صدر المدرسین بدار العلوم الحقانیہ اکوڑہ خٹک سابقاً نور اللہ مرقدہ

نَعَى النَّاعُون شیخنا ذا وقارٍ   حلیماً فاضلاً دُرَّ البحارِ
مُفسِّرَ وَقتِہٖ بُرھان رَبِّہٖ   مُحبَّ نَبِیِّہٖ بِالافتخارِ
مُحدِّث عَصرِہٖ فی الفقہ اجلٰی   نظیر التِّرمذی ثانِ البخاری
یتیمۃُ دَھرِہٖ بالفضل احرٰی   لواجِرِ مَاننا مِنْ بَدرٍ ساری
حَنِیفۃُ قرنہٖ حقّاً وحقّاً   نجیماً[1] ثمّ ھُماماً[2] وَّ قاری[3]
اَمین رمُوزِ محمودٍ[4] وَّ قاسم[5]   حفیظ کُنوزِ انوار[6] المنارِ
فریدًا فی التّکلّم وَالتّفلسف   وَجیہًا فی الاُصولِ بلا انکارِ
بِہیًا جوم وَرِعٍ شیخ لُطفٍ   رَفیقًا بالکبارِ و بالصّغارِ
شجیعًا بارِعًا حُرًّا خَطِیبًا   وفِی اقوالِہٖ فوحُ العَرارِ
کریمَ النّفس لَیْسَ لَہٗ مَثِیلٌ   وَسیعَ الحِلْم مَعدُومَ النّظارِ
کثیرالخیرِ حقّاً طُودَ جُودٍ   و عَینُ فیوضِہٖ فِی البرّ جارِ

---

[1] ابن نجیم رحمہ اللہ صاحب بحر الرائق [2] ابن ہمام صاحب فتح القدیر [3] ملا علی القاری صاحب مرقاۃ [4] شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا [5] قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند [6] محدث عصر مولانا انور شاہ کشمیری

صبراً فی الحوادث و البلایا — شکوراً فی العطایا و الیسار
فقدنا معدن الخیرات فضلاً — فوا اسفا علی ھذا الخسار
صدیق الصدق فی کل الامور — لعبدالحق حبر ذی نضار
[illegible] ذکارذیا ساھر اللیل — وکثر وصفہ یا خیر جار
[illegible] قد راح منّا جسم زھد — اَلا قد ضاع تذکار الکبار
[illegible] قد غاض منّا بحر علم — شفیق مشفق طود الوقار
اَلا قد مات شہم نحر حبر — نبیل ماجد صدر الخیار
اَلا قد فات فیلسوف وقت — ادیب کامل یدریہ دار
[illegible] قد غاب منّا بدر فضل — و شمس کوّرت نصف النہار
الا قد ذاب انشدة الشعوب — فھل للجرح ھذا من جبار
اَلا قد طال لیلی یا الفراق — فکیف سکینتی بالاصطبار
اَلا قد سال عینی بالدموع — و فی قلبی انین بالجہار
ففی الاطراف قلق ثم حزن — وکیف الخوف بالاکناف طاری
ترحّم ایّہا المولیٰ بروحہ — بجاہ نبیّنا خیر الخیار
و تاملہ وجاملہ بلطف — و اکرم نزلہ فی خیر دار
الٰہی اعطہ جنّات عدن — وقدّس سرّہ یارب باری

الٰہی وفّق الصّبر لفانی[1]
بیتیم مستغیث ذی عثار

[1] [illegible] مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

قطعۂ تاریخ وصال

جناب اصلاح الدین مصلح
فاضل دارالعلوم حقانیہ

قلت راح شیخنا عبدالحلیم
مود عالی والقلوب باکیہ
ھاتف الخیر نعی بی قائلاً
مرقدہ فی جنّۃ عالیہ[1]

۱۴۰۳ ھ

[1] مصرعۂ تاریخ وفات میں عروضی لحاظ سے کچھ سقم ہے۔ لیکن بصورت اصلاح مادۂ تاریخ نکالنا دشوار تھا۔ اس لئے یونہی رہنے دیا گیا۔ (فانی)

د زړه فریاد

(حافظ محمد ابراهیم فاني)

صدر محترم څو نن ولاړ دی د دنیانه — داخو لوئے قیامت په مونږ راغلو علمائانه
څوك به په بخاري باندې بیا درافشاني کوي — څوك به د اسرارو د مسلم ترجماني کوي
څوك به په بیضاوي باندې تقریر جاوداني کوي — کان د علم پټ شو علماء دي ټول حیرانه

خوند هغه د تقریر مولانا زاو سره په دماغ کښې دے — دا سے سرور چرته د ساقي په راك اياغ کښې دے
خندا نن خاموش عندلیب د علم باغ کښې دے — زړه مې د الم ریږدي ستا په هجر پریشانه

ندے په دنیا کښې په خپل وخت د تکلم امام — هر چا دے منلے په هر فن کښې مسلم امام
جامع المعقول للنقول محتشم امام — مونږ باندې تیرے دي او فتنے دي د هر خوانه

علم د رومي همام رازي فخر پېښتا کوي — روح د شیخ الهند او مدني فخر پېښتا کوي
عقل د انور او د عثماني فخر پېښتا کوي — فخر د قاسم و مدرسے ماه تابانه

مونږ ته ژوندی نخښه د فقر بوذري ته وے — کفر او باطل دپاره تیغ حیدري ته وے
غږه استقلال او د همت بهادري ته وے — کرم صفت د او ستایمه اے مرد میدانه

مونږ نه د اسلافو د کردار نشانه پورته شوه — د ډیره بیش قیمته بیشی بها خزانه پورته شوه
ځکه یو نعره د حسرت ښار هر ے غوانه پورته شوه — سترګے مې تن وینے تویوي شاه شاهانه

ښکار کړلو شاهین د علم مونږ وزه صیاد د مرګ
اس یتیمان پاتے شو لاسه د جلاد د مرګ
چاته او ژاړمه چاته او کړمه فریاد د مرګ
صبر ته نصیب کړه د فاني ربه منانه

مرثیه

له اړخه د محمد ابراهیم فاني

دخزان په باد برباد شولو ګلشن بیا
بلبلانو څکه پرېښودو چمن بیا
دېنه څاڅي د زړګي د عندلیب نه
و بیلتون غشي ئې سنځ دي په بدن بیا

اے بلبله ژاړه مه بهار به راشي
ګلستان به شي تازه رشک عدن بیا
تسلي څما زړه به په څه او شي
رابه نه شي هغه ګل مړ په وطن بیا

مولانا عبدالعلیم څمونږ نه لاړو
شو تالا ګلزار د علم ئې په رفتن بیا
چه په مرګ ئې مدرسه شوله یتیمه
طالبان ئې په ارمان دي د ګفتن بیا

په فضا د زړه بې د غم تیږې دي
رابه نه شي سپے بهار د علم وفن بیا
په جنت کښې ملاقات موږ ئې نصیب کړه
چه هر وخت ئې سیرابیږ وپه دیدن بیا

ابراهیمه بیرته کله واپس نیسږي
چه ننا شي څوک پټ شي په کفن بیا

مولانا عبدالحلیم صاحب
زروبئ نور الله مرقده

شبیر احمد مخلص

لاړ ناز ولے د تا سم رانه رخصت شو
څه او کړمه صدر محترم رانه رخصت شو

زړه م لا زخمي د بنوري په جدائي وو
بیا پسے د حضرت مفتي په جدائي وو
هم د غلام غوث هزاروي په جدائي وو
پاتے ارمان ئے کړو یکدم رانه رخصت شو
څه او کړمه صدر محترم رانه رخصت شو

هغه دا سلافو تذکرے به م څنګ هیرے شي
د علمي نخبو سلسلے به م څنګ هیرے شي
ښنکلے د شفقت د کے لمحے به م څنګ هیرے شي

د حسین احمد شاګرد اعظم رانه رخصت شو
څه اوکړمه صدر محترم رانه رخصت شو

چانه به چاپیره نن په مینه طالبان شي
څوک به اوس په هره مسئله ورته ګویان شي
څه رنګ تازه به بیا د علم ګلستان شي

دوچه د هر چا د زړه مرهم رانه رخصت شو
څه اوکړمه صدر محترم رانه رخصت شو

ښکاري نن مسند د غزاليؒ او د رازيؒ یتیم
هم د بیضاويؒ او علامه تفتازاني یتیم
نه دے په دے غم مُخلّصه صرف یوفاني یتیم

بحر د حکمت او د کرم رانه رخصت شو
څه اوکړمه صدر محترم رخصت شو